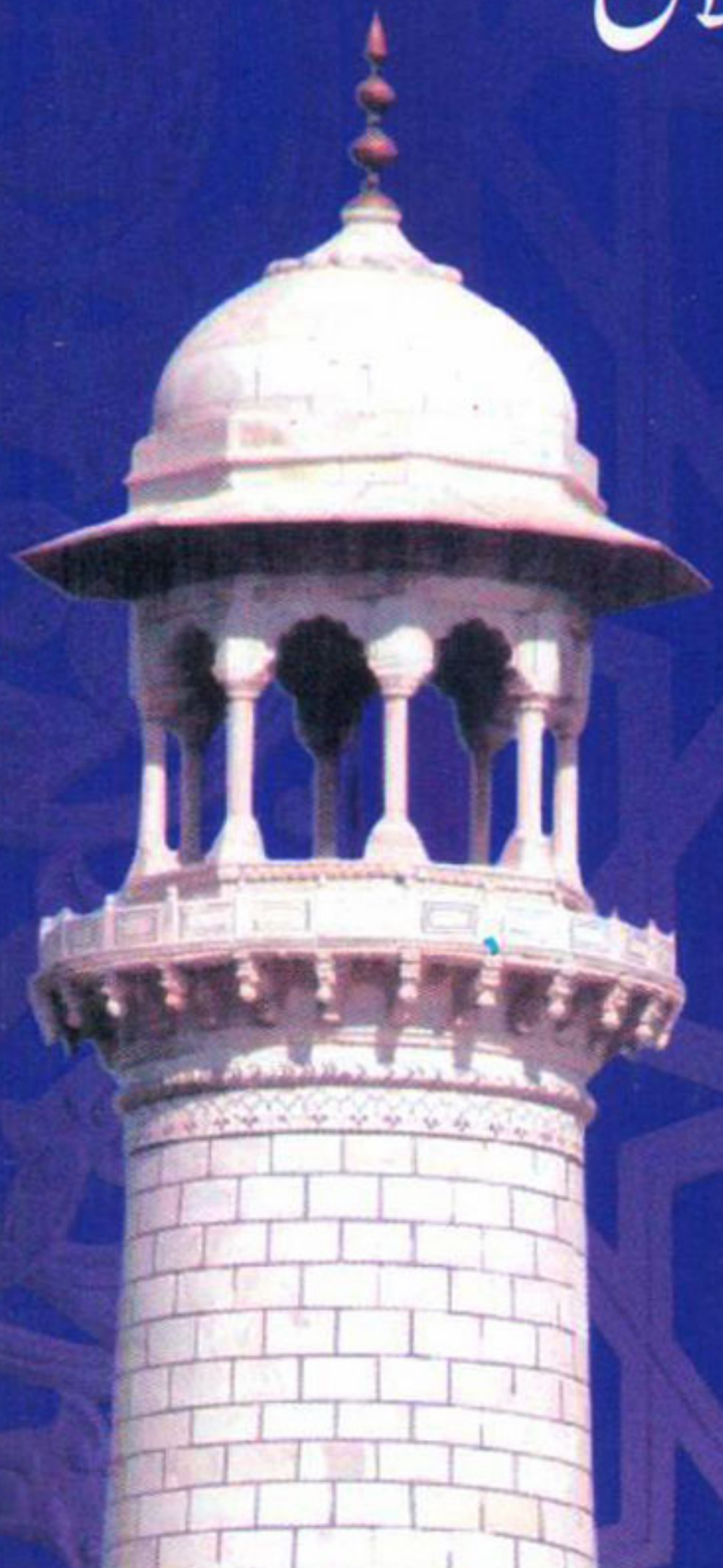
آسان فقہ

دوم

مولانا محمد یوسف اصلاحی



آسان فقہ

دوم

مولانا محمد یوسف اصلاحی

اِسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

عرصے سے ایک ایسے مختصر فقہی مجموعے کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی، جو عام فہم اسلوب، آسان زبان اور جدید تصنیفی انداز میں ترتیب دیا گیا ہوتا کہ آسانی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے سے متعلق وہ شرعی احکام ومسائل معلوم کیے جاسکیں جن کی عملی زندگی میں عام طور پر ہر مسلمان کو ضرورت ہے۔

پچھلے دس سال میں مختلف اطراف سے اس ضرورت کی اہمیت محسوس کرائی گئی۔ رفقائے جماعت نے بھی بار بار تقاضا کیا، ناشر محترم نے بھی بارہا متوجہ کیا، اور خود مرتب بھی اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۶۰ء میں اس کا مفصل نقشۂ کار بھی مرتب کرلیا لیکن کام کا آغاز کیا ہی تھا کہ اپنی ہیچ مدانی اور بے مائیگی کا شدید احساس ہوا۔ محترم انور شاہ کاشمیریؒ نے کسی موقع پر فرمایا تھا:

''میں ہر فن پر مجتہدانہ گفتگو کرسکتا ہوں، لیکن فقہ پر مبتدیانہ گفتگو بھی نہیں کرسکتا۔''

چنانچہ اختلافات کی اس آماجگاہ میں اقوال وآرا کی بہتات دیکھ کر ہمت جواب دینے لگی اور بجا طور پر یہ فیصلہ کیا کہ کوئی ایسے صاحبِ استعداد اس ضرورت کو پورا کریں جو فقہ سے طبعی مناسبت بھی رکھتے ہوں، اور وسیع تر علم ومطالعہ بھی، لیکن انتظار کا دَور طویل سے طویل تر ہوتا گیا اور امید کی کوئی کرن نظر نہ آئی۔

آخر کار پھر حوصلہ کیا، اور اپنے محدود علم ومطالعہ کے شدید احساس کے باوجود محض خدائے قادر وتوانا کے بھروسے پر اس ارادے کے تحت کام شروع کیا کہ اس موضوع پر کوئی تحقیقی اور اجتہادی کاوش نہ سہی یہ سعادت بھی کچھ کم نہیں کہ فقہ حنفی کی مستند اور رائج کتابوں کو، جن پر علما اور عوام سب ہی اعتماد کرتے ہیں نیز ان مجموعوں کو جو وقت کے قابل

اعتماد اصحابِ علم وبصیرت نے جدید پیدا شدہ مسائل اور جدید سائنسی آلات کے احکام سے متعلق مرتب کیے ہیں، سامنے رکھ کر سادہ، آسان اور عام فہم انداز میں روزمرہ کی ضرورت کے احکام ومسائل پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ ترتیب دیا جائے جس سے ہر ایک سہولت واطمینان اور رغبت وشوق کے ساتھ استفادہ کر سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور خدا کے فضل سے زیرِ ترتیب مجموعے کی پہلی جلد پیشتر شائع ہو کر مقبول ہوئی۔ اس وقت اس کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے جو تین ابواب، کتابُ الزکوٰۃ، کتابُ الصّوم اور کتابُ الحج پر مشتمل ہے۔

یہ تو خدا ہی جانتا ہے اور اسی کی توفیق پر منحصر ہے کہ یہ مجموعہ ناظرین کے لیے کس حد تک مفید ہو سکے گا۔ البتہ خود مرتب کو اس علمی خدمت کے دوران غیر معمولی فوائد کے حصول کا موقع میسر آیا۔ اسلاف کے عظیم ترین علمی کارناموں اور حیران کن محنت وکاوش کو قریب سے دیکھ کر ان کی قدر وعظمت کا حقیقی احساس ہوا، عقیدت کو حقیقت کی بنیاد ملی، فکر ونظر کو وسعت اور جلا نصیب ہوئی اور یہ یقین پختہ تر ہوتا گیا کہ ان آئمہ دین نے زندگیاں کھپا کر جو عظیم الشان علمی احسانات کیے ہیں ان سے امت نہ کبھی سبکدوش ہو سکتی ہے اور نہ کبھی بے نیاز۔

اس وقت عالم اسلام میں چار فقہیں رائج ہیں، فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی، نیز ایک گروہ اور ہے جو ان فقہاء کی تقلید کا قائل نہیں ہے اور براہِ راست کتاب وسنت سے مسائل واحکام معلوم کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ یہ لوگ سلفی یا اہل حدیث کہلاتے ہیں،..... یہ سارے ہی مسلک برحق ہیں۔ سب کی بنیاد کتاب وسنت پر ہے۔ ہر مکتب فکر نے زیادہ سے زیادہ کتاب وسنت کی روح اور منشا کو پانے کی فکر کی ہے اور ہر ایک کا اصل محرک یہ پاکیزہ جذبہ ہے کہ کتاب وسنت کی پیروی کا حق ادا ہو سکے۔

ان میں سے کسی مکتب فکر کی تنقیص وتحقیر کرنا، کسی پر طنز وتعریض کرنا اور فقہی وفروعی اختلافات کی بنیاد پر ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور گروہ بندیوں کی لعنت میں گرفتار ہو کر باہم دست وگریبان ہونا اہل حق اور اہل اخلاص کا شیوہ ہرگز نہیں۔ افہام وتفہیم، ترجیح

وانتخاب اور اظہار رائے تو ایک علمی ضرورت ہے، جس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے، لیکن معمولی فقہی اختلافات کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنالینا اور اختلافِ رائے رکھنے والے کو گمراہ اور خارج از دین قرار دے کر اس کے خلاف محاذ قائم کرنا فہم دین سے محرومی بھی ہے اور اسلاف کی سنت سے انحراف بھی۔

برصغیر میں اگرچہ ہر مسلک کے پیرو موجود ہیں، لیکن ان میں عظیم اکثریت حنفی مسلک ماننے والوں کی ہے، یہ کتاب ''آسان فقہ'' خاص طور پر انھی کے لیے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں باہمی اختلافات سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے صرف وہی متفقہ عملی مسائل بیان کیے گئے ہیں، جن پر احناف کا عمل ہے اور جو عام طور پر پیش آتے ہیں تاکہ عام مسلمان ذہنی خلفشار سے محفوظ رہتے ہوئے یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ اپنے مسلک کے مطابق عمل کر سکیں۔

فقہ کی متداول کتابوں کے بعض مسائل پر وقت کے بعض قابلِ اعتماد علما نے مزید غور وفکر کیا ہے اور عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں اختلافِ رائے کا اظہار کیا ہے یا کسی تجویز کی سفارش کی ہے، اس طرح کی جس رائے یا تجویز کو مرتب نے صحیح اور وقیع سمجھا ہے حاشیہ میں اس کو نقل کر دیا ہے تاکہ جن لوگوں کو ان پر شرح صدر ہو وہ کسی تنگی کے بغیر اطمینان کے ساتھ اس پر عمل کر سکیں۔

مسائل واحکام بیان کرنے کے ساتھ عبادات واعمال کی فضیلت واہمیت پر بھی قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے تاکہ احکام معلوم ہونے سے پہلے احکام کی پیروی کے لیے ذہن وجذبات تیار ہو سکیں۔

حسب ضرورت جگہ جگہ فقہی اصطلاحات بھی استعمال کی گئی ہیں، اور ان کا استعمال ناگزیر ہے، اس لیے بھی کہ مسلمان کے لیے ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس لیے بھی کہ اصطلاح کے بجائے بار بار اس کے مفہوم ومراد کی تشریح باعثِ طوالت بھی ہے اور ذوق پر گراں بھی۔ البتہ کتاب کے آغاز میں ان اصطلاحات کی ایک مستقل فہرست حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق دے کر ہر اصطلاح کے مفہوم ومراد کی وضاحت کر دی گئی ہے، تاکہ بہ

یک نظر تمام اصطلاحات کو یک جا دیکھا اور سمجھا جا سکے، اور یاد کرنے والوں کو بھی سہولت ہو اور ضرورت کے وقت آسانی کے ساتھ ہر اصطلاح کا مفہوم معلوم کیا جا سکے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ہر دور کے تقاضوں کے پیش نظر تسلسل کے ساتھ فقہ اسلامی میں اجتہادی اور تحقیقی پیش رفت ہونی چاہیے تو یہ حیاتِ ملی کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ دراصل فقہ ایک ایسا ترقی پذیر موضوع ہے جو نہ صرف ترقی پذیر زندگی کے ساتھ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے بلکہ صحیح تو یہ ہے کہ راہ ہموار کر کے زندگی کی نوک پلک درست کرنا فقہ ہی کا کام ہے۔ فکر و اجتہاد کی قوتوں کو معطل اور بے دم کر کے وقت کے تقاضوں سے نا آشنا اور بے تعلق رہنا اور کتاب و سنت کی روشنی میں تعمیر حیات کا حق ادا نہ کرنا ملت کو زندگی کی رعنائیوں سے محروم رکھنے کی کھلی ہوئی علامت بھی ہے اور اس کا بنیادی سبب بھی۔ دراصل اسلام کو ایک برتر اور ابدی نظام کی حیثیت سے غالب اور نافذ رکھنے کی آرزو رکھنے والے مسلمانوں کا فطری اور منصبی فریضہ ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں پر گہری نظر رکھیں، انھیں سمجھنے کی حکیمانہ کوشش کریں اور آگے بڑھ کر علم و عمل کے ہر میدان میں اسلامی قانون کی برتری ثابت کریں اور نہ صرف ارتقا پذیر زندگی کا ساتھ دیں بلکہ اظہارِ دین اور غلبۂ حق کے لیے ہمہ جہتی جدوجہد کر کے اپنے نصب العین کے مطابق اس کی تاریخ سازی کا حق ادا کریں۔

دین و ملت کی ایک ناگزیر ضرورت ہے کہ ہر دور میں اربابِ علم و فکر کا ایسا گروہ موجود رہے جس کے افراد نہ صرف یہ کہ دین کے علوم میں گہری بصیرت رکھتے ہوں بلکہ عملاً بھی ان کو دین سے حقیقی شغف ہو اور ان کی زندگیاں دین کی آئینہ دار ہوں، پھر وہ دورِ حاضر کے نئے پیدا شدہ مسائل اور نت نئے حالات سے بھی باخبر ہوں، اور حکمت و فراست، ترجیح و تمیز، انتخاب و اختیار، اور حسن فیصلہ کی اجتہادی قوتوں سے بھی بہرہ ور ہوں اور زندگی کے گوناگوں مسائل کو کتاب و سنت کی روح و منشا کے مطابق حل کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہوں، اور بحیثیت مجموعی اسلامی اقدار کے احیا و نفاذ کی غیر معمولی تڑپ اور حکمت کار کے جوہروں سے بھی آراستہ ہوں۔

یہ گروہ ملت کا سرمایۂ حیات ہے اور اس کے ساتھ بھرپور تعاون کرنا ملت کا اہم ترین فریضہ اور دین کا عین منشا ہے۔ اصلاً تو اس گروہ کی سرپرستی اور کفالت اسلامی نظامِ حکومت کا منصب ہے، لیکن جب اور جہاں مسلمان اپنی مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوں وہاں بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں کا دینی اور ملی فرض ہے کہ وہ اس گروہ کی سرپرستی کریں اور اس کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر مقدم رکھنے کی عادت ڈالیں۔ اس لیے کہ اس گروہ کا وجود نہ صرف ملت کے تحفظ وبقا کا ذریعہ ہے بلکہ اسلامی نظام کا تعارف اور قیام بھی اس کے بغیر ممکن نہیں۔

کوئی بھی انسانی کوشش ہو وہ خطا سے محفوظ نہیں ہوسکتی، اہل علم سے مخلصانہ گزارش ہے کہ وہ جو غلطی اور کوتاہی محسوس کریں ضرور مطلع فرمائیں یہ ان کا فرض بھی ہے اور میرا حق بھی۔

خدا سے دُعا ہے کہ وہ اس خدمت کو شرفِ قبول بخشے اور مسلمانوں کے لیے اس کو نافع ثابت فرمائے اور مرتب کے حق میں اس کو ذخیرۂ آخرت اور ذریعۂ مغفرت بنائے۔ آمین

۲۲ رمئی ۱۹۶۹ء　　محمد یوسف

فہرست مضامین

تعارف۔	3
اصطلاحات۔	22
(۱) کتابُ الزّکوٰۃ	34
زکوٰۃ کا بیان	34
زکوٰۃ کی حیثیت اور مرتبہ	34
زکوٰۃ کے معنی	35
زکوٰۃ کی حقیقت	35
نظامِ زکوٰۃ کا مقصد	38
زکوٰۃ پچھلی شریعتوں میں	38
زکوٰۃ کی عظمت واہمیت	40
زکوٰۃ سے غفلت کا ہولناک انجام	42
زکوٰۃ کی تاکید وترغیب	45
زکوٰۃ کا حکم	48
زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق	49
زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں	49
ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی شرطیں	51
زکوٰۃ واجب ہونے کے چند مسائل	53
زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل	55

مسئلہ تملیک 58

نصابِ زکوٰۃ 63

معاشی توازن 63

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ 64

سونے اور چاندی کا نصاب 65

سکّوں اور نوٹوں کی زکوٰۃ 66

درہم کے وزن کی تحقیق 66

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ 67

زیور کی زکوٰۃ 68

شرحِ زکوٰۃ 70

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہے 72

جانوروں کی زکوٰۃ 74

بھیڑ، بکری کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ 74

گائے، بھینس کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ 75

اونٹ کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ 76

ادائے زکوٰۃ کے لیے ایک ضروری وضاحت 77

مصارفِ زکوٰۃ 78

مصارفِ زکوٰۃ کے چند مسائل 82

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں 83

زکوٰۃ کے متفرق مسائل 84

عشر کا بیان 87

عشر کے معنی	87
عشر کا شرعی حکم	87
عشر کی شرح	87
کن چیزوں میں عشر واجب ہے	88
عشر کے مسائل	89
رکاز کے مسائل	91
صدقۂ فطر کا بیان	92
صدقۂ فطر کے معنی	92
صدقۂ فطر کی حکمت اور فوائد	92
صدقۂ فطر کا بیان	93
صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت	94
صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت	94
کس کس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے	95
صدقۂ فطر کی مقدار	96
صدقۂ فطر کے متفرق مسائل	96
(۲) کتابُ الصّوم	97
روزے کا بیان	97
رمضان المبارک کے فضائل	97
رمضان کی عظمت وفضیلت قرآن میں	97
فضیلتِ رمضان کے وجوہ	97
رمضان کی عظمت وفضیلت حدیث میں	99

رمضان کی عظمت واہمیت تاریخ میں	99
روزے کے معنی	100
روزے کی فرضیت کا حکم	100
روزے کی اہمیت	101
روزے کا مقصد	101
حقیقی روزہ	102
روزے کی فضیلت	103
رویتِ ہلال کے احکام	105
نیا چاند دیکھنے کی دُعا	107
روزے کی قسمیں اور ان کا حکم	108
ا۔ فرض روزے	108
۲۔ واجب روزے	108
۳۔ مسنون روزے	109
۴۔ نفلی روزے	109
۵۔ مکروہ روزے	109
۶۔ حرام روزے	109
روزے کی شرطیں	110
روزے کے شرائطِ وجوب	110
روزے کے شرائطِ صحت	111
روزے کے فرائض	111
روزے کے سنن ومستحبات	111

روزے کے مفسدات 112

وجوب کفارہ سے متعلق اصولی باتیں 112

وہ صورتیں جن سے روزے کی قضا واجب ہے 114

وہ صورتیں جن میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں 116

وہ امور جن سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے 116

وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا 118

روزے کی نیت کے مسائل 120

سحری اور افطار 123

سحری میں تاخیر 123

افطار میں تعجیل 124

کس چیز سے افطار مستحب ہے 125

افطار کی دعا 126

افطار کے بعد کی دعا 126

افطار کرانے کا اجر وثواب 126

بے سحری کا روزہ 126

معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے 127

۱۔ سفر 128

۲۔ بیماری 129

۳۔ حمل 129

۴۔ ارضاع 129

۵۔ بھوک پیاس کی شدت 130

۶۔ ضعف اور بڑھاپا 130

۷۔ خوفِ ہلاکت	131
۸۔ جہاد	131
۹۔ بے ہوشی	131
۱۰۔ جنون	131
وہ صورتیں جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے	132
قضا روزوں کے مسائل	133
کفارہ اور اس کے مسائل	134
فدیہ	135
فدیے کی مقدار	135
فدیے کے مسائل	136
روزے کے متفرق احکام و آداب	138
نفلی روزوں کی فضیلت اور مسائل	139
ماہِ شوال کے چھ روزے	139
یومِ عاشورہ کا روزہ	139
یومِ عرفہ کا روزہ	140
ایامِ بیض کے روزے	141
پیر اور جمعرات کا روزہ	141
نفلی روزوں کے متفرق مسائل	142
نمازِ تراویح کا بیان	144
نماز تراویح کا حکم	144
نمازِ تراویح کی فضیلت	144
نماز تراویح کا وقت	145

نمازِ تراویح کی جماعت	145
نمازِ تراویح کی رکعتیں	147
ترویحہ میں کیا عمل کیا جائے؟	147
نمازِ وتر کی جماعت	148
تراویح میں ختم قرآن	148
ضروری ہدایت	149
نمازِ تراویح کے متفرق مسائل	150
تلاوت قرآن کے آداب	155
۱۔ طہارت	155
۲۔ اخلاصِ نیت	155
۳۔ پابندی اور التزام	156
۴۔ تجوید وخوش الحانی	157
۵۔ قرآن سننے کا اہتمام	158
۶۔ غور وتدبر	158
۷۔ یکسوئی اور عاجزی	160
۸۔ تعوّذ وتسمیہ	160
۹۔ اثر پذیری	161
۱۰۔ آواز میں اعتدال	161
۱۱۔ تہجد میں تلاوت کا اہتمام	162
۱۲۔ قرآن میں دیکھ کر تلاوت کا اہتمام	162
۱۳۔ ترتیب کا لحاظ	162

۱۴۔ دل بستگی اور انہماک	162
۱۵۔ تلاوت کے بعد دُعا	163
سجدۂ تلاوت کا بیان	164
سجدۂ تلاوت کا حکم	164
سجدۂ تلاوت کے مقامات	164
سجدۂ تلاوت کی شرطیں	168
سجدۂ تلاوت کا طریقہ	169
سجدۂ تلاوت کے مسائل	169
سجدۂ شکر	171
اعتکاف کا بیان	172
اعتکاف کے معنیٰ	172
اعتکاف کی حکمت	172
اعتکاف کی قسمیں	172
اعتکافِ واجب	172
اعتکافِ مستحب	173
اعتکاف سنتِ مؤکدہ	173
افضل ترین اعتکاف	174
اعتکاف کی شرطیں	174
۱۔ مسجد میں قیام	174
۲۔ نیت	174
۳۔ حدثِ اکبر سے پاک ہونا	175

۴۔ روزہ	175
اعتکاف کے احکام	175
اعتکافِ مسنون کا وقت	176
اعتکافِ واجب کا وقت	177
اعتکافِ مستحب کا وقت	177
حالتِ اعتکاف میں مستحب امور	177
وہ امور جو اعتکاف میں جائز ہیں	177
وہ امور جو اعتکاف میں ناجائز ہیں	179
لیلۃ القدر	180
لیلۃ القدر کے معنی	180
لیلۃ القدر کی تعیین	181
لیلۃ القدر کی خاص دعا	181
صدقۂ فطر کے احکام	182
(۳) کتابُ الحج	183
حج کا بیان	183
حج کے معنی	184
حج ایک جامع عبادت	184
حج کی حقیقت	185
حج کی عظمت واہمیت	188
حج کی فضیلت وترغیب	190
وجوبِ حج کی شرطیں	192

صحتِ حج کی شرطیں	194
حج کے احکام	194
میقات اور اس کے احکام	195
۱۔ ذُوالحلیفہ	196
۲۔ ذاتِ عرق	196
۳۔ جُحفہ	196
۴۔ قرن المنازل	196
۵۔ یلملم	197
حج کے فرائض	197
احرام اور اس کے مسائل	198
حالتِ احرام میں ممنوع کام	199
حالتِ احرام میں جائز کام	200
احرام کا طریقہ	201
تلبیہ اور اس کے مسائل	201
تلبیہ کی حکمت وفضیلت	202
تلبیہ کے بعد کی دُعا	203
وقوف اور اس کے مسائل	204
میدانِ عرفات کی دعائیں	206
طواف اور اس کے مسائل	208
بیت اللہ کی عظمت ومرتبہ	209
طواف کی فضیلت	210

استلام	211
رکن یمانی کی دعا	211
طواف کی قسمیں اوران کے احکام	212
طواف کے واجبات	213
طواف کی دعا	214
طواف کے مسائل	216
رمل	217
اضطباع	217
حج کے واجبات	218
سَعی	218
سَعی کی حقیقت وحکمت	219
سَعی کے مسائل	220
سَعی کا طریقہ اوردعائیں	221
رَمی	223
رَمی کی حقیقت وحکمت	223
رَمی کے مسائل	224
رَمی کا طریقہ اوردعا	226
حَلق یا تقصیر کے مسائل	226
قربانی کا بیان	264
انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی	264
قربانی تمام الٰہی شریعتوں میں	265

قربانی ایک عظیم یادگار	266
نبیؐ سے خطاب	267
قربانی کے رُوحانی مقاصد	268
قربانی کی روح	270
اونٹ کی قربانی کا روحانی منظر	270
قربانی کا طریقہ اور دعا	271
قربانی کی فضیلت وتاکید	272
قربانی کے احکام ومسائل	274
قربانی کرنے والے کے لیے مسنون عمل	274
قربانی کے جانور اور ان کے احکام	274
قربانی کا حکم	277
قربانی کے ایام اور وقت	278
قربانی کے متفرق مسائل	279
مُردوں کی طرف سے قربانی	281
ہدی کا بیان	282
آبِ زم زم اور اس کے آداب ودعا	284
ملتزم اور اس کی دعا	286
قبولیت دعا کے مقامات	288
عمرہ	289
عمرہ کے مسائل	290
حج کی قسمیں	291

حج افراد	291
حج قران	291
قران کے مسائل	292
حج تمتع	293
تمتع کے مسائل	293
نبی عربی کا رخصتی حج (صحابیٔ رسول حضرت جابرؓ کی زبان سے)	295
جنایت کا بیان	303
حرم مکہ اور اس کی عظمت	303
جنایاتِ حرم	305
جنایاتِ اِحرام	306
وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں	306
وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے	306
وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے	308
اصولی ہدایات	309
شکار کی جزا	310
شکار اور جزا کے مسائل	310
اِحصار کا بیان	312
اِحصار کی چند صورتیں	312
اِحصار کے مسائل	313
حج بدل	313
حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں	314

مدینہ منورہ کی حاضری	316
مدینہ طیبہ کی عظمت وفضیلت	317
مسجد نبویؐ کی عظمت	320
روضۂ اقدسؐ کی زیارت	320
روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم	321
حج کی دعائیں.....ایک نظر میں	322
مقاماتِ حج	323
مآخذ	335

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

اصطلاحات

۱۔ اِحرام:

حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ احرام باندھنے والے کو محرم کہتے ہیں۔ جس طرح نماز میں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ سب حرام ہو جاتا ہے اسی طرح احرام باندھ لینے کے بعد بہت سے وہ کام ممنوع ہو جاتے ہیں جو پہلے مباح تھے، اس لیے اس کو احرام کہتے ہیں۔

۲۔ اِحصار:

اِحصار کے لغوی معنی روکنے اور باز رکھنے کے ہیں..... اصطلاح میں احصار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کی نیت کر لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں ''محصر'' کہتے ہیں۔

۳۔ استلام:

استلام کے لغوی معنی ہیں چھونا اور بوسہ دینا..... اور اصطلاح میں استلام سے مراد ہے حجرِ اسود کو بوسہ دینا اور رُکن یمانی کو چھونا۔ طواف کا ہر چکر شروع کرتے وقت اور ہر طواف کے ختم پر حجرِ اسود کا استلام کرنا سنت ہے، اور رکنِ یمانی کا استلام مستحب ہے۔

۴۔ اضطباع:

چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھنا کہ اس کا ایک کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے اور داہنہ شانہ کھلا رہے۔ یہ عمل چستی اور قوت ظاہر کرنے کے لیے کیا جاتا ہے کہ خدا کے سپاہی، دین کی دشمن طاقتوں سے لڑنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ ہیں۔

۵۔ اعتکاف:

اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی کچھ وقت کے لیے دنیوی تعلقات اور مصروفیات

سے الگ ہو کر کسی مسجد میں جا بیٹھے اور وہاں ذکر و فکر اور یادِ الٰہی میں رہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں یہ عمل کرنا سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے۔

۶۔ آفاقی:

میقات سے باہر کے علاقوں میں رہنے والوں کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ ان کے بعض مسائل میقات کے اندر رہنے والوں سے مختلف ہیں اس لیے اس اصطلاح کو سمجھنا ضروری ہے۔

۷۔ اِفراد:

اِفراد حج کی ایک قسم ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ حج کرنے والا صرف حج کی نیت کرے۔ حج کے ساتھ عمرے کی نیت نہ کرے۔ حجِ اِفراد کرنے والے کو ''مفرد'' کہتے ہیں۔

۸۔ المام:

المام کے معنی ہیں اتر پڑنا، اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر کے لوگوں میں اتر پڑے۔ حجِ تمتع کرنے والے کے لیے عمرے اور حج کے درمیان المام کرنا جائز نہیں۔ مسئلہ صفحہ ۲۵۰ پر دیکھیے۔

۹۔ اوقیہ:

ایک وزن ہے جو چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے۔

۱۰۔ ایّامِ بیض:

ہر مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخوں کو ایام بیض یعنی روشن ایام کہتے ہیں۔

۱۱۔ ایّام تشریق:

ماہِ ذوالحجہ کی ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ تاریخ کو ایام تشریق کہتے ہیں اور ذُوالحجہ کی ۹ تاریخ کو

''یوم عرفہ'' اور ۱۰ ر تاریخ کو ''یومِ نحر'' کہتے ہیں، اور ان پانچوں ایام کو ملا کر بھی ایامِ تشریق کہتے ہیں۔

۱۲۔ تحلیق و تقصیر:

تحلیق کے معنی ہیں سر منڈانا اور تقصیر کے معنی ہیں بال کتروانا، حج کے ارکان سے فارغ ہو کر بعد میں سر منڈانا یا کتروانا واجب ہے۔

۱۳۔ تلبیہ:

زائرِ حرم کی ایک مخصوص دُعا جس کو وہ برابر پڑھتا رہتا ہے۔ ہر نشیب میں اترتے ہوئے، ہر بلندی پر چڑھتے ہوئے، ہر فرض نماز سے فارغ ہو کر، ہر نئے قافلے سے ملاقات کے وقت اور ہر صبح و شام غرض حج کے دوران برابر اس دعا کا ورد رہتا ہے۔ تلبیہ کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ، لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ۔

۱۴۔ تمتّع:

تمتّع حج کی ایک قسم ہے۔ تمتّع کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت کے لیے فائدہ اٹھانا اور اصطلاح میں حج تمتع یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرہ ساتھ ساتھ کرے لیکن اس طرح کہ دونوں کے لیے الگ الگ احرام باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہو گئی تھیں اور پھر حج کا احرام باندھ کر ارکان ادا کرے۔ چونکہ اس طرح عمرے اور حج کے درمیان کچھ وقت کے لیے احرام کھول کر حلال ہونے کا فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی لیے اس کو حج تمتّع کہتے ہیں اور ایسے شخص کو متمتّع کہتے ہیں۔

۱۵۔ تملیک:

تملیک کے معنی ہیں مالک بنانا۔ زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ

زکوٰۃ جس کے حوالے کی جائے اس کو مالک بنادیا جائے کہ وہ جیسے چاہے خرچ کرے۔

۱۶۔ جنایت:

جنایت کے لغوی معنی ہیں کوئی ممنوع اور بُرا کام کرنا، لیکن حج کے سلسلے میں اس اصطلاح سے مراد کوئی ایسا ممنوع کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا حالتِ احرام میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو۔ جنایت ہو جانے کی صورت میں اس کا تاوان قربانی یا صدقے کی شکل میں دینا واجب ہوتا ہے۔

۱۷۔ جدال:

جدال کے معنی ہیں لڑائی جھگڑا کرنا۔ لڑائی جھگڑا تو بہر حال ناپسندیدہ ہے لیکن چونکہ حج کے دوران بڑا ازدحام ہوتا ہے اس لیے قدم قدم پر اس سے بچنے کا خصوصی اہتمام ہونا چاہیے۔

۱۸۔ حرام:

جس بُرے کام سے بچنا قرآن نے ہر مسلمان پر فرض کر دیا ہے اس کو حرام کہتے ہیں۔

۱۹۔ درہم:

درہم جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی کے برابر ہوتا ہے۔

۲۰۔ دمِ احصار:

عمرے یا حج کی نیت کر لینے کے بعد کوئی شخص کسی وجہ سے حج یا عُمرہ ادا کرنے سے روک دیا جائے تو اس کو حسبِ مقدور قربانی دینی ہوتی ہے۔ اس قربانی کو دمِ احصار کہتے ہیں یعنی وہ خون جو احصار کی وجہ سے واجب ہوا ہے۔

۲۱۔ رفث:

رفث سے مراد جنسی فعل یا اس سے متعلق گفتگو کرنا ہے۔ حج کے دوران یہ فعل اور اس طرح کی گفتگو ممنوع ہے۔ اشاروں میں بھی اس طرح کی کوئی بات نہ کرنا چاہیے۔

۲۲۔رکاز:

رکاز سے مراد وہ چیزیں ہیں جو زمین کے اندر ہوں خواہ کسی کی دفن کردہ یا قدرتی طور پر ہوں۔

۲۳۔رکن:

رکن ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر اس چیز کے قائم ہونے کا دارومدار ہو۔

۲۴۔رمل:

طواف کے پہلے تین چکروں میں شانے ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنے کو رمل کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۷ ہجری میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے مکہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا: ''ان لوگوں کا کیا حال ہو رہا ہے''! یہ دراصل مدینہ کی آب وہوا کی خرابی کا اثر تھا اور سب ہی کمزور ہو گئے تھے۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپؐ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں لوگ رمل کریں یعنی دُلکی چال چلیں اور قوت وطاقت کا مظاہرہ کریں۔

۲۵۔رَمی:

لغت میں رَمی، پھینکنے اور نشانہ لگانے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں رمی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے۔ مِنٰی میں کچھ کچھ فاصلے سے تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ ان کو جمرات کہتے ہیں، ان جمرات پر کنکریاں مارنا یعنی رمی کرنا واجب ہے۔

۲۶۔زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں پاک کرنا، بڑھانا اور نشوونما دینا۔ اصطلاح میں سال گزرنے پر اپنے مال ودولت میں سے شریعت کے مقرر کیے ہوئے حصے کو نکالنے کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔

۲۷۔سائمہ:

سائمہ سے مراد وہ جانور ہیں جن کا گزارہ جنگل اور میدان کی گھاس پر ہو۔ان کے لیے چارہ مہیانہ کیا جاتا ہو اور وہ دودھ اور افزائشِ نسل کی غرض سے نہ پالے گئے ہوں۔

۲۸۔سعی:

لغت میں سَعی کے معنیٰ ہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا اور کوشش کرنا۔اصطلاح میں سَعی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں زائرِ حرم صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔آج کل ان دونوں پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے۔صفا اور مروہ کے درمیان سَعی واجب ہے۔

۲۹۔ سنّت:

سنّت وہ فعل ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کرام نے کیا ہو۔

۳۰۔ شرط:

کسی کام کے صحیح ہونے کا مدار جس چیز پر ہوتا ہے اس کو شرط کہتے ہیں۔

۳۱۔ شوط:

شوط کے معنی ہیں چکر لگانا اور اصطلاح میں شوط سے مراد بیت اللہ کے گرد ایک چکر لگانا ہے۔

۳۲۔ صَاع:

صاع ایک پیمانہ ہے جو اسی روپے والے سیر کے حساب سے دو سیر اور تقریباً چھ چھٹانک ہوتا ہے یعنی دو کلو اور دو سو بیس گرام (۲۲۰۔۲)۔

۳۳۔ صوم:

صوم یا صیام کے معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔اصطلاح میں

آدمی کے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہنا۔

۳۴۔ ضرورت اصلیہ:

ضرورت اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں جن پر انسانی زندگی کی بقا اور عزت وآبرو کی حفاظت کا دارومدار ہے۔

۳۵۔ طوافِ قدوم:

مکہ میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ قدوم کہتے ہیں۔ طوافِ تحیہ اور طوافِ لقاء بھی کہتے ہیں۔ طوافِ قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں، جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔

۳۶۔ طوافِ زیارت:

طوافِ زیارت حج کا ایک رکن ہے۔ وقوفِ عرفات کے بعد ۱۰ ذوالحجہ کو جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ زیارت یا طوافِ اضافہ کہتے ہیں۔ طوافِ زیارت فرض ہے اور اس کا حکم قرآن میں لکھا گیا ہے۔

۳۷۔ طوافِ وداع:

بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کیا جاتا ہے اس کو طوافِ وداع یا طوافِ صدر کہتے ہیں۔ یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے۔ اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ کر اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ پکڑ کر انتہائی گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگنا چاہیے۔ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہے۔ معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے:

''کوئی شخص طوافِ رخصت کیے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو، مگر اس خاتون کے لیے اجازت ہے جو حالتِ حیض میں ہو۔'' (بخاری)

۳۸۔ عاملین زکوٰۃ:

عاملین زکوٰۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی تحصیل، تقسیم اور حساب کتاب نیز مال زکوٰۃ کی حفاظت کے کام پر مامور ہوں۔

۳۹۔ عُشر:

زمین کی پیداوار میں جو دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ بارانی زمینوں میں دسواں حصہ ہوتا ہے اور ان زمینوں میں بیسواں حصہ دینا ہوتا ہے جو مصنوعی ذرائع سے سیراب کی جاتی ہیں۔

۴۰۔ عمرہ:

عمرہ کے معنیٰ ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ چھوٹا حج ہے جو ہر وقت ہوسکتا ہے۔ اس کے لیے کوئی خاص مہینہ اور دن مقرر نہیں ہے۔ جس وقت جی چاہے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سَعی کریں اور تحلیق یا تقصیر کر کے احرام کھول دیں۔ عمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے اور حج سے علیحدہ بھی۔ عمرہ کرنے والے کو معتمر کہتے ہیں۔

۴۱۔ فدیہ:

روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں شریعت نے معذور کو یہ سہولت دی ہے کہ وہ اس کے بدلے میں صدقۂ فطر کے بقدر کسی محتاج کو غلہ دے دے یا صبح وشام دونوں وقت کھانا کھلا دے اس کو اصطلاح میں فدیہ کہتے ہیں۔ فدیہ میں غلہ دینا اور کھانا کھلانا بھی درست ہے اور غلے کی قیمت دینا بھی جائز ہے۔

۴۲۔ فرض:

فرض وہ فعل ہے جس کا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اور جو شخص کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق اور مستحق عذاب ہے۔

۴۳۔ قِران:

قِران کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا اور اصطلاح شرع میں قِران یہ ہے کہ آدمی حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرے۔ حج قِران کرنے والے کو قارِن کہتے ہیں۔ حجِ قران، حج افراد اور حج تمتع دونوں سے افضل ہے۔

۴۴۔ قیراط:

ایک قیراط پانچ جَو کے برابر ہوتا ہے اور بیس قیراط کا ایک مثقال ہوتا ہے۔

۴۵۔ کفارہ:

کسی شرعی کوتاہی کی تلافی کے لیے شریعت نے جو عمل بتایا ہے اس کو کفارہ کہتے ہیں۔

۴۶۔ لیلۃ القدر:

رمضان المبارک کی اس مبارک رات کو کہتے ہیں جس میں قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا۔ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے جس کو لیلۃ القدر کہتے ہیں۔ لیلۃ القدر کو قرآنِ پاک میں لیلۃ مبارکہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

۴۷۔ متمتع:

حجِ تمتع کرنے والے شخص کو متمتع کہتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو عمرہ کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج کے ارکان ادا کرے۔

۴۸۔ مثقال:

ایک وزن کا نام ہے جو تین ماشے اور ایک رتی کے برابر ہوتا ہے۔

۴۹۔ محرم:

جو شخص میقات سے حج یا عمرے کا احرام باندھ لیتا ہے اس کو محرم کہتے ہیں۔

۵۰۔ مُحصر:

حج یا عمرے کا ارادہ کر لینے کے بعد جو شخص حج یا عمرے سے روک دیا جائے اس کو ''مُحصر'' کہتے ہیں۔ حج سے روکے جانے کی صورت میں مُحصر پر حسب مقدور قربانی واجب ہو جاتی ہے جس کو دمِ احصار کہتے ہیں۔

۵۱۔ مفرد:

جو شخص صرف حج کا احرام باندھے اس کو مفرد کہتے ہیں اور ایسے حج کو حجِ افراد کہتے ہیں۔

۵۲۔ مکروہِ تحریمی:

ہر وہ فعل جس سے بچنا مسلمان کے لیے واجب ہے۔ جو شخص کسی واقعی عذر کے بغیر اس کو اختیار کرے وہ سخت گنہگار ہے۔ البتہ اس کے منکر کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔

۵۳۔ مکروہِ تنزیہی:

وہ فعل جس سے بچنے میں اجر و ثواب تو ہے لیکن جو شخص نہ بچے وہ گنہگار بھی نہیں ہے۔

۵۴۔ میقات:

میقات سے مراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں۔ کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ میقات پہنچ کر احرام باندھ لے۔ احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔ مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لیے پانچ میقات مقرر ہیں۔

۵۵۔ واجب:

واجب سے مراد وہ عمل ہے جس کا کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض کی طرح لازم ہے۔ جو شخص اس کو غیر اہم اور معمولی سمجھ کر چھوڑ دے یا کسی عذر کے بغیر ترک کرے وہ فاسق، گمراہ

اور مستحق عذاب ہے۔ یہ سنت مؤکدہ سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ البتہ واجب کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔

۵۶۔ وَسق:

وسق سے مراد ایک اونٹ کا وزن ہے جو ساٹھ (۶۰) صاع کا ہوتا ہے۔

۵۷۔ وقوف:

وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھہرنا۔ حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے۔ عرفات میں وقوف، مزدلفہ میں وقوف، اور منیٰ میں وقوف۔ وقوف کرنے کا مطلب ہے کہ آدمی ان مقامات پر پہنچ جائے، وقوف کی نیت کرنا اور وہاں کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اہل حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا شرط ہے۔ سب سے اہم وقوف، وقوفِ عرفات ہے۔ وقوفِ عرفات کا وقت ۹ر ذوالحجہ کو بعد زوال، ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، اس لیے اسی وقت پہنچ جانا چاہیے لیکن چونکہ یہ حج کا رکنِ اعظم ہے اور اسی پر ادائے حج کا دارومدار ہے اس لیے اس کے وقت میں کشادگی دے کر سہولت دی گئی کہ اگر کوئی شخص ۹ر، ۱۰ر ذوالحجہ کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لیے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اور منیٰ میں وقوف مسنون ہے۔

۵۸۔ ہدی:

ہدی کے لغوی معنیٰ ہیں، تحفہ اور ہدیہ، اور شریعت کی اصطلاح میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائرِ حرم قربانی کے لیے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی ذریعے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

۵۹۔ یوم ترویہ:

ماہِ ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یومِ ترویہ کہتے ہیں۔ یومِ ترویہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے حج کے اعمال شروع ہوتے ہیں اور جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر کے سفر

کے لائق بنادیا جاتا ہے۔

۶۰۔ یومِ عرفہ:

ماہِ ذوالحجہ کی ۹ رتاریخ یعنی حج کے دن کو یومِ عرفہ کہتے ہیں اور یوم عرفہ کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن زائرین حرم میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔

۶۱۔ یومِ نحر:

ماہِ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو یومِ نحر کہتے ہیں۔ یومِ نحر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ اس دن سے نحر یعنی قربانی شروع ہوتی ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

باب اوّل

کتابُ الزّکوٰۃ

زکوٰۃ کا بیان

نماز اور زکوٰۃ، دراصل پورے دین کی ترجمانی کرنے والی دو اہم عبادتیں ہیں۔ بدنی عبادات میں نماز پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے اور مالی عبادات میں زکوٰۃ پورے دین کی نمائندگی کرتی ہے۔ بندے پر دین کی طرف سے جو حقوق عائد ہوتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: خدا کے حقوق اور بندوں کے حقوق۔ نماز بندے کو خدا کے حقوق ادا کرنے کے لیے تیار کرتی ہے، اور زکوٰۃ بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے کا گہرا شعور پیدا کرتی ہے، اور ان دونوں حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔

زکوٰۃ کی حیثیت اور مرتبہ:

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا عظیم رکن ہے۔ دین میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں جگہ جگہ ایمان کے بعد نماز کا اور نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے ایک طرف تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ دین میں نماز اور زکوٰۃ کی حیثیت اور مقام کیا ہے اور دوسری طرف یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا مرتبہ ہے، اور یہی حقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے بھی واضح ہوتی ہے:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف رخصت کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ:

تم وہاں ان لوگوں میں پہنچ رہے ہو، جن کو کتاب دی گئی تھی، تم ان کو سب سے پہلے شہادت ایمان کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس حقیقت کا اعتراف کرلیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر شب و روز

میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس کو بھی مان لیں تو انھیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض فرمایا ہے۔ جو ان کے خوش حال افراد سے وصول کیا جائے گا اور ان کے نادار اور حاجت مند افراد میں تقسیم کیا جائے گا۔ جب وہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیں تو زکوٰۃ وصول کرنے میں ان کے اچھے اچھے مال چھانٹ چھانٹ کر نہ لینا اور مظلوم کی بد دعا سے بچے رہنا کیونکہ خدا اور مظلوم کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ (بخاری، مسلم)

زکوٰۃ کے معنی:

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاک ہونا، بڑھنا، نشوونما پانا، اور ''اصطلاحِ فقہ'' میں زکوٰۃ سے مراد مالی عبادت ہے کہ ہر صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال میں سے شریعت کی مقرر کی ہوئی مقداران لوگوں کے لیے نکالے جو شریعت کی نظر میں زکوٰۃ لینے کے مستحق ہیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک وطاہر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس میں خیر وبرکت عطا فرماتا ہے، اور آخرت میں بھی اتنا اجر وانعام دیتا ہے جس کا انسان تصور نہیں کر سکتا، اسی لیے اس عبادت کو زکوٰۃ یعنی پاک کرنے اور بڑھانے والا عمل کہتے ہیں۔

زکوٰۃ کی حقیقت:

خدا کی خوشنودی کے لیے جب مومن اپنا محبوب اور دل پسند مال خدا کی راہ میں خوشی خوشی خرچ کرتا ہے تو اس سے مومن کے دل میں ایک نُور اور جلا پیدا ہوتی ہے، مادہ کی کثافتیں اور دنیوی محبتیں ختم ہوتی ہیں، اور قلب وروح میں ایک تازگی، لطافت، پاکیزگی اور محبت الٰہی کے جذبات پیدا ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنا خود محبت الٰہی کا ثبوت بھی ہے اور محبت الٰہی کے پروان چڑھانے کا مؤثر اور مستند ذریعہ بھی۔

زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے کہ وہ ناداروں کی کفالت اور دولت کی صحیح تقسیم کی ایک تدبیر ہے بلکہ وہ خدا کی فرض کی ہوئی ایک اہم عبادت ہے۔ جس کے بغیر نہ آدمی کے قلب ورُوح کا تزکیہ ممکن ہے اور نہ خدا کا مخلص اور محسن بندہ ہی بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ دراصل خدا کی بے پایاں نعمتوں پر شکر کا اظہار ہے۔ قانونی زکوٰۃ تو بلاشبہ یہی ہے کہ جب خوش حال

آدمی کے مال پر ایک سال گزر جائے تو وہ اپنے مال میں سے ایک مقرر حصہ مستحقین کے لیے نکال لے۔ لیکن زکوٰۃ کی حقیقت محض یہی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اس عمل کے ذریعے مومن کے دل سے دنیا کی تمام مادی محبتیں نکال کر اپنی محبت بٹھانا چاہتا ہے اور یہ تربیت دینا چاہتا ہے کہ مومن خدا کی راہ میں اپنا مال، اپنی جان اور اپنی تمام قوتیں اور صلاحیتیں قربان کر کے روحانی سرور محسوس کرے، اور سب کچھ خدا کی راہ میں دے کر شکر کے جذبات سے سرشار ہو کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے اپنی راہ میں جان و مال قربان کرنے کی توفیق دی۔ اسی لیے شریعت نے زکوٰۃ کی ایک قانونی حد مقرر کر کے بتا دیا کہ اتنا خرچ کرنا تو ہر مسلمان کے لیے ناگزیر ہے۔ اتنا خرچ کیے بغیر تو ایمان ہی مشتبہ ہے، لیکن ساتھ ہی پوری قوت کے ساتھ یہ ترغیب بھی دی کہ مومن اسی کم سے کم مقدار پر اکتفا نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ خدا کی راہ میں صرف کرنے کی عادت ڈالے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں سے بھی یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپؐ سے سوال کیا۔ اس وقت آپؐ کے پاس اتنی بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کی پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی۔ آپؐ نے وہ ساری بکریاں اس سائل کے حوالے کر دیں۔ جب وہ شخص اپنے لوگوں میں پہنچا تو اس نے پوری قوم کے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: لوگو! مسلمان ہو جاؤ! محمدؐ تو اتنا دیتے ہیں کہ انھیں اپنے مفلس ہونے کا ذرا خوف نہیں ہوتا[1]۔

ایک بار حضرت امام حسینؓ کے دروازے پر ایک سائل آیا اور بولا:

اے پیغمبرؐ کے بیٹے! مجھے چار سو درہم کی ضرورت ہے۔

آپؓ نے اسی وقت گھر سے چار سو درہم منگوائے اور سائل کے حوالے کر دیئے اور رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

روتا اس لیے ہوں کہ میں نے شخصِ حاضر کے سوال کرنے سے پہلے ہی یہ رقم کیوں نہیں اسے دے دی کہ اس کو سوال کرنا پڑا۔ یہ نوبت ہی کیوں آئی کہ یہ شخص میرے پاس آئے اور میرے سامنے دستِ سوال[2] دراز کرے۔

ا۔ کشف المحجوب، چھٹا کشف الحجاب۔ ۲۔ کشف المحجوب۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک بار بکری ذبح ہوئی تو نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا:

بکری کے گوشت میں سے کچھ باقی رہ گیا؟

حضرت عائشہ نے جواب دیا:

صرف اس کی ایک دست باقی رہ گئی ہے (باقی سب تقسیم کر دیا گیا)۔

ارشاد فرمایا:

نہیں بلکہ اس دست کے علاوہ جو کچھ تقسیم کر دیا گیا ہے وہی درحقیقت باقی رہا ہے۔ (اور آخرت میں اسی کا اجر متوقع ہے۔) (جامع ترمذی)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

خدا کے بھروسے پر فراخ دستی سے اس کی راہ میں خرچ کرتی رہو اور گنتی شمار کے چکر میں مت پڑو۔ اگر تم اس کی راہ میں گن گن کر دو گی تو پھر وہ بھی تمھیں گن گن کر ہی دے گا اور دولت کو سینت سینت کر نہ رکھو ورنہ خدا بھی تمھارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا۔ (اور تم پر بے حساب دولت نہیں انڈیلے گا۔) لہٰذا جہاں تک ہمت باندھ سکو، کشادہ دستی کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خدا تعالیٰ اپنے ہر بندے سے کہتا ہے، اے آدمؑ کے فرزند! میری راہ میں خرچ کیے جا، میں تجھے (اپنے اتھاہ خزانے میں سے) دیتا رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ اس وقت کعبہ کے زیر سایہ آرام فرما تھے۔ مجھے دیکھا تو فرمایا:

ربِّ کعبہ کی قسم! وہی لوگ بڑے گھاٹے میں ہیں۔

میں نے پوچھا:

میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، بتایئے وہ کون لوگ ہیں، جو زبردست گھاٹے میں ہیں؟

ارشاد فرمایا:

وہ لوگ جو بڑے سرمایہ دار اور خوش حال ہیں، ہاں ان میں سے وہی گھاٹے اور خسارے سے محفوظ ہیں جو کشادہ دلی کے ساتھ آگے پیچھے، دائیں بائیں اپنی دولت راہِ خدا میں صَرف کررہے ہیں مگر دولت مندوں میں ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

نظامِ زکوٰۃ کا مقصد:

زکوٰۃ کا نظام دراصل مومن کے دل سے حب دنیا اور اس جڑ سے پیدا ہونے والے سارے جھاڑ جھنکار صاف کر کے خالص خدا کی محبت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندۂ مومن محض زکوٰۃ ادا کرنے ہی پر قناعت نہ کرے بلکہ زکوٰۃ کی اس روح کو جذب کرنے کی کوشش کرے، کہ ہمارے پاس جو کچھ ہے، خدا ہی کا ہے، اور اس کو اسی کی راہ میں قربان کر کے ہم اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کی اس رُوح اور مقصد کو جذب کیے بغیر نہ تو کوئی بندہ خدا کے بندوں سے محض خدا کے لیے محبت کر سکتا ہے اور نہ خدا کے حقوق پہچاننے اور ادا کرنے میں اتنا حساس اور فراخ دست ہو سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا نظام دراصل پورے اسلامی سماج کو بخل، تنگ دلی، خودغرضی، بغض، حسد، شک دلی اور استحصال جیسے رکیک جذبات سے پاک کر کے اس میں محبت، ایثار، احسان، خلوص، خیر خواہی، تعاون، مواسات اور رفاقت کے اعلیٰ اور پاکیزہ جذبات پیدا کرتا اور پروان چڑھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ ہمیشہ ہر نبی کی امت پر فرض رہی ہے۔ اس کی مقدار، نصاب اور فقہی احکام میں ضرور فرق رہا ہے لیکن زکوٰۃ کا حکم بہر حال ہر شریعت میں موجود رہا ہے۔

زکوٰۃ پچھلی شریعتوں میں:

زکوٰۃ کی اس حقیقت اور رُوح پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ مومن کے لیے ایک ناگزیر عمل ہے ایک لازمی صفت ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہر نبی کی شریعت میں یہ حکم موجود رہا ہے۔

قرآن پاک کی شہادت ہے کہ زکوٰۃ تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں پر اسی طرح فرض رہی ہے جس طرح نماز فرض رہی ہے۔ سورۃ انبیاء میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا واقعہ بیان کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ وہ فکر انگیز مکالمہ نقل کیا گیا ہے، جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان ہوا تھا۔ پھر اس ضمن میں حضرت لوط، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد فرمایا گیا ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝ انبیاء 73:21

اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا جو ہماری ہدایت کے تحت رہنمائی کا فرض انجام دیتے تھے اور ہم نے ان کو وحی کے ذریعے نیک کام کرنے، نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور یہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے جو یہود سے لیا گیا تھا۔ اس کی اہم دفعات میں سے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ البقرہ 83:2

اور یاد کرو! بنی اسرائیل سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔

ایک دوسرے مقام پر بنی اسرائیل ہی سے اللہ تعالیٰ نے کہا:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ المائدہ 12:5

اور اللہ نے (بنی اسرائیل سے) کہا، میں تمھارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور رسولِ اکرم ﷺ کے جدِّ امجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے قرآنِ پاک نے صراحت کی ہے کہ وہ اپنے

متعلقین کو تاکید کیا کرتے تھے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝ مریم 55:19

اور اسمٰعیل اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کیا کرتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بڑے ہی پسندیدہ انسان تھے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کراتے ہوئے، منصب نبوت پر اپنے مامور ہونے کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ خدا نے مجھے تازیست نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت وصیت کی ہے:

وَأَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ مریم 31:19

اور اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں جب تک زندہ رہوں۔

زکوٰۃ کی عظمت واہمیت:

اسلام میں زکوٰۃ کی غیر معمولی عظمت واہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک میں کم از کم بتیس[۳۲] مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور ایمان کے بعد اوّلین مطالبہ نماز اور زکوٰۃ ہی کا ہے۔ درحقیقت ان دو عبادتوں پر کار بند ہونا، پورے دین پر کار بند ہونا ہے، جو بندۂ خدا مسجد میں بندگی کے انتہائی گہرے جذبات کے ساتھ اپنے جسم وروح کو خدا کے حضور ڈال دے۔ وہ مسجد کے باہر خدا کے حقوق سے کیوں کر غفلت برت سکتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنا محبوب مال ومتاع خدا کی رضا کے لیے خدا کی راہ میں خوشی خوشی لٹا کر سکون واطمینان محسوس کرے وہ بندوں کے دوسرے حقوق کیوں کر پامال کر سکتا ہے، اور اسلام دراصل خدا اور بندوں کے حقوق ہی سے عبارت ہے، اسی لیے قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو اسلام کی پہچان اور دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی شہادت قرار دیا ہے۔ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برأت اور بیزاری کا اظہار فرمانے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر یہ کفر وشرک سے توبہ کر کے نماز اور زکوٰۃ پر کار بند ہو جائیں تو یہ تمھارے دینی بھائی ہیں اور اسلامی سوسائٹی میں ان کا وہی مقام ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے۔

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ؕ توبہ 11:9

پھر اگر یہ (کفر و شرک سے) توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ایمان و اسلام کی واضح علامت اور قطعی شہادت ہے، اور اسی لیے قرآنِ پاک نے زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کا وصف اور عمل قرار دیا ہے اور ایسے لوگوں کو آخرت کا منکر اور ایمان سے محروم بتایا ہے۔

وَوَيۡلٌ لِّلۡمُشۡرِكِيۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝

فصلت 6-7:41

اور تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہیں۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، تو آپ نے ان کو اسلام سے خروج اور ارتداد کے ہم معنیٰ سمجھا اور اعلان فرمایا کہ:

یہ لوگ دورِ رسالت میں جو زکوٰۃ دیتے تھے اگر اس میں سے بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

حضرت عمرؓ نے صدیق اکبرؓ کو ٹوکا اور فرمایا:

آپ ان لوگوں سے بھلا کیوں کر جہاد کر سکتے ہیں جو کلمہ کے قائل ہیں، حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ دے، تو اس کا جان و مال میری طرف سے محفوظ و مامون ہو گیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ سن کر اپنے آہنی عزم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

وَاللّٰهِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنۡ فَرَّقَ بَيۡنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔ (بخاری، مسلم)

خدا کی قسم! جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے میں ان کے خلاف لازماً جنگ کروں گا۔

نماز اور زکوٰۃ دین کے دو بنیادی ارکان ہیں، ان کا انکار یا ان میں تفریق کرنا دراصل خدا کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے، اور مومن کا کام یہی ہے کہ وہ مرتد کے خلاف جہاد کرے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے:

ہم کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے اور جو شخص زکوٰۃ نہ دے، اس کی نماز بھی نہیں ہے۔ (طبرانی)

قرآنِ پاک میں ان لوگوں کو ہدایت سے محروم قرار دیا ہے جو زکوٰۃ سے غافل ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ البقرہ 2-3:2

ہدایت ہے ان متقیوں کے لیے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اور قرآن کی نظر میں فی الواقع سچے مومن وہی ہیں جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط

الانفال 3-4:8

وہ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اس میں سے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں حقیقت میں یہی سچے مومن ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ کی عظمت و اہمیت بتاتے ہوئے فرمایا ہے:

سخی آدمی خدا سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، بندگانِ خدا سے قریب ہے، اور جہنم سے دُور ہے، اور بخیل آدمی خدا سے دور ہے، جنت سے دُور ہے، بندگانِ خدا سے دُور ہے اور جہنم سے قریب ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ایک جاہل سخی، ایک عابد بخیل کے مقابلے میں خدا کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ (جامع ترمذی)

زکوٰۃ سے غفلت کا ہولناک انجام:

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو انتہائی دردناک سزاؤں اور لرزہ خیز عذابوں کی خبر دے کر متنبہ کیا ہے کہ وہ فنا ہونے والے مال و متاع کی بے جا محبت میں گرفتار ہو کر اپنی عاقبت خراب نہ کریں، اور اس عذاب سے بچیں جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ توبہ 9:34-35

اور جولوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے، تو انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی۔ اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس آیت میں ''کنز'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد کیا ہے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

کنز سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی گئی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کو متنبہ کرنے کے لیے آخرت کے لرزہ خیز عذاب کی تصویر اس طرح کھینچی ہے:

جس آدمی کو خدا نے مال و دولت سے نوازا، پھر اس شخص نے اس مال کی زکوٰۃ نہیں دی، تو اس مال کو قیامت کے روز انتہائی زہریلے ناگ کی شکل دے دی جائے گی۔ زہر کی شدت کے باعث اس کا سر گنجا ہوگا اور اس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ قیامت کے روز وہ ناگ اس (زر پرست بخیل) کے گلے میں لپٹ جائے گا۔ اور اس کے دونوں جبڑوں میں اپنے زہریلے دانت گاڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں، میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں، اور پھر آپؐ نے قرآنِ پاک کی یہ آیت تلاوت کی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ آل عمران 3:180

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ بخل سے کام لیتے ہیں، اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخل اور زر پرستی ان کے حق میں بہتر ہے، یہ روشنی ان کے لیے نہایت ہی

بُری ہے وہ اپنی کنجوسی سے جو کچھ جمع کر رہے ہیں۔ وہی قیامت کے روز ان کے گلے میں طوق بنا کر پہنایا جائے گا۔

نیز آپؐ نے صحابۂ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے زکوٰۃ سے غفلت کے عبرتناک انجام سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

تم میں سے کوئی شخص قیامت کے روز اس حال میں میرے پاس نہ آئے کہ اس کی بکری اس کی گردن پر لدی ہوئی ہو، اور مجھے حمایت کے لیے پکارے اور میں اُس سے کہوں کہ میں آج تمھارے لیے کچھ نہیں کر سکتا، میں نے تم کو خدا کے احکام پہنچا دیئے تھے اور دیکھو اُس روز کوئی اپنا اونٹ اپنی گردن پر لادے ہوئے میرے پاس نہ آئے، وہ مجھے مدد کے لیے پکارے اور میں کہوں کہ میں تمھارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے تو خدا کے احکام تم کو پہنچا دیئے تھے۔ (بخاری)

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو خواتین کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا:

تم ان کی زکوٰۃ بھی ادا کرتی ہو یا نہیں۔

خواتین نے کہا: نہیں۔

آپؐ نے فرمایا:

تو کیا تمھیں یہ منظور ہے کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں۔

خواتین نے کہا: ہرگز نہیں۔

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ان کی زکوٰۃ دیا کرو۔ (جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا:

لوگو! حرص اور لالچ سے دور رہو، تم سے پہلے جو لوگ تباہ و برباد ہوئے اسی حرص اور لالچ کی بدولت ہوئے حرص نے ان میں بخل اور تنگ دلی پیدا کی، اور وہ بخیل اور زر پرست ہو گئے اور اسی نے ان کو قطع رحمی پر ابھارا اور انھوں نے قطع رحم کا جرم کیا اور اُسی نے ان کو

بدکاریوں پرابھارااوروہ بدکاری پراتر آئے۔ (ابی داؤد)

قرآن وسنت کی ان تنبیہات ہی کااثر تھا کہ صحابہ کرامؓ زکوٰۃ وصدقات کا انتہائی اہتمام فرماتے، اوربعض کے احساسات تواس معاملے میں اتنے شدید تھے کہ وہ ضرورت سے زائدایک پیسہ بھی اپنے پاس رکھنا حرام سمجھتے تھے۔حضرت ابوذرؓ کی تو یہ مستقل عادت ہوگئی تھی کہ جہاں کچھ لوگوں کوجمع دیکھتے، ان کوزکوٰۃ کی طرف متوجہ کرتے۔

زکوٰۃ کی تاکیدوترغیب:

زکوٰۃ کی غیر معمولی اہمیت اورعظمت کے پیش نظرقرآنِ پاک میں بیاسی مقامات پر اس کا تاکیدی حکم دیا گیاہےاور بالعموم نمازاورزکوٰۃ کا، ساتھ ساتھ حکم دیا گیاہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ البقرہ2:110

اورنمازقائم کرواورزکوٰۃ دو۔

نیزقرآن وسنت میں اس کے زبردست دینی اوردنیاوی فوائد بتاکرطرح طرح سے ترغیب دی گئی ہے۔قرآن میں زکوٰۃ کاعظیم اجروثواب ان الفاظ میں بیان کیا گیاہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ البقرہ2:261

جولوگ اپنے مالوں کوخدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کرنے کی مثال ایسی ہے، کہ جیسےایک دانہ بویا جائے اوراس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سوسودانے ہوں، اسی طرح خداجس عمل کو چاہتاہے بڑھاتاہے۔وہ فراخ دست اورعلیم ہے۔

کسان اپنی جھولی کے دانے خدا کی زمین کے حوالے کرکے اُس سے آس لگاتا ہے اور بارانِ رحمت کے لیے دعائیں کرتا ہےتو پروردگاراس کوایک ایک دانے کے بدلے سینکڑوں دانے عطافرماکراس کا کھیلان بھردیتاہے، اس ایمان افروزتجربے کوتمثیل بناکر خدایہ ذہن نشین کرتاہے کہ بندہ خدا کی خوشنودی کے لیے خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرے گاخدااس کواتنابڑھائے گا کہ ایک دانے کے عِوض سات سودانے عنایت فرمائے

گا، بلکہ وہ تو بڑا ہی فراخ دست اور علیم ہے اس کی نگاہ قدر شناس بندے کے گہرے خلوص اور جذبے پر رہتی ہے اور وہ اتنا کچھ عطا فرماتا ہے، جس کا بندہ صحیح تصور بھی نہیں کر سکتا۔ پھر یہ انعام واکرام آخرت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا میں بھی خدا ایسی سوسائٹی کو خیر وبرکت، خوش حالی اور ترقی سے مالا مال کر دیتا ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ الروم 39:30

اور جو زکوٰۃ تم خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دیتے ہو اسی کے دینے والے درحقیقت اپنے مال بڑھاتے ہیں۔

دراصل زکوٰۃ وصدقہ وہی لوگ ادا کرتے ہیں جو عالی ظرف، فراخ حوصلہ، فیاض، ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں اور زکوٰۃ وصدقہ ہی ان صفات کو بڑھانے اور پروان چڑھانے کا بھی ذریعہ ہے۔ دنیا میں خیر وبرکت، سکون واطمینان، خوش حالی اور ترقی اسی معاشرے کا حصہ ہے جس کے افراد میں یہ اخلاقی اوصاف عام ہوں۔ دولت چند خود غرض، سنگ دل بخیلوں میں ٹھٹھری ہوئی نہ ہو بلکہ پورے معاشرے میں اس کی مناسب تقسیم ہو، اور سب کو اپنی ہمت کے مطابق کمانے اور خرچ کرنے کی آزادی اور مواقع یکساں طور پر حاصل ہوں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے، اللہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے کر بڑھاتا ہے۔ جس طرح تم اپنے بچے کی پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

اور آپ ہی کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور جو شخص محض اللہ کے لیے خاکساری اور فروتنی اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اونچا اٹھا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

قرآن کی صراحت ہے کہ قلوب کو پاک کرنے، نیکیوں کی راہ پر بڑھنے، حکمت کی دولت سے مالا مال ہونے، خدا کی خوشنودی، مغفرت اور رحمت حاصل کرنے، آخرت میں

ابدی سکون اور خدا کا قرب پانے والے وہی لوگ ہیں جو خوش دلی اور پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا التوبہ 103:9

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے کر انھیں پاک کیجیے اور نیکی کی راہ میں انھیں آگے بڑھایئے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ البقرہ 268-269:2

شیطان تمھیں فقر اور ناداری سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی مغفرت اور فضل کی امید دلاتا ہے۔ بڑا ہی فراخ دست اور علم والا ہے، جس کو چاہتا ہے، حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی درحقیقت اس کو بہت بڑی دولت مل گئی۔

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۗ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۗ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ التوبہ 99:9

اور وہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسے خدا کا تقرب حاصل کرنے اور رسول کی طرف سے رحمت کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں، سن رکھو، یہ ضرور ان کے لیے خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اور خدا ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ لیل 17-18:92

اور جہنم کی آگ سے وہ شخص دور رکھا جائے گا جو اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والا ہے جو دوسروں کو محض اس لیے اپنا مال دیتا ہے کہ (اس کا دل بخل و حرص اور حب دنیا سے) پاک ہو جائے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں، میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے:

لوگو! جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا دے کر ہی سہی۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز جب عرشِ الٰہی کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا، سات قسم کے لوگ عرشِ الٰہی کے

زیر سایہ ہوں گے۔ ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو اس قدر راز داری کے ساتھ خدا کی راہ میں خرچ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ داہنا ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے۔ (صحیح بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب کوئی شخص صدقے کا مال لے کر حاضر ہوتا تو آپؐ انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے اور لانے والے کے لیے رحمت کی دعا مانگتے۔ چنانچہ حضرت ابواوفیٰؓ اپنا صدقہ لیے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی۔ (صحیح بخاری)

یعنی اے اللہ! ابی اوفیٰ کے خاندان پر اپنی رحمت نازل فرما۔

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے ہی گھر میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر نکلے۔ صحابہؓ نے اس کا سبب پوچھا تو آپؐ نے فرمایا:

سونے کی ایک ڈلی گھر میں رہ گئی تھی، میں نے مناسب نہ سمجھا کہ رات آجائے اور وہ گھر ہی میں رہے اس لیے میں اس کو مستحقین میں تقسیم کرنے آیا۔ (صحیح بخاری)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صدقہ اور خیرات کرنے سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور بری موت سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔

اور ظاہر ہے خدا کے غضب سے حفاظت اور خاتمہ بالخیر کے سوا مومن کا منتہائے آرزو کیا ہوسکتا ہے۔

زکوٰۃ کا حکم:

ہر صاحبِ نصاب خوش حال مسلمان پر قطعی فرض ہے کہ اگر اس کے پاس بقدرِ نصاب مال سال بھر تک موجود رہے تو سال پورا ہونے پر وہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ زکوٰۃ قطعی فرض ہے، جو شخص اس کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص فرض ہونے کا انکار تو نہ کرے لیکن ادا نہ کرے تو وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں بنیادی فرق:

زکوٰۃ اس طرح کا کوئی ٹیکس نہیں ہے جو حکومتیں اپنی پبلک پر مقرر کرتی ہیں بلکہ یہ ایک مالی عبادت اور رکن اسلام ہے، جس طرح نماز، روزہ اور حج، اسلام کے رکن ہیں، قرآنِ پاک نے نماز کے ساتھ ساتھ بالعموم زکوٰۃ کا ذکر کیا ہے، اور اسے اس خدائی دین کا اہم رکن قرار دیا ہے جو ہر زمانے میں انبیائے کرامؑ کا دین رہا ہے۔

زکوٰۃ کے نظام سے نفسِ انسانی اور اسلامی سوسائٹی کو جو عظیم اخلاقی اور روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اسی صورت میں ممکن ہیں جب عبادت اور ٹیکس کے بنیادی فرق کو ذہن میں رکھا جائے، اور زکوٰۃ کو خدا کی عبادت سمجھ کر ادا کیا جائے۔

بیشک زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا نظم شریعت نے اسلامی حکومت کے سپرد کیا ہے، اور یہ نظم کے فرائض میں سے ہے لیکن اس لیے نہیں کہ یہ کوئی ٹیکس ہے بلکہ اسلام کے تمام اجتماعی عبادات میں نظم پیدا کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرطیں

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے سات شرطیں ہیں[1]۔

۱۔ مسلمان ہونا۔

۲۔ مالک نصاب ہونا۔

۳۔ نصاب کا ضرورتِ اصلیہ سے زائد ہونا۔

۴۔ مقروض نہ ہونا۔

---

[1] علمائے اہل حدیث کے نزدیک صرف پہلی پانچ شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کے نزدیک، عاقل، بالغ ہونا، وجوبِ زکوٰۃ کے لیے ضروری نہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کا حکم ''وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ''.....اور زکوٰۃ ادا کرو۔'' ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے عام ہے نیز خدا کا ارشاد ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (التوبۃ۹:۱۰۳)

اے نبیؐ! ان کے مالوں میں سے صدقہ وصول کر کے ان کو پاک کیجیے اور ان کا تزکیہ کیجیے۔

تطہیر اور تزکیہ ہر مسلمان کی ضرورت ہے۔ چاہے وہ عاقل و بالغ ہو یا نہ ہو، علمائے اہل حدیث کے علاوہ بعض دوسرے علمائے بھی بعد کی دو شرطوں کو تسلیم نہیں کرتے یعنی زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے عقل و بلوغ کو شرط قرار نہیں دیتے۔

۵۔ مال پر پورا سال گزرنا۔

۶۔ عاقل ہونا۔

۷۔ بالغ ہونا۔

ذیل میں ان شرطوں کی تفصیل اور حاصل بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ مسلمان ہونا: غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، لہٰذا جو شخص اسلام قبول کرے اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ اسلام سے پہلے کے ایام کی بھی زکوٰۃ ادا کرے۔

۲۔ مالکِ نصاب ہونا: یعنی اتنے مال ومتاع کا مالک ہونا، جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب قرار دی ہے۔

۳۔ بقدرِ نصاب ضرورت اصلیہ سے زائد ہونا: ضرورت اصلیہ سے مراد وہ بنیادی ضرورتیں ہیں، جن پر آدمی کی حیات اور عزت وآبرو کا دارومدار ہو، جیسے کھانا پینا، لباس، رہنے کا مکان، پیشہ ور آدمی کا اوزار اور مشین وغیرہ، سواری کا گھوڑا، سائیکل، موٹر وغیرہ، گھر داری کا سامان، کتابیں جو مطالعے کے لیے ہوں، کاروبار کی غرض سے نہ ہوں۔ یہ ساری ہی چیزیں ضرورتِ اصلیہ میں شمار ہوں گی ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ہاں ان سے زائد مال نصاب کے بقدر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جب کہ دوسری شرطیں بھی موجود ہوں۔

۴۔ مقروض نہ ہونا: کسی شخص کے پاس بقدر نصاب مال ومتاع تو ہے لیکن اس پر دوسروں کا قرضہ بھی ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ ہاں اگر مال اتنا ہو کہ قرضہ ادا کرنے کے بعد بھی مال بقدرِ نصاب بچ جائے تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

۵۔ مال پر پورا سال گزرنا: بقدرِ نصاب مال ومتاع ہو جانے ہی سے زکوٰۃ واجب نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر پورا ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

کسی شخص کو کسی بھی ذریعے سے مال حاصل ہو، اس پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب اس پر پورا سال گزر جائے۔ (جامع ترمذی)

۶۔ عاقل ہونا: جو شخص عقل اور سمجھ سے محروم، دیوانہ اور مجنوں ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

۷۔ بالغ ہونا: نابالغ بچے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ چاہے اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، نہ اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور نہ اس کے ولی پر[1]۔

ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی شرطیں

ادائے زکوٰۃ صحیح ہونے کی چھ شرطیں ہیں۔ یہ چھ شرطیں موجود ہوں تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ ادا نہ ہوگی:

۱۔ مسلمان ہونا۔

۲۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا۔

۳۔ مالک بنانا۔

۴۔ مقررہ مدوں میں صرف کرنا۔

۱۔ نابالغ اور فاتر العقل کی زکوٰۃ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ مودودیؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''نابالغ بچوں کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک مسلک یہ ہے کہ یتیم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے سنِ رشد کو پہنچنے پر اس کا ولی اس کا مال اس کے حوالے کرتے وقت اس کو زکوٰۃ کی تفصیل بتادے پھر یہ اس کا اپنا کام ہے کہ اپنے ایام یتیمی کی پوری زکوٰۃ ادا کرے۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ یتیم کا مال اگر کسی کاروبار میں لگایا گیا ہے اور نفع دے رہا ہے تو اس کا ولی اس کی زکوٰۃ ادا کرے ورنہ نہیں، چوتھا مسلک یہ ہے کہ یتیم کے مال کی زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا اس کے ولی کے ذمے ہے، ہمارے نزدیک چوتھا مسلک زیادہ صحیح ہے، حدیث میں آیا ہے:

اَلَا مَنْ وَلِیَ یَتِیْمًا لَهٗ مَالٌ فلیتجر لَهٗ فِیْهِ وَلَا یَتْرُكْهُ فَتَاْكُلَهُ الصَّدَقَةُ... (ترمذی، دار قطنی، بیہقی، کتاب الاموال لابی عبید)

خبردار جو شخص کسی ایسے یتیم کا ولی ہو جو مال رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کے مال سے کوئی کاروبار کرے اور اسے یونہی نہ رکھ چھوڑے کہ اس کا سارا مال زکوٰۃ کھا جائے۔

اس کے ہم معنیٰ ایک حدیث امام شافعیؒ نے مرسلاً اور ایک دوسری حدیث طبرانی اور ابو عبید سے مرفوعاً نقل کی ہے اور اس کی تائید صحابہؓ و تابعین کے متعدد آثار و اقوال سے ہوتی ہے۔ جو حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے مجاہد، عطاء، حسن بن زید، مالک بن انس اور زہری سے منقول ہیں۔

''فاتر العقل لوگوں کے بارے میں بھی اسی نوعیت کا اختلاف ہے جو اوپر مذکور ہوا ہے اور اس میں بھی ہمارے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ مجنون کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس کا ادا کرنا مجنون کے ولی کے ذمے ہے۔ امام مالکؒ اور ابن شہاب زہری نے اسی رائے کی تصریح کی ہے۔'' (رسائل و مسائل، حصہ دوم صفحہ۔ صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱)

۵۔ عاقل ہونا۔

۶۔ بالغ ہونا۔

ذیل میں ان شرطوں کی تفصیل اور فائدے بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ مسلمان ہونا: زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے والا مسلمان ہو، چونکہ غیر مسلم پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے اس لیے اگر کوئی غیر مسلم زکوٰۃ ادا کرے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا اسلام لانے سے پہلے اگر کسی نے آیندہ کی زکوٰۃ ادا کر دی اور زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اسلام قبول کیا تو اسلام لانے سے پہلے کی ادا کی ہوئی زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔ مسلمان ہونے کے بعد دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

۲۔ زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرنا:

زکوٰۃ نکالتے وقت یا مستحق کو دیتے وقت زکوٰۃ دینے کی نیت کرنا ضروری ہے اگر زکوٰۃ نکالتے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت نہیں کی تو زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مال مستحق کے پاس موجود ہو۔

۳۔ مالک بنانا:

زکوٰۃ ادا کرتے وقت، زکوٰۃ لینے والے کو اس کا مالک بنانا۔ چاہے کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنائے یا زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کرنے والے ادارے کو مالک بنائے۔

۴۔ مقررہ مدوں میں صَرف کرنا:

زکوٰۃ صَرف کرنے کی مدیں قرآن نے بیان کر دی ہیں، ان کے علاوہ کسی دوسری مد میں اگر زکوٰۃ کی رقم دی جائے گی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۵۔ عاقل ہونا:

دیوانہ، مجنون اور فاتر العقل شخص زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۶۔ بالغ ہونا:

نابالغ بچہ زکوٰۃ ادا کرے تو زکوٰۃ صحیح نہ ہوگی۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے چند مسائل

۱۔ جو رقم ضرورتِ اصلیہ کے لیے محفوظ رکھی گئی ہو، اگر یہ ضرورت اسی سال درپیش ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، اور اگر یہ ضرورت آیندہ کبھی پیش آنے والی ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی[۱]۔

۲۔ جس مال میں کوئی دوسرا حق، عشر، خراج وغیرہ واجب ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ ایک مال پر دو حق واجب نہیں ہوتے[۲]۔

۳۔ جو چیزیں کسی نے کسی کے پاس رہن کر دی ہوں۔ ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، نہ رہن کرنے والے پر اور نہ رہن رکھنے والے پر[۳]۔

۴۔ کسی کا کوئی مال گم ہو گیا یا رقم کھو گئی پھر ایک مدت کے بعد خدا کے فضل سے وہ مال مل گیا، اور کھوئی ہوئی رقم دستیاب ہو گئی تو اس مدت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جس مدت میں مال یا رقم کھوئی ہوئی تھی[۴]۔

۵۔ کسی کے پاس سال کے شروع میں نصاب کے بقدر مال موجود تھا، درمیان میں کچھ مدت کے لیے مال کم ہو گیا یا بالکل ہی نہیں رہا لیکن سال کے آخر میں پھر خدا کے فضل و کرم سے نصاب کے بقدر ہو گیا تو اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درمیان میں مال کم ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے گا[۵]۔

۶۔ گرفتار ہونے والے شخص کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ جو شخص بھی اس کے پیچھے اس کے کاروبار یا اس کے مال کا متولی ہو وہ زکوٰۃ ادا کرے[۶]۔

۷۔ مسافر کے مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر وہ صاحب نصاب ہو، بلاشبہ مسافر ہونے کی وجہ سے وہ زکوٰۃ لینے کا بھی مستحق ہے، لیکن چونکہ وہ غنی اور صاحبِ نصاب بھی ہے اس لیے اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہے، اس کا سفر اسے زکوٰۃ کا مستحق بناتا ہے اور اس کا مالدار ہونا اس پر زکوٰۃ فرض کرتا ہے[۷]۔

۱۔ علم الفقہ چہارم۔ ۲۔ علم الفقہ چہارم۔ ۳۔ علم الفقہ چہارم
۴۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مال کا اپنے قبضے اور اپنی ملک میں ہونا ضروری ہے۔
۵۔ علم الفقہ۔ ۶۔ رسائل و مسائل، حصہ دوم۔ ۷۔ بہشتی زیور، حصہ سوم۔

۸۔ کسی نے کسی کو کوئی عطیہ دیا اگر وہ بقدرِ نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی[1]۔

۹۔ گھر کا ساز و سامان، جیسے تانبے، پیتل، ایلومینیم اور اسٹیل وغیرہ کے برتن، پہننے، اوڑھنے کے کپڑے، دری، فرش، فرنیچر وغیرہ، سونے چاندی کے علاوہ کسی دوسری دھات کے زیور، سچے موتیوں کے ہار وغیرہ چاہے کتنے ہی قیمتی ہوں، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں[2]۔

۱۰۔ کسی تقریب میں خرچ کرنے کے لیے کسی نے اچھی مقدار میں غلہ وغیرہ خرید لیا۔ پھر نفع کی خاطر اس کو فروخت کر دیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ زکوٰۃ صرف اسی مال پر واجب ہوگی جو کاروبار کے ارادے سے خریدا ہو[3]۔

۱۱۔ کسی کے پاس ہزار روپے تھے، سال پورا ہونے پر اس میں سے پانچ سو روپے ضائع ہو گئے اور باقی رقم اس شخص نے خیرات کر دی تو صرف ضائع شدہ رقم کی زکوٰۃ واجب رہے گی۔ خیرات کردہ کی زکوٰۃ ادا ہو گئی[4]۔

۱۲۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد کسی کا مال و متاع ضائع ہو گیا تو ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی[5]۔

۱۳۔ کسی کاروبار میں چند افراد شریک ہوں، اور سب کی رقم لگی ہوئی ہو اگر ہر شریک کا الگ الگ حصہ نصاب سے کم ہو تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ چاہے ان سب کے حصوں کا مجموعہ بقدرِ نصاب یا اس سے زائد ہو[6]۔

۱۴۔ کسی شخص نے رمضان میں دو ہزار روپے (۲۰۰۰/-) کی زکوٰۃ ادا کی، اور یہ دو ہزار اس کے پاس محفوظ ہیں۔ اب رجب کے مہینے میں اللہ کے فضل سے دو ہزار روپے (۲۰۰۰/-) اس کو مزید مل گئے تو اب سال پورا ہونے پر وہ چار ہزار (۴۰۰۰/-) کی زکوٰۃ ادا کرے۔ یہ نہ سوچے کہ دو ہزار (۲۰۰۰/-) جو رجب

۱؎ بہشتی زیور، حصہ سوم۔ ۲؎ بہشتی زیور، حصہ سوم۔ ۳؎ بہشتی زیور، حصہ سوم۔ ۴؎ بہشتی زیور، حصہ سوم۔ ۵؎ بہشتی زیور، حصہ سوم۔
۶؎ امام شافعیؒ اس صورت میں مجموعی رقم پر زکوٰۃ کے وجوب کے قائل ہیں۔ اگر کاروبار کی مجموعی رقم بقدر نصاب یا اس سے زیادہ ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چاہے الگ الگ ہر شریک کا حصہ بقدرِ نصاب نہ ہو۔

میں ملے ہیں ان پر تو سال نہیں گزرا ہے، سال کے دوران جو رقم یا مال بھی بڑھے، چاہے کاروبار میں نفع کے ذریعے بڑھے یا چوپایوں کے بچے ہو جائیں یا کوئی مال عطیہ کر دے یا میراث میں مل جائے۔ غرض جس طرح بھی کوئی رقم یا مال ملے، سارے مال و متاع پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی چاہے بعد میں ملنے والے مال پر ابھی پورا سال نہ گزرا ہو۔

زکوٰۃ ادا کرنے کے مسائل:

۱۔ زکوٰۃ ادا کرتے وقت یہ ضروری نہیں ہے کہ مستحق کو دیتے وقت جتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ انعام، یا بچوں کے لیے تحفہ اور عیدی کے طور پر دے دینا بھی جائز ہے۔ صرف یہ کافی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ ادا کرنے کی نیت کرے۔

۲۔ مزدور کو کسی خدمت کے عوض میں یا ملازم اور خادم کو اجرت میں زکوٰۃ دینا صحیح نہیں۔ البتہ بیت المال کی طرف سے جو لوگ زکوٰۃ وصول کرنے اور تقسیم کرنے پر مقرر ہوں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کے مال میں سے دی جا سکتی ہیں۔

۳۔ سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ ادا کر دینا جائز ہے اور قسط وار ماہانہ ادا کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ وہ شخص صاحبِ نصاب ہو اور اگر کوئی اس توقع پر پیشگی زکوٰۃ دے رہا ہو، کہ آئندہ وہ صاحبِ نصاب ہونے والا ہے، تو ایسے شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جس وقت وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور سال گزر جائے گا، اس کو پھر زکوٰۃ دینا ہوگی[1]۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی زکوٰۃ پیشگی ادا کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو اجازت دے دی[2]۔

۴۔ زکوٰۃ میں درمیانی معیار کا مال ادا کرنا چاہیے نہ تو یہ صحیح ہے کہ زکوٰۃ دینے والا معمولی مال زکوٰۃ میں ادا کرے اور نہ یہ درست ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا اچھے سے اچھا مال وصول کرے۔ دینے والا بھی خدا کی راہ میں اچھا دینے کی کوشش کرے اور لینے والا بھی کسی پر زیادتی نہ کرے۔

---

۱ بہشتی زیور۔ ۲ ابوداؤد، جامع ترمذی۔

۵۔ زکوٰۃ ادا کرنے والے کو اختیار ہے چاہے وہ چیز ادا کرے جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، مثلاً سونا یا جانور یا اس کی قیمت ادا کرے ہر حال میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ ہاں یہ واضح رہے کہ قیمت ادا کرنے کی صورت میں اس وقت کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس وقت زکوٰۃ ادا کی جا رہی ہے نہ کہ اس وقت کی قیمت کا جس وقت کہ زکوٰۃ واجب ہوئی ہے۔ مثلاً ایک شخص کے یہاں بکریاں پلی ہوئی ہیں۔ سال گزرنے پر زکوٰۃ میں ایک بکری اس پر واجب ہوگئی جس کی قیمت زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت (۵۰/-) پچاس روپے ہے۔ کسی وجہ سے اس وقت اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، چند ماہ بعد ادا کر رہا ہے تو اس وقت بکری کی جو قیمت ہوگی وہی ادا کرنا ہوگی اگر قیمت بڑھ کر (۶۰/-) ساٹھ روپے ہوگئی ہے تو ساٹھ روپے ہی دینا ہوں گی اور اگر کم ہو کر چالیس روپے رہ گئی ہے تو چالیس روپے ہی دینا ہوں گے۔

۶۔ زکوٰۃ اسلامی حکومت کے بیت المال میں جمع ہونی چاہیے اور اسلامی حکومت کا یہ اہم فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ کی تحصیل اور تقسیم کا انتظام کرے اور جہاں کہیں مسلمان اپنی شدید ترین غفلت کے باعث محکومی کی زندگی گزار رہے ہیں تو ایسی صورت میں ان کا فرض ہے کہ اپنے طور پر مسلمانوں کا بیت المال قائم کریں اور اس میں زکوٰۃ جمع کریں اور بیت المال سے ہی زکوٰۃ اس کے متعین مصارف میں صَرف کی جائے اور جو اس اجتماعیت سے بھی محروم ہوں تو وہ اپنے طور پر مستحقین کو زکوٰۃ پہنچائیں اور مسلسل علمی اور عملی کوششیں کرتے رہیں تا کہ اسلامی نظام قائم ہو۔ اس لیے کہ اسلامی نظام کا قیام ملت کا فریضہ بھی ہے، اور اس کے بغیر اسلام کے بہت سے احکام وقوانین پر عمل بھی ممکن نہیں ہے۔

۷۔ جو لوگ عارضی طور پر یا مستقل طور پر زکوٰۃ کے مستحق اور محتاج ہوں، مثلاً اپاہج، بیمار، ضعیف، نادار، مسکین، بیوائیں۔ ان کو وقتی طور پر بھی بیت المال سے مدد دی جا سکتی ہے اور مستقل طور پر بھی ان کے گزارے اور وظیفے مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

۸۔ بیت المال سے زکوٰۃ منفرد مستحقین کو بھی دی جاسکتی ہے، اور اداروں کو بھی دی جا سکتی ہے اور خود بھی ایسے ادارے قائم کیے جاسکتے ہیں جو مصارف زکوٰۃ سے متعلق ہوں مثلاً یتیم خانے، محتاج خانے اور ناداروں کے لیے تعلیمی ادارے اور شفاخانے وغیرہ۔

۹۔ حاجت مند لوگوں کو زکوٰۃ کی مد سے قرضِ حسن دینا جائز ہے بلکہ ناداروں کو اونچا اٹھانے اور ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی غرض سے قرضِ حسن دینا مستحسن ہے۔

۱۰۔ جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، ان کو زکوٰۃ دینے کا دوگنا اجر ہے۔ ایک زکوٰۃ دینے کا اور دوسرا صلۂ رحمی کا اور اگر یہ خیال ہو کہ عزیز اور رشتہ دار زکوٰۃ کی رقم لیتے ہوئے شرم محسوس کریں گے یا ضرورت مند ہونے کے باوجود برا مانیں گے اور نہ لیں گے، تو ان کو یہ نہ بتایا جائے کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں مستحق کو یہ بتانا شرط نہیں ہے کہ یہ زکوٰۃ ہے، بلکہ کسی تقریب میں تعاون کے طور پر، عیدی کے طور پر یا کسی اور طریقے سے وہ رقم پہنچادی جائے۔

۱۱۔ بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ قمری مہینوں کے حساب سے ادا کی جائے لیکن یہ ضروری نہیں ہے، شمسی حساب سے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔ قمری حساب سے زکوٰۃ کا وجوب کسی نص سے ثابت نہیں ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ کسی خاص مہینے میں زکوٰۃ ادا کی جائے۔ البتہ رمضان المبارک چوں کہ نیکیوں کی بہار کا مہینہ ہے اور اس میں ہر عبادت کا اجر بہت زیادہ ہے، اس لیے اس ماہ میں دینا بہتر ہے، لیکن ایسا کرنا واجب نہیں اور نہ یہ ادائے زکوٰۃ کی صحت کے لیے کوئی شرط ہے۔

۱۲۔ عام حالات میں مناسب ہے کہ ایک علاقے کی زکوٰۃ اسی علاقے میں صَرف کی جائے، البتہ دوسرے علاقوں میں کوئی شدید ضرورت پیش آجائے، یا زکوٰۃ دینے والے کے عزیز واقارب دوسری جگہ رہتے ہوں اور وہ حاجت مند ہوں، یا دوسرے مقام پر کوئی ناگہانی ارضی یا سماوی آفت نازل ہوگئی ہو تو ایسی صورت میں دوسرے علاقوں میں بھی زکوٰۃ کی رقم بھیجی جاسکتی ہے، البتہ یہ خیال رہے کہ اپنی

بستی اور علاقے کے حاجت مند لوگ محروم نہ رہ جائیں۔

۱۳۔ زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو مالک اور قابض بنا دیا جائے۔ اگر کوئی شخص کھانا پکوا کر مستحقین کو گھر میں کھلا دے تو یہ زکوٰۃ صحیح نہ ہو گی۔ ہاں کھانا ان کے حوالے کر کے ان کو اختیار دے دیں کہ وہ خود کھائیں یا کسی کو کھلائیں یا جو چاہیں کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ کسی ادارے یا بیت المال کو دے دینے سے بھی مالک بنانے کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ وصول کرنے والے کو زکوٰۃ دے دینے سے بھی تملیک کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر بیت المال یا زکوٰۃ وصول کرنے والا ادارہ ذمہ دار ہے، زکوٰۃ دینے والے کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اب مستحقین کو پھر مالک بنائے۔

۱۴۔ اگر کوئی شخص اپنے کسی رشتہ دار، دوست یا کسی کی طرف سے بھی بطور خود زکوٰۃ ادا کر دے، تو اس شخص کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر اپنی بیوی کے زیور وغیرہ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے ادا کر دے تو بیوی کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپؐ کے مقرر کیے ہوئے مُحصِّل حضرت عمرؓ کو زکوٰۃ نہیں دی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے بلکہ اس سے زیادہ، عمر! تم سمجھتے نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے لیے باپ کے برابر ہے۔ (مسلم)

مسئلہ تملیک

حنفی علما کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہونے کے لیے تملیک ایک لازمی شرط ہے، دوسرے کو مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس مسئلے پر علامہ مودودیؒ نے ایک اہم وضاحتی نوٹ لکھا ہے، جو مسئلہ تملیک کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے انتہائی مفید ہے۔ ذیل میں یہ بصیرت افروز نوٹ درج کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ

التوبہ 60:9

صدقات تو فقرا کے لیے ہیں اور مساکین کے لیے، اور ان لوگوں کے لیے جو ان پر کام کرنے والے ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مقصود ہو.....الخ

دیکھیے یہاں لام کا عمل صرف فقرا ہی پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ مساکین، عاملین علیہا اور مؤلفۃ قلوبہم پر بھی ہو رہا ہے یہ لام تملیک کے لیے ہے تو، اور استحقاق یا اختصاص یا کسی اور معنی کے لیے ہے تو، بہر صورت جس معنی میں بھی یہ فقرا سے متعلق ہوگا اسی معنی میں باقی تینوں سے بھی متعلق ہوگا۔ اب اگر حنفی تاویل کے لحاظ سے وہ تملیک کا مقتضی ہے تو زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا مال ان چاروں میں سے جس کے حوالے بھی کر دیا جائے گا، تملیک کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ آگے تملیک در تملیک کا حکم کہاں سے نکالا جاتا ہے؟ کیا فقیر یا مسکین کی مِلک میں زکوٰۃ کا مال پہنچ جانے کے بعد اس کے تصرفات پر کوئی پابندی ہے؟ اگر نہیں تو عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کے ہاتھ میں پہنچ جانے کے بعد جبکہ لام تملیک کا تقاضا پورا ہو چکا۔ پھر مزید تملیک کی پابندی لگانے کی کیا دلیل ہے؟ لام کو اگر تملیک ہی کے معنی میں لیا جائے تو ایک شخص جب زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے اموال عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کے سپرد کر دیتا ہے تو گویا وہ انھیں اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور یہ اسی طرح ان کی مِلک بن جاتے ہیں، جس طرح فے اور غنیمت کے اموال حکومت کی مِلک بن جاتے ہیں، پھر ان پر یہ لازم نہیں رہتا کہ وہ ان اموال کو آگے جن مستحقین پر بھی صَرف کریں، بصورتِ تملیک ہی کریں، بلکہ انھیں یہ حق حاصل ہے، کہ باقی ماندہ سات مصارفِ زکوٰۃ میں اس کو جس طرح مناسب اور ضروری سمجھیں صَرف کریں، لام تملیک کی رو سے ان پر کوئی قید نہیں لگائی جا سکتی ہے، وہ صِرف یہ کہ جو شخص بھی زکوٰۃ کی تحصیل وصرف کے سلسلے میں کوئی عمل کرے وہ بس اس عمل کی اُجرت لے۔ باقی مال اُسے دوسرے مستحقین زکوٰۃ پر صَرف کرنا ہوگا۔ اس لیے یہ لوگ عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا ہونے کی حیثیت سے ان اموال کے مالک بنائے جاتے ہیں نہ کہ بجائے خود مستحق ہونے کی حیثیت سے۔ عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا کا لفظ خود اس وجہ کو ظاہر کر دیتا ہے، جس کے لیے زکوٰۃ ان کے حوالے کی جاتی ہے، اور پھر یہی لفظ یہ بھی طے کر دیتا ہے کہ وہ عامل کی حیثیت سے اس مال کا کتنا حصہ جائز طور پر اپنے ذاتی تصرف میں لانے کا حق رکھتے ہیں۔

اس تشریح کے بعد اس حدیث پر نگاہ ڈالیے جو امام احمدؒ نے حضرت انسؓ ابن مالک سے روایت کی ہے۔ اس میں حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، کہ:

اَدَایْتُ الزَّکٰوۃَ اِلٰی رَسُوْلِكَ فَقَدْ بَرِئْتُ مِنْهَا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔

جب میں نے آپ کے بھیجے ہوئے عامل کو زکوٰۃ ادا کر دی تو میں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اپنے فرض سے بری الزمہ ہو گیا نا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

نَعَمْ اِذَا اَدَیْتَهَا اِلٰی رَسُوْلِی فَقَدْ برئت مِنْهَا اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَلك اَجْرَهَا، وَاثْمَ ُهَا عَلٰی مَنْ بَدَّلَهَا۔

ہاں جب تو نے اسے میرے فرستادہ عامل کے حوالے کر دیا تو اللہ اور اس کے رسول کے آگے اپنے فرض سے بری الذمہ ہو گیا۔ اس کا اجر تیرے لیے ہے اور جو اس میں ناجائز تصرف کرے اس کا گناہ اسی پر ہے۔

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والا اپنی زکوٰۃ عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا کے سپرد کر کے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر لام تملیک کا تقاضا جس طرح کسی فقیر یا مسکین کو زکوٰۃ دے دینے سے پورا ہوتا ہے، اسی طرح عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا کو دے دینے سے بھی پورا ہو جاتا ہے،.....

اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا کے الفاظ جو قرآن میں ارشاد فرمائے گئے ان کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے لوگ اسے صرف ان کارندوں تک محدود سمجھتے ہیں جن کو حکومتِ اسلامی اس کام کے لیے مقرر کرے۔ لیکن قرآنِ پاک کے الفاظ عام ہیں جن کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے جو زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے سلسلے میں ''عمل'' کرے۔ اس عام کو خاص کرنے والی کوئی دلیل میرے علم میں نہیں ہے، اگر حکومت اسلامی موجود نہ ہو یا ہو مگر اس فرض سے غافل ہو اور مسلمانوں میں کوئی گروہ یہ ''عمل'' کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو آخر کس دلیل سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہیں تم عَامِلِیْنَ عَلَیْهَا نہیں ہو؟

میرے نزدیک تو یہ اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے کہ اس نے عاملین حکومت کے لیے خاص کرنے کی بجائے اپنا حکم ایسے عام الفاظ میں دیا ہے جن میں یہ گنجائش پائی جاتی ہے کہ اسلامی حکومت کی غیر موجودگی میں مسلمان بطورِ خود بھی زکوٰۃ کی تحصیل و تقسیم کے لیے مختلف انتظامات کر سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اس عام حکم کو عام ہی رہنے دیا جائے تو غریب طلبا کی تعلیم، یتیموں کی پرورش، بوڑھوں اور معذوروں اور اپاہجوں کی نگہداشت، نادار مریضوں کے علاج اور ایسے ہی دوسرے کاموں کے لیے جو ادارے قائم ہوں ان سب کے منتظمین بالکل بجا طور پر عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا کی تعریف میں آئیں گے اور ان کو زکوٰۃ لینے اور حسبِ ضرورت صَرف کرنے کے اختیارات حاصل ہو جائیں گے۔ اسی طرح ایسے ادارے قائم کرنے کی بھی گنجائش نکل آئے گی جو خاص طور پر تحصیل و صرف زکوٰۃ ہی کے لیے قائم ہوں۔ ان کے منتظمین بھی عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا قرار پائیں گے اور صرف زکوٰۃ کے معاملے میں ان کے ہاتھ بھی تملیک کے فتوے سے باندھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

میرے نزدیک اگر قرآن کے الفاظ کی عمومیت نگاہ میں رکھی جائے، تو صرف مذکورہ بالا عاملین ہی پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے بہت سے کارکن بھی اس تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً

ایک یتیم کا ولی، ایک بیمار یا اپاہج کی خبر گیری کرنے والا اور ایک بے کس بوڑھے کا نگہبان بھی ''عامل'' ہے۔ اسے زکوٰۃ وصول کر کے ان لوگوں کی ضروریات پر خرچ کرنے کا حق ہے اور اس میں سے معروف طریقے پر اپنے عمل کی اُجرت بھی وہ چاہے تو لے سکتا ہے۔

زکوٰۃ کی رقم اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے کی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے ڈاک خانے یا بنک کی اجرت دی جا سکتی ہے کیونکہ اس خدمت کو انجام دینے کی حد تک وہ بھی عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا ہوں گے۔

زکوٰۃ وصول کرنے، زکوٰۃ کے اموال ایک جگہ سے دوسری جگہ حسبِ ضرورت لے جانے یا مستحقین زکوٰۃ کی مختلف ضروریات پوری کرنے کے لیے ریل، بس، ٹرک، ٹانگے،

ٹھیلے وغیرہ جو استعمال کیے جائیں ان کے کرائے مالِ زکوٰۃ سے دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ خدمت انجام دیتے وقت یہ سب عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا میں ہی شمار ہوں گے۔

مستحقینِ زکوٰۃ کی خدمت کے لیے جس قدر بھی ملازم اور مزدور استعمال کیے جائیں گے ان سب کی تنخواہیں اور اجرتیں زکوٰۃ کی مد سے دی جاسکتی ہیں کیونکہ عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا میں داخل ہوں گے۔ قطعِ نظر اس سے کہ کوئی ریلوے اسٹیشن پر زکوٰۃ کے غلے کی بوریاں ڈھوئے یا کوئی غریب مریضوں کی خدمت کے لیے گاڑی چلائے، یا کوئی یتیم بچوں کی نگہداشت کرے۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ آیا عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا کے تصرفات پر کوئی ایسی پابندی ہے کہ وہ مستحقین زکوٰۃ کی خدمت کے لیے عمارات نہ بنوا سکیں، اور اشیائے ضرورت مثلاً گاڑیاں، دوائیں، آلات، کپڑے وغیرہ نہ خرید سکیں؟ میں کہتا ہوں حنفی تاویل آیت کے لحاظ سے یہ پابندی صرف ادا کرنے والے پر عاید ہوتی ہے۔ وہ خود بلاشبہ ان تصرفات میں سے کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ اس کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی رو سے زکوٰۃ ''جن کے لیے'' ہے ان کی یا ان میں سے کسی کی مِلک میں دے دے، رہے عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا تو ان پر اس طرح کی کوئی پابندی عاید نہیں ہوتی۔ وہ تمام مستحقین زکوٰۃ کے لیے بمنزلہ ولی یا وکیل ہیں، اور اصل مستحق اس مال میں جتنے تصرفات کرسکتا ہے وہ سب تصرفات اس کے وکیل یا ولی ہونے کی حیثیت سے یہ بھی کرسکتے ہیں۔ وہ جب فقرا اور مساکین کی ضروریات کے لیے کوئی عمارت بنائیں یا کوئی گاڑی خریدیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بہت سے فقیروں اور مسکینوں نے، جن کو فرداً فرداً زکوٰۃ ملی تھی، باہم مل کر ایک عمارت بنوالی یا ایک سواری خرید لی۔ ان کے تصرف پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ عَامِلِیْنَ عَلَیْھَا کو زکوٰۃ دینے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے مقرر کیا ہے اور اللہ کے رسول نے اسی لیے ان کے ہاتھ میں زکوٰۃ دے دینے والے کو فرض سے سبکدوش قرار دیا ہے کہ انھیں یہ مال دے دینا گویا تمام مستحقین کو دے دینا ہے وہ انھی کی طرف سے اسے وصول کرتے ہیں اور انھی کے نائب و سرپرست بن

کراسے صرف کرتے ہیں۔آپ ان کے تصرفات پراس حیثیت سے ضرور اعتراض کر سکتے ہیں کہ تم نے فلاں خرچ بلاضرورت کیا یا فلاں چیز پر ضرورت سے زیادہ خرچ کر دیا یا اپنے عمل کی اُجرت معقول حد سے زیادہ لے لی یا کسی عامل کو معقول شرح سے زیادہ اجرت دے دی، لیکن کوئی قاعدہ شرعی میرے علم میں ایسا نہیں ہے۔جس کی بنا پر ان کو اس بات کا پابند کیا جا سکے کہ فلاں فلاں قسم کے تصرفات تم کر سکتے ہو اور فلاں فلاں قسم کے نہیں کر سکتے۔قواعد شریعت انھیں ہر اس کام کی اجازت دیتے ہیں جس کی مستحقین زکوٰۃ کے لیے ضرورت ہو۔ (ترجمان القرآن، دسمبر ۱۹۵۴ء)

نصاب زکوٰۃ

نصابِ زکوٰۃ سے مراد سرمائے کی وہ کم سے کم مقدار ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ واجب کی ہے، اور جس شخص کے پاس بقدرِ نصاب سرمایہ ہو اس کو صاحبِ نصاب کہتے ہیں۔

معاشی توازن:

زکوٰۃ کا ایک بنیادی مقصد معاشی توازن پیدا کرنا بھی ہے۔دولت کو گردش میں رکھنے اور سوسائٹی کے ہر طبقے کو مستفید کرنے کے لیے زکوٰۃ سرمایہ داروں سے لی جاتی ہے اور ناداروں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے دولت مند لوگوں سے لیا جائے گا اور ان کے ناداروں کو لوٹایا جائے گا۔[1]

شریعت کی نظر میں دولت مند اور خوشحال لوگ وہ ہیں، جن کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہو اور سال گزرنے کے بعد بھی موجود رہے۔دورِ نبوت میں وہ لوگ خوشحال اور دولت مند تھے، جن کے پاس کھجور کے باغ ہوں اور چاندی یا سونا ہو یا مویشی ہوں اور شریعت نے ان چیزوں میں ایک خاص مقدار متعین فرما کر بتا دیا کہ کم از کم اتنی مقدار جس کے پاس ہو وہ شریعت کی نظر میں خوش حال ہے اور اس کے مال میں سے صدقہ وصول کر کے سوسائٹی

۱۔ متفق علیہ

کے ناداروں کو دیا جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

پانچ وسق[1] سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ پانچ اوقیہ[2] سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے[3]۔ (بخاری، مسلم)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

''اس دور میں پانچ وسق یعنی ۳۰۰ من کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گزارے کے لیے کافی ہو جاتی تھیں اور یہی قیمت اور حیثیت پانچ اوقیہ چاندی یعنی دو سو درہم اور پانچ اونٹوں کی تھی، اس لیے اس مقدار کے مالک کو شریعت نے خوشحال اور دولت مند قرار دے کر اس پر زکوٰۃ واجب کر دی۔''

نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ:

دورِ حاضر میں چونکہ روپے کی قیمت غیر معمولی حد تک کم ہو گئی ہے اور پھر چاندی سونے اور مویشی کا جو نصاب دورِ نبوت میں مقرر کیا تھا، ان میں بھی قیمت کے لحاظ سے باہم غیر معمولی تفاوت ہے اس لیے بعض ذہن یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ نصاب زکوٰۃ پر حالات کے پیش نظر علما غور کریں۔ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین کے زمانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے نصاب اور شرحِ زکوٰۃ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، نہ اب اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی آپؐ کی مقرر کردہ مقادیر میں ترمیم کرنے کا مجاز نہیں ہے..... البتہ سونے کے نصاب میں تبدیلی ممکن ہے کیونکہ اس کا نصاب بیس مثقال جس روایت میں آیا ہے۔ اس کی سند بہت ضعیف ہے۔'' (رسائل و مسائل حصہ دوم، ص ۱۴۴، ۱۴۵)۔

۱۔ دیکھیے اصطلاحات، ص: ۳۲ ۲۔ دیکھیے اصطلاحات، ص: ۲۳

۳۔ مولانا منظور احمد نعمانی لکھتے ہیں:

''حضرات علمائے کرام کے لیے یہ بات قابل غور ہے کہ اب جب کہ روپے کی قیمت اور حیثیت زمانۂ نبوت کے درہم کے مقابلے میں بہت کم ہو گئی ہے بلکہ ہمارے ہی ملک میں اب سے پچیس سال پہلے روپے کی جو قیمت اور مالیت تھی اب اس کا بھی آٹھواں حصہ، یا اس سے بھی کم رہ گئی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کیا ہوگا''۔ (معارف الحدیث، جلد ۴، ص ۳۶)

ایک دوسرے سوال کے جواب میں، نصاب اور شرحِ زکوٰۃ میں تبدیلی نہ کرنے کی حکمتوں پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شارع کے مقرر کردہ حدود اور مقادیر میں ردوبدل کرنے کے ہم مجاز نہیں ہیں یہ دروازہ اگر کھل جائے تو پھر ایک زکوٰۃ ہی کے نصاب اور شرح پر زد نہیں پڑتی بلکہ نماز، روزہ، حج، نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ کے بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں ترمیم و تنسیخ شروع ہو جائے گی اور یہ سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو سکے گا۔ نیز یہ کہ اس دروازے کے کھلنے سے وہ توازن و اعتدال ختم ہو جائے گا جو شارع نے فرد اور جماعت کے درمیان انصاف کے لیے قائم کر دیا ہے۔ اس کے بعد پھر افراد اور جماعت کے درمیان کھینچ تان شروع ہو جائے گی۔ افراد چاہیں گے کہ نصاب اور شرح میں تبدیلی ان کے مفاد کے مطابق ہو اور جماعت چاہے گی کہ اس کے مفاد کے مطابق۔ انتخابات میں یہ چیز ایک مسئلہ بن جائے گی۔ نصاب گھٹا کر اور شرح بڑھا کر اگر کوئی قانون بنایا گیا تو جن افراد کے مفاد پر اس کی زد پڑے گی وہ اسے خوش دلی کے ساتھ نہ دیں گے جو عبادت کی اصل روح ہے بلکہ ٹیکس کی طرح چٹی سمجھ کر دیں گے اور حیلہ سازی اور گریز (Evasion) دونوں ہی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ یہ بات جواب ہے کہ حکم خدا اور رسول سمجھ کر ہر شخص سر جھکا دیتا ہے۔ اور عبادت کے جذبے سے بخوشی رقم نکالتا ہے۔ اس صورت میں کبھی باقی نہیں رہ سکتی جبکہ پارلیمنٹ کی اکثریت اپنے حسبِ منشا کوئی نصاب اور کوئی شرح دوسروں پر مسلط کرتی رہے[1]۔

(رسائل و مسائل، حصہ دوم، صفحہ ۱۵۷)

سونے اور چاندی کا نصاب:

چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے، جس کا وزن چھتیس تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی بنتا ہے، جس شخص کے پاس اتنے وزن کی چاندی ہو اور اس پر پورا سال گزر جائے تو اس پر اس کی زکوٰۃ نکالنا واجب ہے، اس سے کم وزن کی چاندی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے[2]۔

۱؎ مزید وضاحت کے لیے دیکھئے۔ ترجمان القرآن، جون ۱۹۴۶ء۔

۲؎ یہ نصاب مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے، (علم الفقہ جلد ۴، صفحہ ۲۶) مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی کی تحقیق بھی یہی ہے، البتہ بعض علما کے نزدیک چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے، اور یہ زیادہ مشہور ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ سوم، صفحہ ۲۱)

سونے کا نصاب بیس طلائی مثقال ہے۔ جس کا وزن پانچ تولے اڑھائی ماشے سونے کے برابر ہے[1]، جس شخص کے پاس اتنے وزن کا سونا ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہے، اس سے کم وزن کا سونا ہو تو واجب نہیں ہے۔

سکّوں اور نوٹوں کی زکوٰۃ:

حکومت کے سکّے چاہے وہ کسی دھات کے ہوں اور کاغذی سکّے یعنی نوٹ وغیرہ کی زکوٰۃ واجب ہے، کیونکہ ان کی قیمت ان کی دھات یا ان کے کاغذ کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس قوتِ خرید کی بنا پر ہے جو قانوناً ان کے اندر پیدا کر دی گئی ہے، جس کی وجہ سے وہ چاندی اور سونے کے قائم مقام ہیں۔ لہٰذا جس شخص کے پاس چھتیس (۳۶) تولے ساڑھے پانچ ماشے چاندی کی قیمت کے نوٹ یا سکے موجود ہوں اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

جو سکّے رائج نہیں ہیں یا جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لیے ہیں ان میں اگر سونا، چاندی کسی مقدار میں موجود ہے تو ان پر چاندی یا سونے کی اس مقدار کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی جو ان میں موجود ہے۔

غیر ممالک کے سکے اگر بآسانی اپنے ملک کے سکوں سے تبدیل کیے جا سکتے ہوں تو ان کا حکم نقدی کا ہے اور اگر تبدیل نہ کیے جا سکتے ہوں تو ان پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ ان کے بقدر نصاب سونا یا چاندی موجود ہو، اگر سونا یا چاندی بالکل نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

درہم کے وزن کی تحقیق:

زکوٰۃ کے باب میں درہم سے مراد وہ درہم ہے جس کا وزن دو ماشے اور ڈیڑھ رتی ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے دور میں درہم مختلف وزنوں کے ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے محسوس کیا کہ درہم کے اوزان میں اختلاف کے باعث لوگوں میں باہم کشمکش ہوتی ہے اور زکوٰۃ کے معاملے میں الجھن پیدا ہوتی ہے تو آپ نے ہر وزن کا

---

[1] یہ نصاب مولانا عبدالشکور صاحب کی تحقیق کے مطابق ہے (علم الفقہ جلد ۴، ص ۲۷) یہی تحقیق مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی کی ہے۔ البتہ عام طور پر سونے کا نصاب (۷ ۱/۲) یعنی ساڑھے سات تولے مشہور ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص ۲۱)

ایک ایک درہم لیا اور اس کو گلوایا اور پھر اس کے تین وزن درہم بنوائے۔ پھر اس درہم کا وزن کیا تو وہ چودہ قیراط کا بیٹھا۔ پس اس درہم کے وزن پر صحابۂ کرام کا اجماع ہو گیا اور سارے عرب میں یہی درہم رائج ہو گیا اور اسی کے مطابق تمام شرعی فرائض مثلاً زکوٰۃ اور حد سرقہ وغیرہ ادا ہونے لگے۔ (بحر الرائق وغیرہ)۔

البتہ طہارت اور نجاست کے باب میں درہم سے مراد وہ درہم ہوتا ہے جو ایک مثقال یعنی دینار کے برابر ہوتا ہے۔ علامہ ابن عابد شامی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک دینار سو جَو کے برابر ہوتا ہے اور چار جَو کی ایک رتی ہوتی ہے اور آٹھ رتی کا ایک ماشہ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک دینار کا وزن تین ماشہ اور ایک رتی قرار پاتا ہے، اسی تحقیق کے مطابق ہم نے آسان فقہ حصہ اول میں درہم کا وزن ۳ ماشہ اور ایک رتی لکھا ہے۔

اموالِ تجارت کی زکوٰۃ

مالِ تجارت ہو، یا نوٹ اور سکے وغیرہ، ان سب کا نصاب بھی وہی ہے جو سونے اور چاندی کا نصاب ہے یعنی سونے یا چاندی کے نصاب کو بنیاد بنا کر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ مثلاً آپ کے پاس مبلغ -/۴۰۰ موجود ہیں، اس رقم میں سونے کا نصاب تو نہیں بنتا لیکن چاندی کا نصاب بن جاتا ہے، تو اسی نصاب کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے۔

اموالِ تجارت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کاروبار شروع کرنے کی تاریخ پر جب ایک سال گزر جائے تو تجارتی مال Stock In Trade کی مالیت کا حساب لگایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ نقد رقم Cash In Hand کتنا ہے۔ دونوں کے مجموعے پر زکوٰۃ نکالی جائے۔

اگر مالِ تجارت اور نقد رقم نصاب سے کم ہے اور پھر یکا یک قیمتیں چڑھنے سے مالِ تجارت کی قیمت بقدرِ نصاب یا اس سے زائد ہو گئی تو جس تاریخ سے قیمتیں بڑھی ہیں اسی تاریخ سے زکوٰۃ کے سال کی ابتدا کی جائے گی۔

اگر کسی کاروبار میں کئی افراد شریک ہیں، تو کاروبار کے مجموعی اسٹاک اور کیش رقم پر

زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ ہر شریک کے حصے اور منافع کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر یہ حصہ اور اس کا منافع بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

اسی طرح اگر کچھ مال چند لوگوں کی شرکت میں ہو تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب ہر شریک کا حصہ بقدر نصاب ہو مثلاً چالیس بکریاں دو آدمیوں کی شرکت میں ہیں یا ساٹھ تولے چاندی دو افراد کی ملکیت میں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی[1]۔

کاروبار میں کام آنے والے اوزار اور آلات، فرنیچر، اسٹیشنری کا سامان، عمارت یعنی عواملِ پیدائش پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی صرف مالِ تجارت اور کیش رقم کی واقعی مالیت پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ زکوٰۃ دیتے وقت ان قرضوں کی رقم بھی محسوب کرنا چاہیے جو کاروبار کے دوران دیئے جاتے رہتے ہیں اور وصول ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمارے لیے یہ حکم تھا کہ ہم اموالِ تجارت کی زکوٰۃ نکالا کریں۔ (ابوداؤد)

زیور کی زکوٰۃ

سونا، چاندی کسی شکل میں بھی ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے، چاہے وہ سکے ہوں، ڈلی ہو، تار ہو، گوٹا لچکا ہو، یا کپڑے پر زرکاری کا کام ہو، یا کپڑے کی بنائی میں سونے یا چاندی کا تار شامل ہو یا عورت کے استعمال کا زیور ہو، ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے۔

یمن کی ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس کے ہمراہ اس کی لڑکی بھی تھی جس کے ہاتھوں میں سونے کے دو وزنی کنگن تھے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا، تم اس کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ خاتون نے کہا، جی نہیں، زکوٰۃ تو نہیں دیتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تمھیں یہ گوارا ہے کہ قیامت کے روز خدا اس کی پاداش میں تمہیں آگ کے دو کنگن پہنائے۔ (یہ سن کر) خاتون نے وہ دونوں کنگن اتارے اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت

---

[1] امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ کاروبار کا مجموعی اسٹاک اور نقد رقم اگر بقدرِ نصاب ہے تو زکوٰۃ وصول کر لی جائے گی چاہے ہر حصے دار کا حصہ بقدرِ نصاب نہ ہو۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی زکوٰۃ مجموعے سے حاصل کی جائے البتہ ان شرکا کو مستثنیٰ کر دیا جائے گا جو صاحبِ نصاب نہ ہوں یا جو ایک سال سے کم مدت تک اپنے حصے کے مالک رہے ہوں اور یہی رائے زیادہ مناسب اور قابلِ عمل ہے۔

میں پیش کرتے ہوئے کہا، یہ اللہ اور رسول کی رضا کے لیے پیش خدمت ہیں۔ (نسائی)

حضرت اُمِ سلمہؓ کہتی ہیں، میں کنگن پہنا کرتی تھی تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا یہ بھی کنز ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا: جو مال زکوٰۃ دینے کی مقدار کو پہنچ جائے اور پھر اس کی زکوٰۃ دے دی جائے تو وہ کنز نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

زیور کی زکوٰۃ پر علامہ مودودیؒ نے ایک سوال کے جواب میں بڑا ہی بصیرت افروز نوٹ لکھا ہے۔ ذیل میں ہم اس نوٹ کو بعینہٖ درج کرتے ہیں:

''زیور کی زکوٰۃ کے بارے میں کئی مسلک ہیں۔ ایک مسلک یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اسے عاریتاً دینا ہی اس کی زکوٰۃ ہے۔ یہ انس بن مالک، سعید بن مسیّب، قتادۃ اور شعبیؒ کا قول ہے۔ دوسرا مسلک یہ ہے کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ زیور پر زکوٰۃ دے دینا کافی ہے۔ تیسرا مسلک یہ ہے کہ جو زیور عورت ہر وقت پہنے رہتی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے اور جو زیادہ تر رکھا جاتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ چوتھا مسلک یہ ہے کہ ہر قسم کے زیور پر زکوٰۃ ہے۔ ہمارے نزدیک یہی آخری قول صحیح ہے۔ اول تو جن احادیث میں چاندی سونے پر زکوٰۃ کے وجوب کا حکم بیان ہوا ہے ان کے الفاظ عام ہیں، مثلاً یہ کہ

فی الرقۃ ربع العشر ولیس فیما دون خمس اواق صدقۃ۔

چاندی میں اڑھائی فیصد زکوٰۃ ہے اور پانچ اوقیہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

پھر متعدد احادیث و آثار میں تصریح مذکور ہے کہ زیور پر زکوٰۃ واجب ہے، چنانچہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں قوی سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ:

ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی تھی، جس کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔

آپؐ نے پوچھا:

تم اس کی زکوٰۃ دیتی ہو؟

اس نے کہا:

نہیں۔

اس پر آپؐ نے فرمایا:

ایسرك الله ان یسورك الله بهمَا یَومَ الْقِیٰمَة سوارین من النار۔

کیا تجھے پسند ہے کہ خدا قیامت کے روز تجھے ان کے بدلے آگ کے کنگن پہنائے۔

نیز موطا، ابوداؤد، اور دار قطنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

مَا اَدَّیْتَ زَکٰوتَهٗ فَلَیْسَ بِکَنْزٍ

جس زیور کی زکوٰۃ تو نے ادا کردی وہ کنز نہیں ہے۔

ابن حزم نے محلی میں بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے (اپنے گورنر) حضرت ابوموسیٰ اشعری کو جو فرمان بھیجا تھا، اس میں یہ ہدایت بھی تھی:

مُر نساء المسلمین یز کین عن حلیهن۔

مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنے زیوروں کی زکوٰۃ ادا کریں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے فتویٰ پوچھا گیا کہ زیور کا کیا حکم ہے تو انھوں نے جواب دیا:

اِذَا بَلَغَ مِائَتَیْن فَفِیْهِ الزَّکٰوۃُ

جب وہ دو سو درہم کی مقدار کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ ہے۔

اسی مضمون کے اقوال صحابہؓ میں سے ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عائشہؓ سے تابعین میں سے سعید بن مسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاؒ، مجاہدؒ، ابن اسیرؒ اور زہری سے اور ائمہ فقہ میں سے سفیان ثوریؒ، ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ سے منقول ہیں۔

(رسائل و مسائل دوم صفحہ ۱۳۲۔ ۱۳۳)

شرحِ زکوٰۃ:

۱۔ سونا، چاندی، تجارتی اموال، دھات کے سکے، نوٹ، زیور سب پر چالیسواں حصہ یعنی اڑھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۲۔ سونا، چاندی یا زیور میں چالیسواں حصہ سونا یا چاندی زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ سونا چاندی ہی دی جائے، اس کی قیمت کا حساب لگا کر نقد رقم بھی دی جاسکتی ہے، کپڑے بھی دیئے جاسکتے ہیں اور دوسری چیزیں بھی دی جا

سکتی ہیں۔ نقدی یا تجارتی مال کی قیمت اگر سونے یا چاندی میں سے کسی کے نصاب کے بقدر ہو، تو اس کا اڑھائی فیصد زکوٰۃ میں دینا ہوگا۔

۳۔ سونے یا چاندی کا جو نصاب بیان کیا گیا ہے، اگر کسی کے پاس اس نصاب سے کچھ زیادہ چاندی سونا، یا تجارتی مال ہے تو اس پر زکوٰۃ اسی صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس نصاب کے پانچویں حصے کے بقدر ہو اس سے کم ہو تو معاف ہے[1]۔

۴۔ اگر کسی زیور یا ڈولی یا کپڑے میں سونا، چاندی دونوں ملے ہوئے ہیں، تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا زیادہ ہے، جو چیز زیادہ ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔ سونا زیادہ ہے تو سب کو سونا تصور کیا جائے گا اور سونے کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور اگر چاندی زیادہ ہے تو سب کو چاندی تصور کر کے چاندی کے نصاب سے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

۵۔ سونے یا چاندی کے زیور وغیرہ میں اگر کسی دوسری دھات کا میل ہو، اور اس کی مقدار سونے یا چاندی سے کم ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس عدد کو سونے یا چاندی کا تصور کر کے زکوٰۃ دی جائے گی اور اگر اس میں سونا یا چاندی کم ہے تو صرف اس سونے اور چاندی کا حساب لگایا جائے گا اگر وہ بقدر نصاب ہوگی تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

۶۔ ایک شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے ان میں سے جس چیز کا نصاب پورا ہو اس کے ساتھ دوسری جنس کی قیمت کا بھی حساب لگا کر اڑھائی فیصد کے حساب سے سب کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

۷۔ اگر کسی کے پاس سونا بھی نصاب سے کم ہے اور چاندی بھی نصاب سے کم ہے تو چاندی کو سونے سے ملا کر یا سونے کو چاندی سے ملا کر جو نصاب بھی پورا ہوتا ہو اس پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ دی جائے۔ اسی طرح کچھ نقد رقم ہے، کچھ چاندی ہے، کچھ تجارتی مال ہے تو سب کو ملا کر اگر چاندی یا سونے کا نصاب پورا ہو

---

[1] علم الفقہ، جلد ۴، صفحہ ۲۷۔

تب بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۸۔ زیوروں میں جو جواہر اور موتی وغیرہ ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، ان کا وزن منہا کرنے کے بعد باقی سونے یا چاندی کے وزن پر اڑھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

وہ چیزیں جن پر زکوٰۃ نہیں ہے:

۱۔ رہنے بسنے کے مکان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی مالیت کا ہو۔

۲۔ موتی، یاقوت اور دوسرے تمام جواہر پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۳۔ آبپاشی اور کھیتی باڑی کے لیے جو اونٹ، بیل، بھینسے پالے گئے ہوں ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس معاملے میں اصول یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیدایش سے کام لے رہا ہو وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ حدیث میں ہے:

لَیْسَ فِیْ الْاِبِلِ الْعَوَامِلِ صَدَقَۃٌ

یعنی جن اونٹوں سے کھیتی باڑی میں کام لیا جاتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ ان کی زکوٰۃ زمین کی پیداوار سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام آلاتِ پیدایش پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۴۔ کارخانے کی مشینوں پر اور آلات پر زکوٰۃ نہیں ہے، نیز کارخانے کی عمارت، کاروبار میں کام آنے والے فرنیچر، اسٹیشنری کے سامان، دکان کی عمارت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۵۔ شیر خانہ (Dairy Farm) کے مویشیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ بھی عوامل کی تعریف میں آتے ہیں۔ البتہ ڈیری فارم کی مصنوعات پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۶۔ بیش قیمت نادر چیزیں اگر کسی نے یادگار کے طور پر شوقیہ گھر میں رکھی ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو ان پر وہی زکوٰۃ عاید ہوگی جو اموالِ تجارت پر ہوتی ہے۔

۷۔ کسی نے حوض یا تالاب وغیرہ میں شوقیہ مچھلیاں پال رکھی ہیں تو ان پر زکوٰۃ عاید نہ ہوگی۔ ہاں اگر ان کی تجارت کر رہا ہو تو تجارتی زکوٰۃ واجب ہے۔

۸۔ مویشی جو ذاتی ضرورت کے لیے پالے گئے ہوں، مثلاً دودھ پینے کے لیے چند گائیں یا بھینسیں پال لی ہیں یا نقل وحمل کے لیے بیل، اونٹ یا سواری کے لیے چند گھوڑے پال لیے ہیں تو ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

۹۔ سواری کے لیے موٹر سائیکل، کار، بس ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

۱۰۔ مرغی خانہ، جو انڈوں کی فروخت کے لیے قائم کیا گیا ہو اس کی مرغیوں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، البتہ فروخت ہونے والے انڈوں پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہے۔

۱۱۔ شوقیہ طور پر جو مرغیاں یا اس قسم کے دوسرے جانور پالے جائیں ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

۱۲۔ کرایہ پر چلائی جانے والی چیزیں مثلاً سائیکل، رکشا، ٹیکسی، بس، ٹرک، فرنیچر اور کرا کری کا سامان وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ان سے حاصل ہونے والا منافع اگر بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ ان کی قیمتوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

۱۳۔ دکان اور مکان جن سے کرایہ وصول ہوتا ہو، ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، اور کسی مالیت کے ہوں۔

۱۴۔ پہننے کے کپڑے، کوٹ، چادر، کمبل وغیرہ، ٹوپی، جوتے، گھڑی، گھر کا سامان، بستر، پین وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں، خواہ یہ چیزیں کتنی ہی بیش قیمت ہوں۔

۱۵۔ گدھا، خچر اور گھوڑے پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ تجارت کے لیے نہ ہوں۔

۱۶۔ وقف کے جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے اور جو گھوڑے جہاد کے لیے پالے گئے ہوں، اور جو اسلحہ اور سامان جہاد اور خدمت دین کے لیے ہو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

جانوروں کی زکوٰۃ

عام میدانوں میں چرنے والے پالتو جانور، جوافزائشِ نسل اور دودھ کے لیے پالے جاتے ہیں، ان کو اصطلاح میں سائمہ کہتے ہیں ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ جو جانور سواری یا گوشت کے لیے پالے گئے ہوں، جنگلی جانور، مثلاً ہرن، پاڑہ، نیل گائے، چیتا وغیرہ کی زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر یہ جنگلی جانور تجارت کے لیے پالے ہوں تو ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہو گی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے، یعنی تجارتی سرمایہ اگر سال کے آغاز اور اختتام پر دوسو درہم یا اس سے زائد ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

جو جانور جنگلی اور پالتو جانور کے اختلاط سے پیدا ہوں ان میں زکوٰۃ واجب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اختلاط کرنے والے جانوروں میں مادہ پالتو ہو اور نر جنگلی ہو، مثلاً بکری اور نر ہرن کے اختلاط سے جو جانور پیدا ہوں گے ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جو سائمہ جانور وقف ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اسی طرح جو گھوڑے وقف ہوں یا جہاد کی غرض سے پالے گئے ہوں، ان پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

سائمہ جانور اگر زکوٰۃ کے لیے پالے گئے ہوں تو ان پر وہی زکوٰۃ واجب ہوگی جو دوسرے تجارتی اموال پر واجب ہوتی ہے۔

اگر کسی نے افزائش نسل ہی کے لیے سائمہ جانور پالے لیکن دورانِ سال تجارت کا ارادہ ہو گیا تو اس سال کی زکوٰۃ اس پر واجب نہ ہوگی بلکہ جس دن سے اس نے تجارت کا ارادہ کیا ہے اسی دن سے اس کا تجارتی سال شروع ہوگا اور سال پورا ہونے پر تجارتی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بھیڑ، بکری کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے معاملے میں بھیڑ، بکری، دنبہ سب کا ایک ہی حکم ہے، سب کا ایک ہی نصاب اور شرحِ زکوٰۃ ہے۔ اگر کسی کے پاس دنبے بھی ہیں اور بکریاں بھی اور دونوں کا نصاب پورا ہے تو دونوں کی زکوٰۃ الگ الگ دے اور اگر دونوں کے ملانے سے نصاب پورا ہے تو جس کی

تعداد زیادہ ہو زکوٰۃ میں وہی جانور دینا ہوگا اور دونوں کی تعداد برابر ہے تو اختیار ہے کہ جو جانور چاہے دے دے۔

نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:

چالیس (۴۰) بھیڑ بکریوں میں زکوٰۃ ایک بھیڑ یا بکری۔

اکتالیس (۴۱) سے ایک سو بیس (۱۲۰) تک کچھ واجب نہیں۔

جب ایک سو اکیس (۱۲۱) ہو جائیں تو دو بکریاں واجب ہیں۔

ایک سو بائیس (۱۲۲) سے دو سو تک کچھ نہیں۔

جب دو سو (۲۰۰) سے ایک زائد ہو جائے تو تین بھیڑ بکریاں واجب ہوں گی۔ پھر دو سو دو (۲۰۲) سے تین سو ننانوے (۳۹۹) تک کچھ نہیں۔

چار سو (۴۰۰) پوری ہونے پر چار بھیڑیں یا بکریاں واجب ہوں گی۔

چار سو (۴۰۰) کے بعد (۱۰۰) کی تعداد پوری ہونے پر ایک بھیڑ یا بکری کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہوگی۔ سو (۱۰۰) سے کم تعداد پر کچھ نہیں اور سو (۱۰۰) سے زائد تعداد پر بھی کچھ واجب نہیں۔

بکری اور بھیڑ کی زکوٰۃ میں ایک سال یا اس سے زائد کا بچہ دینا چاہیے۔

گائے بھینس کا نصاب اور شرحِ زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے معاملے میں گائے اور بھینس کا ایک ہی حکم ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی زکوٰۃ عائد کی، جو گائے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی۔ دونوں کا نصاب بھی ایک ہی ہے اور شرحِ زکوٰۃ بھی، کسی کے پاس دونوں قسم کے جانور ہوں تو دونوں کو ملا کر نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ البتہ زکوٰۃ میں وہی جانور دیا جائے گا، جس کی تعداد زیادہ ہو، اور اگر گائے اور بھینس دونوں کی تعداد برابر ہو تو اختیار ہے کہ چاہے زکوٰۃ میں گائے دے یا بھینس دے۔

نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:

جوشخص تیس (۳۰) گائے بھینسوں کا مالک ہوجائے اس پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔ اس سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

تیس (۳۰) گائے بھینسوں میں گائے یا بھینس کا ایک بچہ جو پورے ایک سال کا ہو، دیناہوگا۔

اکتیس (۳۱) سے انتالیس (۳۹) تک کچھ واجب نہیں۔ چالیس (۴۰) گائے بھینسوں میں ایک ایسا بچہ واجب ہے جو پورے دوسال کا ہو۔

اکتالیس (۴۱) سے انسٹھ (۵۹) تک کچھ واجب نہیں۔ ساٹھ گائے بھینسوں میں ایک ایک سال کے دو بچے واجب ہیں۔

ساٹھ سے زائد میں ہر تیس (۳۰) گائے بھینسوں پر ایک سال کا بچہ اور ہر چالیس (۴۰) گایوں پر دوسال کا بچہ دیناہوگا۔

مثلاً کسی کے پاس ستر (۷۰) گائے بھینسیں ہیں تو ستر (۷۰) میں دو نصاب ہیں۔ ایک چالیس (۴۰) کا اور دوسرا تیس (۳۰) کا، اور اگر اسّی (۸۰) گائیں ہو جائیں تو چالیس، چالیس کے دو نصاب ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا دو دوسال کے دو بچے واجب ہوں گے۔ اور اگر نوّے (۹۰) ہوجائیں تو تیس تیس کے تین نصاب ہوجائیں گے۔ جس میں ہر تیس پر ایک سالہ بچے کی شرح سے زکوٰۃ دیناہوگی۔

اونٹ کا نصاب اور شرح زکوٰۃ:

جوشخص پانچ اونٹوں کا مالک ہو وہ صاحب نصاب ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس سے کم اونٹوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نصاب اور شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل درج ذیل ہے:

پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہے اور نو (۹) اونٹوں تک ایک ہی بکری واجب ہوگی۔

دس اونٹوں پر دو بکریاں دیناہوں گی اور چودہ اونٹوں تک یہی شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں، اور اُنیس (۱۹) تک یہی زکوٰۃ واجب رہے گی۔

بیس اونٹ ہوجائیں تو چار بکریاں واجب ہوں گی اور چوبیس (۲۴) اونٹوں تک یہی

شرح زکوٰۃ رہے گی۔

پچیس (۲۵) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کا دوسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

چھبیس (۲۶) سے پینتیس (۳۵) اونٹوں تک کچھ واجب نہیں۔

چھتیس (۳۶) اونٹ ہو جائیں تو ایک ایسی اونٹنی واجب ہوگی جس کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

سینتیس (۳۷) سے پینتالیس (۴۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھیالیس (۴۶) میں ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

سینتالیس (۴۷) سے ساٹھ (۶۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اِکسٹھ (۶۱) اونٹوں میں ایک ایسی اونٹنی واجب ہے جس کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔

باسٹھ (۶۲) سے پچھتر (۷۵) تک کچھ واجب نہیں۔

چھہتّر (۷۶) ہونے پر ایسی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی، جن کا تیسرا سال شروع ہو چکا ہو۔

ستّر (۷۷) سے نوے (۹۰) تک کچھ واجب نہیں۔

اکیانوے (۹۱) اونٹ ہو جائیں تو دو ایسی اونٹنیاں واجب ہوں گی جن کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہو۔

پھر ایک سو بیس (۱۲۰) اونٹوں تک یہی دو اونٹنیاں واجب ہوں گی اس کے بعد پھر وہی حساب دوبارہ شروع ہو جائے گا۔ پانچ پر ایک بکری اور دس پر دو بکریاں۔

ادائے زکوٰۃ کے لیے ایک ضروری وضاحت:

سونا، چاندی، اور مویشی کی جو زکوٰۃ واجب ہو، وہ سونا، چاندی اور جانور کی شکل میں بھی ادا کی جاسکتی ہے اور نقدی کی شکل میں بھی۔

اسی طرح زیور کی زکوٰۃ میں بھی سونا یا چاندی دینا ضروری نہیں۔ بازار کے رائج نرخ سے اس کی قیمت کا حساب کر کے نقدی بھی دی جاسکتی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زکوٰۃ کی اہمیت وعظمت اور تاکید بیان فرمائی ہے بلکہ صراحت کے ساتھ اس کے مصارف بھی بیان فرما دیئے ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ التوبہ 60:9

یہ صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کے کام پر مامور ہوں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اور گردنوں کو چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے کے لیے ہیں، اور خدا کی راہ میں اور مسافر نوازی میں صرف کرنے کے لیے ہیں۔ ایک فریضہ خدا کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور دانا و بینا ہے۔

اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ فقرا۔ ۲۔ مساکین۔

۳۔ عاملینِ زکوٰۃ۔ ۴۔ مؤلفۃ القلوب۔

۵۔ رقاب۔ ۶۔ غارمین۔

۷۔ فی سبیل اللہ۔ ۸۔ ابن السبیل۔

زکوٰۃ کی رقم ان آٹھ مدوں ہی میں صَرف کی جاسکتی ہے۔ ان کے سوا کسی اور مد میں صرف کرنا جائز نہیں۔

حضرت زیاد بن الحارث الصدائیؓ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے بھی عنایت فرمایئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

اللہ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی، بلکہ خود ہی اس کا فیصلہ فرما دیا ہے اور اس کی آٹھ مدیں مقرر فرما دی ہیں۔ تم اگر ان مدوں میں

سے کسی مد میں آتے ہو تو میں تمھیں ضرور زکوٰۃ کی مد سے دے دوں گا۔

ان مدوں کی تفصیل یہ ہے:

فقیر:

فقیر سے مراد ہر وہ عورت اور مرد ہے جو اپنی گزر اوقات کے لیے دوسروں کی مدد اور تعاون کا محتاج ہو۔ اس میں وہ تمام نادار، محتاج، معذور داخل ہیں جو مستقل طور پر یا عارضی طور پر مالی تعاون کے مستحق ہوں۔ معذور، اپاہج، یتیم بچے، بیوائیں، ضعیف، بیروزگار اور وہ لوگ جو ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں، زکوٰۃ کی مد سے ان کی وقتی اعانت بھی جائز ہے اور ان کے مستقل وظائف بھی مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

۲۔ مسکین:

اس سے مراد شریف غربا ہیں جو بے چارے نہایت ہی خستہ حال اور درماندہ ہوں، لیکن اپنی عزتِ نفس اور شرم کی وجہ سے کسی کے آگے دستِ سوال بھی دراز نہ کرنا چاہتے ہوں۔ اپنی روزی کمانے کے لیے وہ ہاتھ پیر مارتے ہوں لیکن دوڑ دھوپ کے باوجود انھیں ضرورت بھر نہ ملتا ہو، اور لوگوں پر اپنا حال کھلنے نہ دیتے ہوں۔ حدیث میں مسکین کی تشریح یہ ہے:

اَلَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی یُّغْنِیْهِ وَلَا یُفْطِنُ لَهٗ فَیُتَصَدَّقَ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْئَالُ النَّاسَ۔

(بخاری و مسلم)

جو نہ اپنی ضرورت بھر مال پاتا ہے نہ (اپنی خودداری کی وجہ سے) پہچانا جاتا ہے کہ لوگ اس کی مالی مدد کریں اور نہ کھڑے ہو کر لوگوں سے مانگتا ہے۔

۳۔ عاملینِ زکوٰۃ:

ان سے مراد وہ لوگ ہیں، جو زکوٰۃ و عشر کی تحصیل، حفاظت، تقسیم اور اس کے حساب کتاب کے ذمہ دار ہوں وہ صاحبِ نصاب ہوں یا نہ ہوں، ہر حال میں ان کی تنخواہیں زکوٰۃ کی مد سے دی جا سکتی ہیں۔

۴۔ مؤلفۃ القلوب:

اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد میں ان کو ہموار کرنا اور مخالفت کے جوش کو ٹھنڈا کرنا پیش نظر ہو، یہ کافر بھی ہو سکتے ہیں اور وہ مسلمان بھی، جن کا اسلام ان کو اسلام اور اسلامی مملکت کے مفاد کی خدمت پر ابھارنے کے لیے کافی نہ ہو، یہ لوگ اگر صاحبِ نصاب بھی ہوں، تو ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اسلام کے آغاز میں اس طرح کے لوگوں کی تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ میں سے دیا جاتا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں اس طرح کے لوگوں کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا[1] اور اب یہ مد ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے۔ یہی مسلک امام مالک کا بھی ہے البتہ بعض دوسرے فقہا کی رائے یہ ہے کہ یہ مد اب بھی باقی ہے اور حسبِ ضرورت تالیفِ قلب کے لیے زکوٰۃ کا مال صَرف کیا جا سکتا ہے[2]۔

۱۔ اصل واقعہ یہ تھا، کہ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور انہوں نے ایک زمین آپ سے طلب کی۔ آپ نے ان کو عطیہ کا فرمان لکھ دیا۔ انھوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لیے دوسرے اعیان صحابہؓ بھی اس فرمان پر گواہیاں ثبت کر دیں۔ چنانچہ گواہیاں بھی ہو گئیں مگر جب یہ لوگ حضرت عمرؓ کے پاس گواہی لینے گئے تو انھوں نے فرمان کو پڑھ کر اسے ان کی آنکھوں کے سامنے چاک کر دیا۔ اور ان سے کہا کہ بے شک نبی اکرم ﷺ تم لوگوں کی تالیفِ قلب کے لیے تمھیں دیا کرتے تھے مگر وہ اسلام کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس پر وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس شکایت لے کر آئے اور آپ کو طعنہ دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ لیکن نہ تو حضرت ابوبکرؓ ہی نے اس پر کوئی نوٹس لیا اور نہ دوسرے صحابہؓ میں سے ہی کسی نے حضرت عمرؓ سے اختلاف کیا۔ اس سے حنفیہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ جب مسلمان کثیر التعداد ہو گئے اور ان کو یہ طاقت حاصل ہو گئی کہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہو سکیں تو وہ سبب باقی نہ رہا جس کی وجہ سے ابتداءً مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا گیا تھا۔ اس لیے باجماع صحابہؓ یہ حصہ ہمیشہ کے لیے ساقط ہو گیا۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحہ ۲۰۶)

۲۔ مولانا مودودیؒ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ قیامت تک ساقط ہو جانے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح تھا۔ اگر اسلامی حکومت تالیف قلب کے لیے مال صرف کرنے کی ضرورت نہ سمجھتی ہو۔ تو کسی نے اس پر فرض نہیں کیا ہے کہ ضرور ہی اس مد میں کچھ نہ کچھ صَرف کر لے لیکن اگر کسی وقت اس کی ضرورت محسوس ہو تو اللہ نے اس کے لیے جو گنجائش رکھی ہے اسے باقی رہنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کرام کا اجماع جس امر پر ہوا تھا۔ وہ صرف یہ تھا کہ ان کے زمانے میں جو حالات تھے ان میں تالیفِ قلب کے لیے کسی کو کچھ دینے کی وہ حضرات ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ صحابہؓ کے اجماع نے اس مد کو قیامت تک کے لیے ساقط کر دیا جو قرآن میں بعض اہم مصالح دینی کے لیے رکھی گئی تھی۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم، صفحہ ۲۰۷)

۵۔ غلام کو آزاد کرانا:

یعنی جو غلام اپنے آقا سے یہ معاہدہ کر چکا ہو کہ اگر میں تمہیں اتنی رقم ادا کروں تو تم مجھے آزاد کر دو۔ ایسے غلام کو مکاتب کہتے ہیں۔ مکاتب کو آزادی کی قیمت ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ عام غلاموں کو زکوٰۃ کی رقم سے رید کر آزاد کرنا جائز نہیں[۱]۔ اگر کسی زمانے میں غلام موجود نہ ہوں تو مد ساقط رہے گی۔

۶۔ قرض دار:

ایسے لوگ جو قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں، اور اپنی ضروریات سے بچا کر قرض ادا نہ کر پا رہے ہوں خواہ بیروزگار ہوں یا کمانے والے اور ان کے پاس اتنا نہ ہو کہ اگر اپنا قرض چکائیں تو ان کے پاس بقدرِ نصاب باقی رہے اور اس سے وہ لوگ بھی مراد ہیں جو کسی ناگہانی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں، کوئی تاوان یا غیر معمولی جرمانہ دینا پڑا یا کاروبار فیل ہو گیا یا کوئی اور حادثہ پیش آیا اور سارا اثاثہ تباہ ہو گیا۔

۷۔ فی سبیل اللہ:

اس سے مراد راہِ خدا میں جہاد ہے، جہاد کا لفظ قتال کے مقابلے میں عام ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں وہ ساری کوششیں شامل ہیں جو مجاہدین نظامِ کفر کو مٹا کر نظامِ اسلامی کو قائم کرنے کے لیے کریں، چاہے وہ قلم و زبان سے ہوں، یا تلوار سے یا ہاتھ پاؤں کی محنت اور دوڑ دھوپ سے، اس کا دائرہ نہ تو اتنا محدود ہے کہ اس سے مراد محض قتال ہو اور نہ اتنا وسیع ہے کہ اس میں رفاہِ عام کے سارے کام شامل سمجھ لیے جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ سے بالاتفاق اسلاف نے صرف وہی کوششیں مراد لی ہیں جو دینِ حق کو قائم کرنے، اس کی اشاعت و تبلیغ کرنے اور اسلامی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لیے کی جائیں۔ اس جدوجہد میں جو لوگ شریک ہوں، ان کے مصارفِ سفر، ان کی سواری، آلات و اسلحہ اور سروسامان کی فراہمی کے لیے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جا سکتی ہے۔

۱۔ یہی مسلک امام شافعیؒ کا بھی ہے۔

نیز اس سے مراد وہ زائرین حرم ہیں جو حج کے ارادے سے روانہ ہوں اور راستے میں کسی حادثے کا شکار ہو کر مالی تعاون کے محتاج ہوں اور وہ طلبہ بھی مراد ہیں اور جو دین کا علم حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، اور حاجت مند ہوں۔

۸۔ ابن السبیل، یعنی مسافر:

مسافر خواہ اپنے گھر میں خوش حال اور دولت مند ہو، لیکن حالتِ سفر میں اگر وہ مالی مدد کا محتاج ہے تو زکوٰۃ کی مد سے اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔

مصارف زکوٰۃ کے مسائل:

۱۔ ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی رقم ان سارے ہی مصارف میں تقسیم کی جائے۔ جو قرآنِ پاک میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ حسبِ ضرورت اور موقع جن جن مصارف میں جس جس قدر مناسب ہو خرچ کیا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑ جائے تو کسی ایک ہی مصرف میں ساری زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

۲۔ زکوٰۃ کے جو مصارف ہیں۔ یہی مصارف عشر اور صدقۂ فطر کے بھی ہیں۔ البتہ نفلی صدقات میں اختیار ہے۔

۳۔ بنی ہاشم کے لوگ اگر زکوٰۃ کی وصول یابی اور تقسیم وحفاظت کے کام پر مامور کیے جائیں تو ان کا معاوضہ مدِ زکوٰۃ سے دینا جائز نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اور اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کے لوگوں پر زکوٰۃ کا مال حرام کر دیا ہے۔ البتہ بنی ہاشم کے لوگ معاوضہ لیے بغیر اگر یہ خدمت انجام دینا چاہیں تو انجام دے سکتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود صدقات کی تحصیل و تقسیم کا کام ہمیشہ معاوضہ لیے بغیر ہی کیا۔

۴۔ عام حالات میں کسی بستی کی زکوٰۃ اسی بستی کے حاجت مندوں اور ناداروں پر صَرف کرنا چاہیے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ اس بستی کے لوگ محروم رہیں اور زکوٰۃ دوسرے مقامات پر بھیج دی جائے۔ ہاں اگر دوسرے مقامات پر ضرورت شدید

ہو یا دینی ہو، یا دینی مصلحت کا تقاضا ہو، مثلاً کسی مقام پر زلزلہ آ گیا، قحط پڑ گیا یا اور کوئی ناگہانی مصیبت آ گئی یا کوئی تباہ کن فساد ہو گیا یا دوسرے مقامات پر کچھ دینی ادارے ہیں جو مالی تعاون کے محتاج ہیں یا رشتہ دار رہتے ہیں تو ان صورتوں میں دوسرے مقامات پر زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے، لیکن یہ خیال رہے کہ اپنی بستی کے حاجت مند بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

وہ لوگ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں:

سات قسم کے افراد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۱۔ ماں باپ کو اوپر تک: یعنی دادا، دادی، نانا، نانی اور پھر ان کے ماں باپ کو اوپر تک۔

۲۔ اولاد کو نیچے تک: یعنی بیٹا، بیٹی، ان کی اولاد، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی اور پھر ان کی اولاد نیچے تک۔

۳۔ اپنے شوہر کو۔

۴۔ اپنی بیوی کو۔

ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینے کے معنی بالآخر یہ ہوتے ہیں کہ گویا زکوٰۃ کے مال سے اپنی ہی ذات کو نفع پہنچایا لیکن اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اپنے مال سے آدمی ان کا تعاون نہ کرے، بلکہ شریعت کی جانب سے ان کی کفالت اور مالی تعاون ہر مسلمان پر لازم ہے۔ ان چار رشتوں کے علاوہ باقی سارے رشتہ داروں کو نہ صرف یہ کہ زکوٰۃ دینا جائز ہے بلکہ بہتر ہے اور زیادہ اَجر و ثواب کا باعث ہے۔

۵۔ صاحبِ نصاب خوش حال آدمی کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ اور نہ کسی فقیر اور نادار کو اتنا دینا جائز ہے کہ وہ صاحبِ نصاب ہو جائے۔ ہاں اگر وہ مقروض ہو یا کثیر العیال ہو تو حسب ضرورت زیادہ سے زیادہ دے سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

صدقہ مال دار آدمی کے لیے جائز نہیں، سوائے ان پانچ افراد کے:

۱۔ راہِ خدا میں جہاد کرنے والا۔

۲۔ صدقہ کی تحصیل وغیرہ کا کام کرنے والا۔

۳۔ مقروض۔

۴۔ یا وہ شخص جو اپنی دولت سے صدقہ کا مال خرید لے۔

۵۔ یا وہ شخص جس کا پڑوسی مسکین ہو، پھر اس مسکین کو صدقہ ملے اور وہ مسکین اپنے دولت مند پڑوسی کو بطور ہدیہ پیش کر دے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

۶۔ غیر مسلم کو بھی زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

۷۔ بنی ہاشم کی اولاد میں تین خاندانوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

☆ حضرت عباسؓ کی اولاد کو۔

☆ حارث کی اولاد کو۔

☆ ابوطالب کی اولاد کو۔

سادات بنی فاطمہ اور ساداتِ علوی اس تیسرے خاندان میں داخل ہیں، کیونکہ وہ حضرت علیؓ کی اولاد ہیں۔

البتہ آج یہ تحقیق انتہائی دشوار ہے کہ فی الواقع کون بنی ہاشم میں سے ہے اس لیے بیت المال سے تو ہر حاجت مند کی اعانت ہونی چاہیے۔ ہاں جس کو اپنے ہاشمی ہونے کا یقین ہو تو زکوٰۃ نہ لے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صدقہ کا مال آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے کہ صدقہ لوگوں کا میل ہی ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کے متفرق مسائل

۱۔ کسی شخص پر آپ کی کچھ رقم قرض ہے، اور اس کے حالات تنگ ہیں۔ اگر آپ

اپنی زکوٰۃ میں وہ رقم اس کو معاف کر دیں تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ البتہ قرض کے بقدر اس کو زکوٰۃ میں دے دینے کے بعد وہی رقم آپ اپنے قرض میں اس سے وصول کر لیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

۲۔ گھر میں کام کاج کرنے والے نوکر چاکر، خادم، ماما، دائی، وغیرہ کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ البتہ خدمت کے معاوضے اور تنخواہ میں ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

۳۔ ناداروں کے کپڑے بنانے، سردی کے موسم میں کمبل لحاف بنوا دینے اور شادی وغیرہ کی ضروریات مہیا کر دینے میں زکوٰۃ کی رقم صَرف کی جا سکتی ہے۔

۴۔ جس خاتون نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہے اگر وہ نادار اور حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتی ہے اور وہ بچہ بھی جوان ہونے کے بعد دودھ پلانے والی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

۵۔ ایک شخص کو مستحق سمجھ کر آپ نے زکوٰۃ دی پھر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تو صاحبِ نصاب ہے، یا ہاشمی سید ہے یا تاریکی میں دی اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی ہے وہ اپنی والدہ یا اپنی لڑکی تھی، یا کوئی رشتہ دار ایسا تھا جس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، تو ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگی، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ لینے والے کو معلوم ہو کہ میں مستحق نہیں ہوں تو نہ لے اور اگر بعد میں معلوم ہو تو واپس کر دے۔

۶۔ آپ نے کسی کو حاجت مند سمجھ کر زکوٰۃ دے دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غیر مسلم شخص تھا، تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔

۷۔ نوٹ، سکے، اموالِ تجارت، جو چیز بھی سونے یا چاندی کے نصاب کے بقدر ہو جائے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ مثلاً کسی کے پاس کچھ نوٹ ہیں اور کچھ مختلف سکے ہیں اور سب ملا کر اتنی رقم کا مالِ تجارت ہے تو اگرچہ سونے کا نصاب تو پورا نہیں ہوتا لیکن چاندی کا نصاب پورا ہو جاتا ہے، تو یہ شخص صاحبِ نصاب ہوگا اور اس پر

زکوٰۃ واجب ہوگی اس لیے کہ اس کی رقم ساڑھے چھتیس تولے چاندی کی قیمت سے زیادہ ہے۔

۸۔ کسی شخص کو عطیے میں یا انعام میں کوئی مال ملا اگر وہ بقدرِ نصاب ہے تو سال گزرنے پر اس سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔

۹۔ بینکوں میں رکھی ہوئی امانتوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔

۱۰۔ ایک شخص سال بھر مختلف طریقوں سے صدقہ وخیرات کرتا رہا، لیکن اس نے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تھی۔ سال گزرنے پر وہ اس خیرات کیے ہوئے مال کو زکوٰۃ میں محسوب نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ زکوٰۃ کی نیت کرنا شرط ہے۔

۱۱۔ زکوٰۃ کی رقم منی آرڈر کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہے[1] اور زکوٰۃ کی مد سے ہی منی آرڈر کی فیس ادا کرنا بھی جائز ہے۔

---

[1] فتاویٰ دیوبند، جلد سوم۔

عشر کا بیان

عشر کے معنی:

عشر کے لغوی معنی ہیں، دسواں حصہ لیکن اصطلاح میں عشر سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے جو بعض زمینوں میں پیداوار کا دسواں حصہ ہوتی ہے اور بعض زمینوں میں پیداوار کا بیسواں حصہ۔

عشر کا شرعی حکم:

قرآنِ پاک کا حکم ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ البقرہ2:267

ایمان والو! راہِ خدا میں بہتر حصہ خرچ کرو۔ اپنی کمائی میں سے اور اس میں جو تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ الانعام6:141

اور اللہ کا حق ادا کرو، جس دن تم اس کی فصل کاٹو۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ یعنی عشر ہے۔

قرآنِ پاک کی ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار میں عُشر فرض ہے اور حدیثِ رسول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

جو زمین بارش یا چشمے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے یا خود بخود (دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے) سیراب ہو اس میں عشر واجب ہے اور جو کنویں (وغیرہ) سے پانی کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو اس میں نصف عشر واجب ہے۔

عشر کی شرح:

جس کھیت یا باغ کو بارش کا پانی، چشمے، دریا، ندی اور قدرتی نالوں کا پانی سیراب کرتا

ہو یا دریا کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے قدرتی طور پر نم اور سیراب رہتی ہو، اس میں پیداوار کا دسواں حصہ عشر میں نکالنا واجب ہے اور جو کھیت یا باغ آبپاشی کے مصنوعی ذرائع مثلاً ٹیوب ویل، رہٹ وغیرہ سے سیراب کیے جاتے ہیں ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ یعنی نصف عشر نکالنا واجب ہوتا ہے۔

عُشر خدا کا حق ہے اور یہ کل پیداوار کا واقعی دسواں حصہ ہے، یا بیسواں حصہ ہوتا ہے۔ لہٰذا غلّہ یا پھل جب قابل استعمال ہو جائیں تو پہلے عشر نکال لیا جائے پھر وہ غلّہ یا پھل استعمال کیے جائیں۔ عشر نکالے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ورنہ واقعی دسواں یا بیسواں حصہ خدا کی راہ میں نہ جائے گا۔

کن چیزوں میں عشر واجب ہے:

زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے رکھی جا سکتی ہے۔ مثلاً غلّہ، سرسوں، تلی، مونگ پھلی، گنّا، کھجور، خشک میوے وغیرہ اور اس پیداوار میں بھی جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھی جا سکتی، مثلاً سبزی، ترکاری، ککڑی، کھیرا، گاجر، مولی، شلجم، تربوز، خربوزہ، لیمو، سنگترہ، مالٹا، آم، جامن وغیرہ[1]۔

شہد پر بھی عشر واجب ہے، علماءِ اہل حدیث بھی شہد میں عشر کے قائل ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِدُّوا الْعُشْرَ فِی الْعَسَلِ۔ (بیہقی)

شہد میں عشر ادا کرو۔

نیز شہد کی شرح واضح کرتے ہوئے فرمایا:

فِیْ کُلِّ عَشَرَۃِ اٰزْقَاقٍ زِقٌّ۔ (جامع ترمذی)

ہر دس مشک شہد میں ایک مشک عشر واجب ہے۔

---

[1] بعض فقہا کے نزدیک سبزی، ترکاری، پھول، پھل وغیرہ جو ذخیرہ کر کے نہیں رکھے جاتے ان پر عشر واجب نہیں۔ البتہ کاشتکار اگر انھیں مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے تو اس پر تجارتی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہو یعنی کاروبار کا تجارتی سرمایہ سال کے آغاز اور اختتام پر دو سو درہم یا اس سے زائد ہو۔

اور حضرت ابوسیادہؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے پاس شہد کی مکھیاں (پلی ہوئی) ہیں تو آپؐ نے حکم دیا کہ پھر اس کا عُشر ادا کرو[1]۔

انہی روایات کی بنا پر حنفیہ اہل حدیث، احمد بن حنبل، عمر بن عبدالعزیز وغیرہ شہد کو محلّل عشر مانتے ہیں اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی اس کے حق میں ہے۔ صحابہؓ میں سے ابن عمرؓ، اور ابن عباسؓ بھی اسی کے قائل تھے۔

عشر کے مسائل

۱۔ عشر کل پیداوار کا وصول کیا جائے گا اور عشر ادا کرنے کے بعد باقی پیداوار سے ہل بیل اور سنچائی، نگرانی وغیرہ کے مصارف ادا کیے جائیں گے۔ مثلاً کسی کھیت میں بیس کوئنٹل غلّہ پیدا ہوا ہے۔ تو پہلے دو کوئنٹل غلّہ عشر میں ادا کیا جائے۔ پھر باقی ماندہ اٹھارہ کوئنٹل غلّہ سے کھیتی باڑی کے دوسرے مصارف ادا کیے جائیں گے۔

۲۔ پیداوار جس وقت سے قابلِ استعمال ہو جائے، اسی وقت اس پر عشر واجب ہو جاتا ہے، مثلاً چنا، مکئی اور آم وغیرہ پکنے سے پہلے ہی استعمال ہونے لگتے ہیں۔ لہٰذا اسی وقت جتنی پیداوار ہے اس کا عشر نکالنا چاہیے عشر نکالنے سے پہلے اس کو استعمال میں لانا درست نہیں۔

۳۔ اگر کوئی شخص اپنی کھیتی یا باغ، جس میں پھل آ چکے ہیں۔ فروخت کر ڈالے تو پکنے سے پہلے فروخت کرنے کی صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا اور اگر پکنے کے بعد فروخت کیا ہے تو عشر بیچنے والے کے ذمے ہوگا۔

۴۔ زمین میں جو شخص کاشت کر رہا ہے عُشر اسی پر واجب ہوگا خواہ وہ کرایہ پر زمین

---

[1] امام مالک اور حضرت سفیانؒ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے، امام شافعیؒ کا مشہور قول بھی یہی ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں، شہد کی زکوٰۃ کے معاملے میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

بیہقی میں ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے شہد کا عشر لایا اور درخواست کی کہ سبلہ جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیجیے آپؐ نے اس جنگل کی حفاظت کا انتظام فرما دیا۔ پھر جب حضرت عمرؓ کا دورِ خلافت آیا تو سفیان بن وہب نے حضرت عمرؓ سے اس بارے میں تحقیق چاہی۔ آپ نے لکھ بھیجا کہ جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے۔ تمھیں بھی دیں تو لے لو اور سبلہ جنگل کی حفاظت کا بندوبست کر دو۔ ورنہ وہ تو مکھی (سے پیدا ہونے والی چیز) آسمانی بارش کی مانند ہے جو چاہے اسے استعمال کرے۔

مولانا مودودیؒ کی رائے یہ ہے کہ شہد کی پیداوار پر تو زکوٰۃ نہ ہوگی۔ البتہ اس کی تجارت پر وہی زکوٰۃ عائد ہوگی جو دوسرے اموال تجارت پر عائد ہوتی ہے۔

لے کر کاشت کر رہا ہو یا عاریتاً زمین لے کر کاشت کر رہا ہو۔

۵۔ اگر دو افراد شرکت میں کھیتی باڑی کر رہے ہوں تو عُشر دونوں شرکا پر ہوگا۔ خواہ بیج ایک ہی شریک کا ہو۔

۶۔ عُشر فرض ہونے کے لیے کسی نصاب کی شرط نہیں ہے[1]۔ پیداوار تھوڑی ہو یا کم عشر بہر حال فرض ہوگا۔ البتہ ایک صاع یعنی دو ڈھائی کلو سے کم پیداوار قابل لحاظ نہیں ہے۔

۷۔ عشر میں سال گزرنے کی قید نہیں ہے بلکہ جن زمینوں میں سے سال کے اندر دوبارہ کاشت کی جاتی ہے ان میں ہر فصل پر عشر واجب ہے۔

۸۔ نابالغ بچے اور کم عقل دیوانے کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

۹۔ وقف کی زمین اگر کوئی کاشت کرے تو اس کاشتکار پر بھی عشر واجب ہے۔

۱۰۔ جو زمین بارانی ہو اس میں اگر مصنوعی ذرائع سے بھی آبپاشی کی جائے تو عشر نکالنے میں اس کا لحاظ ہوگا کہ وہ زمین قدرتی ذرائع سے زیادہ سیراب ہوئی ہے یا مصنوعی ذرائع سے۔

۱۱۔ عشر ادا کرنے میں یہ اختیار ہے کہ چاہے وہی پیداوار عشر میں ادا کرے یا اس کی قیمت ادا کرے۔

۱۲۔ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں ان کو عشری سمجھنا چاہیے اور مسلمانوں کو عشر ادا کرنا چاہیے[2]۔

۱۳۔ عشری زمین کی مال گزاری دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا[3]۔

۱۴۔ عشر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

[1] یہ امام اعظم کا مسلک ہے۔ صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہوتا۔ اہل حدیث کے نزدیک بھی پانچ وسق سے کم میں عشر فرض نہیں ہے۔ اور عشر کی فرضیت کے لیے یہی ایک شرط ہے کہ پیداوار کم از کم پانچ وسق ہو۔ ان کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے:

لَيْسَ فِيمَا دُوْنَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ۔ (بخاری)

پانچ وسق سے کم پیداوار میں صدقہ (عشر) واجب نہیں۔

[2] ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیونکہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم، جلد سوم، صفحہ ۱۸)۔

[3] فتاویٰ دار العلوم سوم، صفحہ ۱۸۔

رَکاز کے مسائل

رکاز سے مراد دفینہ اور معدنیات ہیں۔ زمین میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ان کو رکاز کہتے ہیں۔

۱۔ برآمد شدہ دفینے میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے۔ حدیث میں ہے۔ فِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ یعنی دفینے میں پانچواں حصہ واجب ہے۔

۲۔ کانوں میں سے نکلنے والی چیزیں خواہ وہ دھاتیں ہوں، جیسے لوہا، چاندی، سونا، رانگا وغیرہ یا جامد چیزیں ہوں جیسے گندھک وغیرہ ان میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے اور چار حصے کان والے کے۔

۳۔ زمین سے نکلنے والی ان چیزوں میں بیت المال کا کوئی حصہ نہیں جو آگ میں ڈالنے سے نرم نہ ہوتی ہوں، جیسے جواہرات وغیرہ، اور رقیق چیزوں میں بھی بیت المال کا کچھ واجب نہیں جیسے تیل اور پٹرول وغیرہ[1]۔

---

[1] امام احمد بن حنبل کا مسلک یہ ہے کہ معدنیات خواہ وہ دھاتیں ہوں یا جوامد (گندھک وغیرہ) یا مائعات (پٹرول، پارہ، وغیرہ) سب پر ڈھائی فیصد زکوۃ واجب ہوگی اگر ان کی قیمت بقدر نصاب ہو، اور یہ پرائیویٹ ملکیت میں ہوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں اس مسلک پر بھی عمل تھا۔ (المغنی جلد دوم، صفحہ ۵۸)

صدقۂ فطر کا بیان

صدقۂ فطر کے معنی:

فطر کے لغوی معنی ہیں روزہ کھولنا، اور صدقۂ فطر کے معنی ہیں، روزہ کھولنے کا صدقہ۔ اصطلاح میں صدقہ فطر سے مراد وہ واجب صدقہ ہے جو رمضان ختم ہونے پر اور روزہ کھلنے پر دیا جاتا ہے۔

جس سال مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم بھی دیا۔

صدقۂ فطر کی حکمت اور فوائد:

رمضان المبارک میں روزے رکھنے والے اپنی حد تک یہ کوشش کرتے ہیں کہ رمضان کا احترام کریں اور ان حدود اور آداب و شرائط کا پورا پورا لحاظ رکھیں، جن کے اہتمام کی شریعت نے تاکید کی ہے۔ تاہم انسان سے بہت سی شعوری اور غیر شعوری کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ صدقۂ فطر کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ آدمی خدا کی راہ میں دل کی آمادگی سے اپنی کمائی خرچ کرے تاکہ ان کوتاہیوں کی تلافی ہو سکے اور خدا کے حضور روزہ شرفِ قبول پا سکے۔ اس کے علاوہ عید کے موقع پر صدقۂ فطر دینے کی ایک حکمت اور مصلحت یہ بھی ہے کہ سوسائٹی کے نادار اور غریب افراد بھی اطمینان اور کشادگی کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کی ضرورتیں پوری کر سکیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہو سکیں، تاکہ عیدگاہ کا اجتماع بھی عظیم الشان ہو اور راستوں میں مسلمانوں کی کثرت سے اسلام کی شان و شوکت کا بھی اظہار ہو سکے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقۂ فطر اس لیے مقرر فرمایا ہے کہ وہ روزے داروں کو بے ہودہ کاموں اور بے شرمی کی لغزشوں سے پاک کر دے اور نادار حاجت مندوں کے کھانے

پینے کا نظم ہو جائے۔ پس جو شخص عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دے گا تو وہ صدقہ شرفِ قبول پائے گا اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ وخیرات کی طرح ایک صدقہ ہوگا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

عید کا دن، خوشی کا دن ہے، اور اس دن اسلام کی شان وشوکت کا اظہار مسلمانوں کی کثرت اور عظیم اجتماعیت کے ذریعے کیا جاتا ہے اور صدقۂ فطر سے اس مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ صدقۂ فطر روزے کی تکمیل کا بھی سبب ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

صدقۂ فطر کا بیان:

صدقۂ فطر ہر ایسے خوشحال مسلمان مرد اور عورت پر بالغ، نابالغ پر واجب[1] ہے جس کے پاس اس کی اصلی ضرورتوں سے زیادہ اتنی قیمت کا مال ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے، خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو یا نہیں[2]۔ مثلاً کسی کے پاس اپنی رہائش گاہ کے علاوہ بھی مکان ہے جو خالی پڑا ہے یا کرایہ پر اٹھا ہوا ہے۔ اگر اس مکان کی قیمت نصاب کے بقدر ہو تو اس مالک پر صدقۂ فطر واجب ہے اگرچہ اس مکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ ہاں اگر اسی مکان کے کرائے پر اس کا گزارہ ہے تو پھر یہ مکان اصلی ضرورت میں شمار ہوگا اور اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا۔ یا کسی کے گھر میں استعمال ہونے والے سامان کے علاوہ کچھ سامان ہے، مثلاً تانبے کے برتن، یا قیمتی فرنیچر وغیرہ جس کی مالیت نصاب کے بقدر یا اس سے زائد ہے تو صدقۂ فطر واجب ہو جائے گا۔ اگرچہ اس مال پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱۔ اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر زکوٰۃ کی طرح فرض ہے اور ہر امیر، غریب، مرد، عورت، آزاد، غلام اور چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکے کے گلی کوچوں میں اپنا آدمی بھیج کر یہ اعلان کرایا تھا:

''آگاہ رہو، صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد، عورت، آزاد، غلام، اور چھوٹے بڑے پر واجب ہے۔'' (ترمذی)

نیز ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقۂ فطر فرض فرمایا ہے۔ ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جَو، ہر غلام، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے، بڑے مسلمان پر اور یہ حکم فرمایا ہے کہ عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کریں۔ (بخاری)

۲۔ اہل حدیث کے نزدیک صدقۂ فطر کے لیے نصاب کے بقدر مال ہونا ضروری نہیں۔ جس شخص کے پاس بھی ایک روز کی خوراک سے زائد غلہ اور کھانے کا سامان ہو اس پر صدقۂ فطر فرض ہے۔ (اسلامی تعلیم پنجم، صفحہ ۱۵۳)

آگاہ رہو! صدقہ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا۔ (ترمذی شریف)

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے اوپر بیان کیے ہوئے نصاب کے علاوہ کوئی شرط نہیں ہے۔ نہ آزادی شرط ہے نہ بلوغ اور نہ ہوش وخرد۔ غلام پر بھی واجب ہے لیکن اس کا آقا ادا کرے گا۔ نابالغ اور دیوانے پر بھی واجب ہے لیکن اس کا باپ اور ولی ادا کرے گا۔

صدقہ فطر واجب ہونے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مال پر سال گزر جائے بلکہ طلوع فجر سے چند لمحہ پہلے بھی اگر کسی کو خدا مال ودولت سے نواز دے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہو جائے گا۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت:

صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت عید کے دن طلوع فجر ہے[1]۔ لہٰذا جو شخص طلوعِ فجر سے پہلے فوت ہو جائے یا دولت سے محروم ہو کر نادار ہو جائے تو اس پر واجب نہ ہوگا اور اس بچے پر بھی واجب نہ ہوگا جو طلوعِ فجر کے بعد پیدا ہو۔ ہاں جو بچہ طلوعِ فجر سے پہلے عید کی شب میں پیدا ہو، اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ اسی طرح جو شخص طلوعِ فجر سے پہلے اسلام کی سعادت پالے یا دولت مند ہو جائے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

صدقۂ فطر اَدا کرنے کا وقت:

صدقۂ فطر واجب ہونے کا وقت تو عید کے دن طلوعِ فجر ہے لیکن اس کے وجوب کی حکمت اور مقصد کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عید سے چند یوم پہلے ہی ضرورت مندوں کو پہنچا دیا جائے تاکہ غریب اور نادار لوگ بھی اپنے کھانے پینے اور پہننے کی ضرورت کا سامان اطمینان کے ساتھ فراہم کر کے سب کے ساتھ عیدگاہ جا سکیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ کرامؓ عیدالفطر سے ایک دو دن پہلے ہی صدقہ فطر اَدا کر دیا کرتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے دو چار یوم

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک صدقہ فطر واجب ہونے کا وقت رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر عید کی نماز کے پہلے تک رہتا ہے اس کو فطر کا صدقہ کہتے ہیں۔ لہٰذا رمضان کا آخری روزہ افطار کرنے کے بعد سے ہی یہ واجب ہونا چاہیے اگرچہ اس کی ادائیگی پہلے بھی درست ہے۔

پہلے ادا نہ کر سکے تو عید کی نماز سے پہلے تو بہر حال ادا کر دینا چاہیے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

فَمَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ۔

جس شخص نے صدقۂ فطر نماز سے پہلے ادا کر دیا تو وہ خدا کے حضور مقبول صدقہ ہے اور جو شخص نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقہ وخیرات کی طرح ایک صدقہ ہے۔

عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا مستحب ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی وجہ سے یا کاہلی کی بنا پر عید سے پہلے ادا نہ کر سکے تو وہ عید کے فوراً بعد ادا کر دے یہ نہ سمجھے کہ اب معاف ہو گیا ہے۔

کس کس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے:

۱۔ خوش حال مرد پر اپنے علاوہ نابالغ اولاد کی طرف سے بھی واجب ہے اگر نابالغ اولاد دولت مند ہے تو اس کے مال میں سے ادا کرے ورنہ اپنے پاس سے ادا کرے۔

۲۔ بالغ اولاد کی طرف سے اس صورت میں واجب ہے جب وہ نادار اور غریب ہو۔ مال دار ہونے کی صورت میں واجب نہیں۔

۳۔ جو اولاد ہوش وخرد سے محروم ہو، اس کے پاس مال ہو یا نہ ہو ہر صورت میں اس کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے خواہ وہ بالغ ہو۔

۴۔ ان خادموں کی طرف سے بھی واجب ہے جو اس کی سرپرستی میں رہتے ہوں اور جن کے کھانے کپڑے کا یہ کفیل ہو۔

۵۔ بیوی کی طرف سے واجب تو نہیں ہے، لیکن اگر بطور احسان ادا کر دیا جائے تو جائز ہے، بیوی کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔

۶۔ باپ اگر فوت ہو جائے تو دادا کے لیے وہی سارے احکام ہیں جو باپ کے لیے بیان ہوئے۔

۷۔ خاتون اگر خوشحال ہو تو اس پر صرف اپنی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔ اپنے علاوہ کسی طرف سے واجب نہیں۔ نہ اولاد کی طرف سے، نہ ماں کی

طرف سے، نہ باپ کی طرف سے اور نہ شوہر کی طرف سے۔

صدقۂ فطر کی مقدار:

صدقۂ فطر کی مقدار اسّی (۸۰) روپے والے سیر کے حساب سے ایک سیر تین چھٹانک گیہوں یا گیہوں کا آٹا ہے اور یہ وزن ایک کلو ایک سو دس گرام (۱۱۰۔۱) بنتا ہے[1]۔ اور اگر جَو یا جَو کا آٹا یا چھوہارے[2] یا منقّٰی دینا ہو تو گیہوں کے وزن سے دوگنا یعنی دو سیر چھ چھٹانک دینا ہوگا۔

صدقۂ فطر کے متفرق مسائل

۱۔ جس شخص نے کسی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں صدقۂ فطر اس پر بھی واجب ہے، صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔

۲۔ صدقۂ فطر میں غلّہ بھی دے سکتے ہیں اور غلے کی قیمت بھی۔ مناسب یہ ہے کہ غلہ یا قیمت دینے میں فقرا اور مساکین کا فائدہ پیش نظر رہے۔

۳۔ اگر گیہوں یا جَو کے علاوہ کوئی دوسرا غلّہ جوار یا باجرہ، چنا، مکئی وغیرہ دینے کا پروگرام ہو تو گیہوں یا جَو کی قیمت کے بقدر ہونا چاہیے۔

۴۔ ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو دینا بھی جائز ہے اور چند فقیروں کو دینا بھی جائز ہے۔ اسی طرح چند افراد کا صدقۂ فطر ایک فقیر کو بھی دینا درست ہے اور چند فقیروں کو بھی۔

۵۔ اگر کسی کے پاس کچھ گیہوں ہوں اور کچھ جو تو وہ حساب لگا کر صدقۂ فطر کی مقدار پوری کر کے ادا کرے۔

۶۔ اگر ضرورت ہو تو صدقۂ فطر کی رقم دوسرے مقامات پر بھیجی جا سکتی ہے، لیکن کسی شدید اور معقول ضرورت کے بغیر ایسا نہ کرنا چاہیے۔

۷۔ صدقۂ فطر کے مصارف بھی وہی ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

[1] علم الفقہ، جلد چہارم، صفحہ ۵۲۔ لیکن مولانا اشرف علی صاحبؒ کے نزدیک ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہے، بلکہ احتیاطاً دو سیر یا اور زائد دینا بہتر ہے۔ (بہشتی زیور تیسرا حصہ، صفحہ ۳۴)

[2] دورِ نبوت میں غالباً جو اور چھوہارے یا منقّٰی کی قیمت تقریباً برابر تھی۔

باب دوم

کتابُ الصّوم

روزے کا بیان

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے، قرآنِ پاک میں نہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزے رکھو بلکہ اس کے آداب واحکام بھی بیان کیے گئے ہیں اور رمضان کی عظمت وبرکت کے وجوہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے ہم اس مہینے کے فضائل وبرکات بیان کرتے ہیں جس کے روزے شریعت نے مسلمانوں پر فرض کیے ہیں۔

رمضان المبارک کے فضائل

رمضان کی عظمت وفضیلت قرآن میں:

قرآن پاک میں رمضان کی عظمت وفضیلت کے تین وجوہ بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ نزولِ قرآن، یعنی اسی مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

۲۔ لیلۃ القدر، یعنی اسی مہینے میں ایک رات ایسی مبارک ہے کہ وہ خیر میں ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

۳۔ فرضیتِ صوم، یعنی اسی مہینے میں روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے ہیں۔

انھی فضائل کی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو شھر اللہ (اللہ کا مہینہ) کہہ کر خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کا شرف بخشا ہے، اور اس کو تمام مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔ ذیل میں ان وجوہ کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فضیلتِ رمضان کے وجوہ:

۱۔ نزولِ قرآن: قرآن پاک کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ البقرہ185:2

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں القرآن نازل کیا گیا ہے۔ جو سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے، جو راہِ حق دکھانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے۔

رمضان کی عظمت وفضیلت کے لیے صرف یہ بات کیا کم ہے کہ اس میں خدا نے ہدایت کی آخری کتاب نازل فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اگر سرچشمۂ ہدایت سے محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانۂ ہستی سورج کی تابناکی اور چاند تاروں کی دل آویز روشنی کے باوجود تیرہ وتار رہوتا، اور ساری صناعی اور حسن و جمال کے باوجود کائنات نہ صرف بے رونق بلکہ نامکمل اور بے مقصد ہوتی، اور کفر والحاد اور شرک ومعصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے زیادہ بدتر ہوتے۔ قرآن پاک اس سرزمین پر ہدایت اور روشنی کا ایک ہی سرچشمہ ہے۔ جو اس سے محروم ہے وہ یقیناً ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

۲۔ لیلۃ القدر: قرآنِ پاک میں صراحت ہے کہ قرآن رمضان میں نازل کیا گیا اور یہ کہ لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَیْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ القدر 97:5-1

ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر ایک کام کے انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ سلامتی ہی سلامتی! یہاں تک کہ صبح ہوجائے۔

اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ لیلۃ القدر رمضان ہی کی کوئی رات ہے، اور حدیث میں وضاحت ہے:

اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ (عن سلمان فارسیؓ، مشکوٰۃ)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (بخاری)

۳۔ فرضیتِ صوم: خدا نے روزے جیسی اہم عبادت کے لیے اس مہینے کو مقرر فرمایا اور اس پورے مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے۔ قرآن میں ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط البقرہ 185:2

پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔

رمضان کی عظمت وفضیلت حدیث میں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کی عظمت و برکت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ! اور اے برائی اور بدعملی کے شایق رُک! اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے، اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی، ابن ماجہ)

اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے۔ (علم الفقہ، جلد ۳، بحوالہ مرقاۃ المفاتیح)

اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتشِ جہنم سے رہائی اور نجات ہے۔ (مشکوٰۃ)

اس مہینے میں جو شخص خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اپنی خوشی سے کوئی نفل کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر وثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ (مشکوٰۃ)

رمضان کی عظمت واہمیت تاریخ میں:

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کُن جنگ (غزوۂ بدر) اسی مہینے میں

ہوئی اور حق کو باطل سے ممتاز کر دینے والا مبارک دن جس کو قرآن نے ''یوم الفرقان'' کہا ہے رمضان ہی کا ایک مبارک دن تھا۔ اسی دن حق کو پہلی فتح حاصل ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا۔ پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کر کے غور کیجیے۔

''حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی۔''

''اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں حاصل ہوا۔''

''اور اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں نصیب ہوا۔''

رمضان کا مہینہ ہر سال انھی حقیقتوں کی یاد دہانی کے لیے آتا ہے۔ شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کیے اور قیام لیل اور تلاوتِ قرآن کا نظم فرمایا تا کہ مومنین میں روحِ جہاد مردہ نہ ہونے پائے اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ شعور کے ساتھ ذہنوں میں تازہ کر سکیں۔ قرآن کا نزول اور اس کی تلاوت اور روزے کی مجاہدانہ تربیت اسی لیے ہے کہ فرزندانِ اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے ہی کے لیے زندہ ہیں اور کسی وقت بھی اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

روزے کے معنی

روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا اور اس کو ترک کر دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد یہ ہے کہ آدمی صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔

روزے کی فرضیت کا حکم:

ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد اٹھارہویں مہینے میں رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کیے گئے اور حکم دیا گیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ البقرہ 183:2

اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا۔

روزہ فرض عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر کے بغیر نہ رکھے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

روزے کی اہمیت:

قرآنِ حکیم کی شہادت ہے کہ روزہ تمام آسمانی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر امت کے نظامِ عبادت میں اس کو ایک لازمی جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے:

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ البقرہ 183:2

جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

یہ آیت محض ایک تاریخی واقعہ بیان کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ اس اہم حقیقت کو واضح کرنے کے لیے ہے کہ روزے کو نفس انسانی کی تربیت سے خصوصی تعلق ہے اور تزکیۂ قلوب میں اس کو ایک فطری دخل ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تربیت و تزکیہ کا کورس اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی، یہی وجہ ہے کہ یہ تمام انبیا کی سابقہ شریعتوں میں فرض رہا ہے۔

اس کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

جو شخص کسی عذر (شرعی) اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

یعنی رمضان کے روزے کی خیر و برکت اور فضیلت و اہمیت یہ ہے کہ اگر کوئی غافل دانستہ رمضان کا کوئی روزہ ترک کر دے تو اس محرومی اور خسران کی تلافی عمر بھر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی قانونی قضا ہو سکتی ہے۔

روزے کا مقصد:

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ البقرہ 183:2

تا کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

تقویٰ دراصل اس ''اخلاقی جوہر'' کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت وکرم اور فضل واحسان کے گہرے احساس سے جذبۂ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفت قہر وغضب اور عذاب وعتاب کے شعوری تصور سے جذبۂ اخوت ابھرتا ہے اور محبت وخوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے جو تمام اعمالِ خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمالِ بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔

روزہ خدا کی ذات پر پختہ یقین اور اس کی دوگنا صفات، رحمت وکرم اور قہر وغضب کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ دن بھر مسلسل کئی گھنٹے اپنی انتہائی بنیادی اور ضروری خواہشات سے رکا رہنا آدمی پر یہ اثر چھوڑتا ہے کہ وہ انتہائی عاجز ودرماندہ اور واقعی مجبور ومحتاج ہے۔ وہ زندگی کی ایک ایک سانس کے لیے خدا کے فضل وکرم کا حاجت مند ہے اور پھر وہ زندگی کو خدا کی نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر جذباتِ محبت سے سرشار ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی انتہائی پُرزور اور ہیجانی خواہشات سے تنہائی کے ان گوشوں میں بھی رُکا رہتا ہے، جہاں اس پر خدا کے سوا کسی کی نظر نہیں پڑتی تو اس سے خدا کے خوف اور ہیبت کا احساس گہرے سے گہرا ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کے دل پر خدا کی عظمت وجبروت کا سایہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ پھر گناہ کے تصور سے بھی کانپنے لگتا ہے۔

حقیقی روزہ:

لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب روزہ پورے احساس وشعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب وروح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بری خواہش کو رَوند ڈالے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے ہاتھ

اوراپنے سارے اعضائے جسم کوخدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے۔ (کشف المحجوب)

اورآپؐ نے ارشادفرمایا:

جوشخص روزہ رکھ کربھی جھوٹ بولنےاورجھوٹ پرعمل کرنے سے بازنہ رہاتوخداکواس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ (صحیح بخاری)

اورآپؐ نے متنبہ فرمایا:

کتنے ہی روزے دارایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا۔

روزے کی فضیلت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشادہے:

آدمی کے ہرعملِ خیر کااجردس گُنا سے سات سوگُنا تک بڑھایا جاتا ہے۔مگرخدا کا ارشادہے کہ روزے کامعاملہ اورہے، وہ تو خالص میرے لیے ہےاورمیں خودہی اس کااجر دوں گا۔ بندہ میری ہی خاطراپنی خواہشات اوراپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے۔روزے دار کے لیے دومسرتیں ہیں:

ایک افطار کے وقت (جب وہ اس جذبے سے سرشارہوکرخداکی نعمتوں سے لذت اندوزہوتاہے کہ خدانے اس کوایک فریضہ پوراکرنے کی توفیق بخشی)۔

دوسری مسرت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت (جب وہ خدا کے حضور باریابی پائے گااوراس کے دیدارسے اپنی آنکھوں کوروشن کرے گا۔)

اورروزے دار کے منہ کی بوخداکے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اورروزہ (گناہوں سے بچنے کی) ڈھال ہےاورجب تم میں سے کسی کاروزہ ہوتو وہ بے حیائی کی باتوں اورشوروہنگامے سے دوررہےاوراگرکوئی گالی گلوچ کرنے لگے یالڑنے جھگڑنے پراترآئےتواس کوسوچنا چاہیے کہ میں روزہ دارہوں۔(بھلامیرے لیےلڑنے جھگڑنے کی کیاگنجائش؟)۔ (بخاری،مسلم)

نیز ارشاد فرمایا:

جس شخص نے ایمانی شعور اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے وہ سارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

ایمانی شعور کے ساتھ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود پر یقین ہو، اس کے وعدوں پر یقین ہو اور یہ یقین ہو کہ عمل کا اجر لازماً آخرت میں ملے گا اور خدا ہی اپنے علم وحکمت اور عدل وکرم کی بنیاد پر اجر دے گا۔

یہاں احتساب کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی رضا اور اجر آخرت ہی کے لیے روزہ رکھا جائے۔ نیز ان تمام چیزوں سے روزے کی حفاظت کی جائے جو خدا کو ناپسندیدہ ہیں اور جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

رویتِ ہلال کے احکام

۱۔ شعبان کی انتیس تاریخ کو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کرنا مسلمانوں پر واجب کفایہ[1] ہے۔ جنتری یا نجوم وغیرہ سے چاند کا حساب لگا کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھنے سے بے نیاز ہو جانا ہرگز جائز نہیں۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ خود اس فن کے ماہر ہوں اور وہ نیک اور پرہیز گار بھی ہوں ان کو خود بھی اپنے حساب پر عمل کرنا جائز نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: چاند دیکھ کر روزے رکھو، اور چاند دیکھ کر روزے ختم کرو اور اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے ۳۰ دن کی گنتی پوری کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۲۔ چاند کی رویت کو کسی تجربے کی بنیاد پر ماننا اور روزہ رکھنا جائز نہیں مثلاً عوام میں مشہور ہے کہ ''جس دن رجب کی چوتھی ہے اسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور بارہا اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔''

شریعت میں چاند کے ثبوت کے لیے اس طرح کے تجربوں کا کوئی اعتبار نہیں۔

۳۔ رجب کی انتیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی کوشش اور اہتمام کرنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ رمضان کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کے لیے شعبان کی تاریخوں کا معلوم رکھنا ضروری ہے[2]۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہِ شعبان کے ایام اور اس کی تاریخیں جس فکر و اہتمام سے یاد رکھتے تھے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں اس اہتمام سے یاد نہ رکھتے تھے۔ پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے اور اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے رمضان کا روزہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

---

[1] یعنی بحیثیت اجتماعی مسلمانوں پر واجب ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا اہتمام کریں اور اس کے لیے مناسب انتظام کریں اور اگر پورے معاشرے نے اس کی اہمیت محسوس نہ کی اور غفلت برتی تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

[2] مثلاً رجب کی انتیسویں تاریخ کو چاند نکل آیا لیکن لوگوں نے اس کے دیکھنے کا کوئی اہتمام نہ کیا اور یکم شعبان کو ۳۰ رجب سمجھ کر حساب لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ ۳۰ شعبان ہو گئی۔ لیکن گرد و غبار یا بادل وغیرہ کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا اور چونکہ ۲۹ تاریخ شعبان کی سمجھی جا رہی تھی اس لیے یکم رمضان کو لوگ ۳۰ شعبان سمجھتے رہے، اور رمضان کا ایک روزہ اپنی غفلت سے جاتا رہا۔

۴۔ جو شخص رمضان کا چاند اپنی آنکھ سے دیکھ لے اس پر واجب ہے کہ وہ بستی کے لوگوں یا مسلمانوں کے ذمہ دار افراد یا اداروں کو اس کی خبر پہنچائے چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

۵۔ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں صرف دو دیندار افراد کی گواہی سے نہ رمضان کے چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے اور نہ عید کے چاند کا۔ ایسی صورت میں کم از کم اتنے افراد کی گواہی ضروری ہے جن کی گواہی سے چاند کا یقین یا گمان غالب ہوجائے۔

۶۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں ہلال رمضان کے ثبوت کے لیے صرف ایک آدمی کی خبر بھی کافی ہے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اگر دو شرطیں پائی جائیں:

۱۔ گواہی دینے والا عاقل و بالغ اور دیندار مسلمان ہو۔

۲۔ وہ یہ خبر دے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے۔

۷۔ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ چاہے وہ کیسا ہی معتبر اور ثقہ ہو۔ ہلال عید کے ثبوت کے لیے ضروری ہے کہ دو دیندار اور متقی مرد گواہی دیں یا ایک دیندار مرد اور دو دیندار عورتیں گواہی دیں۔ اگر چار عورتیں گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے تب بھی عید کے چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

۸۔ جن مقامات پر کوئی مسلمان قاضی اور حاکم نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو خود اپنے طور پر چاند دیکھنے اور اس کا اعلان کرنے کا نظم کرنا چاہیے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

۹۔ اگر شہر بھر میں یہ خبر مشہور ہوجائے کہ چاند ہوگیا، لیکن انتہائی تلاش اور تحقیق کے باوجود بھی کوئی ایسا شخص نہیں جو اقرار کرے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے تو اس صورت میں چاند کا ثبوت نہ ہوگا۔

۱۰۔ اگر کسی ایسے شخص نے چاند دیکھا جس کی گواہی شریعت میں قابل قبول نہیں ہے اور اس کے سوا شہر میں کسی نے چاند نہیں دیکھا تو اس کی گواہی سے شہر والے روزہ نہ رکھیں البتہ یہ شخص خود روزہ رکھے۔ اس پر روزہ رکھنا واجب ہے فرض نہیں ہے۔

پھر اگر اس کے تیس ۳۰ روزے پورے ہو جائیں اور عید کا چاند نہ دیکھا جائے تو یہ شخص اکتیسواں روزہ بھی رکھے اور عید بستی والوں کے ساتھ منائے۔

۱۱۔ اگر کسی نے تنہا عید کا چاند خود اپنی آنکھ سے دیکھا لیکن چونکہ وہ اکیلا ہے اور شریعت میں عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک آدمی کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ اس لیے اس کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا تو ایسے شخص کے لیے تنہا روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔ اس کو چاہیے کہ روزہ رکھے اور اپنے چاند دیکھ لینے کی وجہ سے بغیر روزے کے نہ رہے۔

۱۲۔ کسی بستی میں کسی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا اور دوسرے مقامات سے چاند ہو جانے کی خبریں آئیں۔ اگر یہ خبریں شریعت کی رو سے قابل قبول ہوں تو ان سے رمضان کے چاند کا ثبوت بھی ہوگا اور عید کے چاند کا ثبوت بھی۔ مسلمانوں کے ذمہ داروں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی اطلاعات کا جائزہ لیں اور اگر وہ شرعی اعتبار سے قابل قبول ہوں تو ان کے مطابق شہر میں اعلان کرانے کا اہتمام کریں۔

۱۳۔ اگر دو معتبر اور ثقہ افراد کی شہادت سے رویتِ ہلال ثابت ہو جائے اور اسی حساب سے لوگ روزہ رکھیں لیکن تیس روزے پورے ہو جانے پر عید کا چاند نظر نہ آئے تو اکتیسویں دن بہر حال عید کریں اس دن روزہ رکھنا درست نہیں۔

نیا چاند دیکھنے کی دُعا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب پہلی رات کا چاند دیکھتے تو فرماتے:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوْفِيْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔ (ترمذی، دداری وغیرہ)

اللہ سب سے بڑا ہے، اے اللہ! یہ چاند ہمارے لیے امن و ایمان، سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر ہم پر طلوع فرما اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ، جو تجھے پسند اور محبوب ہیں۔ اے چاند ہمارا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

روزے کی قسمیں اوران کا حکم

روزے کی چھ قسمیں ہیں۔جن کی تفصیل اوراحکام جاننانہایت ضروری ہے:

۱۔ فرض۔

۲۔ واجب۔

۳۔ سنت۔

۴۔ نفل۔

۵۔ مکروہ۔

۶۔ حرام۔

۱۔ فرض روزے:

سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے مسلمانوں پر فرض ہیں۔ رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن وحدیث سے صراحتاً ثابت ہےاورامت اپنی پوری تاریخ میں تواتر کے ساتھ اس پر عمل کرتی رہی ہے۔جوشخص روزۂ رمضان کے فرض ہونے کا انکارکرے وہ کافراورخارج ازاسلام ہے،اورجوشخص بغیر کسی عذر کے ترک کرے وہ فاسق اورسخت گنہگار ہے۔رمضان کے روزے اگرکسی عذر سے یامحض غفلت سے رہ جائیں توان کی قضارکھنی بھی فرض ہے۔یہ غیر معین فرض ہیں یعنی جب موقع ہورکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جلدازجلدرکھ لیں۔

۲۔ واجب روزے:

نذر کے روزے، کفارے کے روزے، واجب ہیں۔ اگرکسی متعین دن کے روزے کی نذر مانی ہےتواسی دن رکھنا ضروری ہےاوراگردن متعین نہیں کیا ہےتو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں،لیکن بلاوجہ تاخیر نہ کرنی چاہیے۔

۳۔ مسنون روزے:

جو روزے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپؐ نے ترغیب دی ہے یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر وثواب ہے لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنت مؤکدہ نہیں، کہ جن کے نہ رکھنے سے آدمی گنہگار ہو۔ مسنون روزے یہ ہیں:

۱۔ عاشورے کے روزے، یعنی محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے دو روزے۔

۲۔ یومِ عرفہ کا روزہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ۔

۳۔ ایامِ بیض کے روزے، یعنی ہر مہینے کی، ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کے روزے۔

۴۔ نفلی روزے:

فرض، واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ تمام روزے مستحب ہیں، البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا اجر وثواب زیادہ ہے مثلاً:

۱۔ ماہ شوال کے چھ روزے، ان کو عرفِ عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں۔

۲۔ پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ۔

۳۔ ماہِ شعبان کی پندرھویں تاریخ کا روزہ۔

۴۔ ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے۔

۵۔ مکروہ روزے:

۱۔ صرف سنیچر یا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔

۲۔ صرف یومِ عاشورہ کا روزہ رکھنا۔

۳۔ کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔

۴۔ بیچ میں ناغہ کیے بغیر مسلسل روزے، جس کو صوم وصال کہتے ہیں۔

۶۔ حرام روزے:

سال بھر میں پانچ روزے حرام ہیں:

۱۔ عیدالفطر کے دن کا روزہ۔
۲۔ عیدالاضحیٰ کے دن کا روزہ۔
۳۔ ایام تشریق
۱۔ ۱۱ر ذوالحجہ کا روزہ۔
۲۔ ۱۲ر ذوالحجہ کا روزہ۔
۳۔ ۱۳ر ذوالحجہ کا روزہ۔

روزے کی شرطیں

روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں:
۱۔ شرائط وجوب۔
۲۔ شرائط صحت۔

روزہ صحیح ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ صحت کہتے ہیں اور روزہ واجب ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ وجوب کہتے ہیں۔

۱۔ روزے کے شرائطِ وجوب:

روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں:
۱۔ اسلام۔ کافر پر روزہ واجب نہیں۔
۲۔ بلوغ۔ نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں[1]۔
۳۔ صوم رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔
۴۔ معذور نہ ہونا۔ یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، مثلاً سفر، بڑھاپا، مرض، جہاد وغیرہ۔

---

[1] البتہ عادت ڈلوانے کے لیے نابالغ بچوں سے بھی روزہ رکھوانا چاہیے۔ جس طرح نماز پڑھوانے کا اہتمام کرنے کی حدیث میں تاکید ہے اسی طرح روزہ رکھوانے کی بھی ترغیب دی گئی ہے لیکن انھی بچوں سے رکھوایا جائے جو روزے کی بھوک پیاس کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے ہوں، غلو سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۲۔ روزے کے شرائطِ صحت:

روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں:

۱۔ اسلام۔کافر کا روزہ صحیح نہیں۔

۲۔ خواتین کا حیض ونفاس سے پاک ہونا۔

۳۔ نیت کرنا۔یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا۔روزہ رکھنے کا ارادہ کیے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رکا رہا جن سے روزے میں رکا جاتا ہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کے فرائض

روزے میں صبح صادق نمودار ہونے سے غروبِ آفتاب تک تین باتوں سے رکا رہنا فرض ہے:

۱۔ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔

۲۔ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کچھ نہ پینا۔

۳۔ صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔اس میں جنسی لذت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن میں عادتاً منی کا اخراج ہوتا ہے، خواہ وہ صنفِ نازک کے علاوہ کسی انسان یا بہائم سے حصولِ لذت ہو یا جلق وغیرہ ہو، سب سے بچنا فرض ہے۔البتہ اپنی خاتون کو دیکھنے، یا چمٹانے یا پیار کرنے سے بچنا فرض نہیں ہے۔اس لیے کہ اس سے عادتاً منی کا اخراج نہیں ہوتا۔

روزے کے سنن ومستحبات

۱۔ سحری کا اہتمام کرنا سنت ہے چاہے وہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی ہی ہو۔

۲۔ سحری اخیر وقت میں کھانا مستحب ہے، جبکہ صبح صادق ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہو۔

۳۔ روزے کی نیت رات ہی سے کرلینا مستحب ہے۔

۴۔ افطار جلد کرنا، یعنی سورج ڈوب جانے کے بعد خواہ مخواہ دیر نہ کرنا مستحب ہے۔

۵۔ چھوہارے، کھجور یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

۶۔ غیبت، چغلی، غلط بیانی، شور وہنگامہ، غصے اور زیادتی سے بچنے کا اہتمام کرنا مسنون ہے۔ یہ کام یوں بھی غلط ہیں لیکن روزے میں ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔

روزے کے مفسدات

روزے میں تین چیزوں سے بچنا فرض ہے:

۱۔ کچھ کھانے سے۔

۲۔ کچھ پینے سے۔

۳۔ جنسی لذت حاصل کرنے سے۔

لہٰذا ہر اُس فعل سے روزہ فاسد ہو جائے گا جو ان تینوں فرضوں کے خلاف ہو۔ البتہ روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور ایک وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

وجوبِ کفارہ سے متعلق کچھ اصولی باتیں

۱۔ اگر کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی جائے اور اس کے نفع بخش ہونے کا خیال بھی ہو، چاہے وہ غذا ہو یا دوا یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی ہو تو ان صورتوں میں روزے کی قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔

۲۔ اگر کوئی چیز خود بخود پیٹ میں پہنچ جائے، یا اس کے نفع بخش ہونے کا خیال نہ ہو یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی نہ ہو تو صرف روزے کی قضا واجب ہوگی، کفارہ لازم نہ آئے گا۔

۳۔ کفارہ صرف رمضان کا روزہ فاسد ہونے سے واجب ہوتا ہے۔ رمضان کے سوا

کوئی اور روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا چاہے غلطی سے فاسد ہو جائے یا قصداً فاسد کر دیا جائے۔

۴۔ رمضان کا قضا روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا صرف ادا روزہ فاسد ہونے ہی سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

۵۔ جن لوگوں میں روزے کے شرائطِ وجوب نہ پائے جائیں، ان کا روزہ فاسد ہونے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا، مثلاً مسافر کا روزہ، نابالغ بچے کا روزہ، حیض ونفاس والی خواتین کا روزہ۔ اگرچہ مسافر اور حیض ونفاس والی خواتین نے روزے کی نیت، سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اور حیض ونفاس آنے سے پہلے ہی کی ہو۔

۶۔ ہر وہ فعل جس میں اپنے قصد اور ارادے کو دخل نہ ہو، مثلاً بھولے سے کچھ کھالیا، یا جنسی لذت حاصل کر لی، یا کلی کرتے میں غلطی سے پانی حلق سے نیچے اتر گیا۔ یا کسی نے زبردستی کسی سے جنسی لذت حاصل کر لی تو ان تمام صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

۷۔ جنسی فعل میں فاعل ومفعول دونوں کا عاقل ہونا شرط نہیں۔ دونوں میں سے جو عاقل ہو اور قصداً یہ فعل کرے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ اگر عورت عاقل ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے مرد پر نہیں اور اگر مرد عاقل ہے تو مرد پر کفارہ واجب ہے دیوانی عورت پر نہیں۔

۸۔ کوئی خاتون چاہے نابالغ بچے سے جنسی فعل شروع کروائے یا کسی دیوانے اور مجنون سے، ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

۹۔ رمضان میں روزے کی نیت کیے بغیر کوئی کھائے پیے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہے صرف قضا واجب ہے۔ کفارہ اسی صورت میں واجب ہوگا جب روزے کی نیت کر لینے کے بعد روزہ توڑے۔

۱۰۔ کسی شبہ کی بنیاد پر اگر کوئی اپنا روزہ فاسد کر دے تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

وہ صورتیں جن سے روزے کی قضاواجب ہے:

۱۔ کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ سمجھ کر کہ ابھی سحری کا وقت باقی ہے کچھ کھا پی لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔

۲۔ کسی نے سورج ڈوبنے سے پہلے ہی یہ سمجھ کر کہ سورج ڈوب گیا ہے افطار کر لیا تو قضاواجب ہے۔

۳۔ بے ارادہ کوئی چیز پیٹ میں پہنچ گئی مثلاً کلی کے لیے منہ میں پانی لیا اور وہ حلق سے نیچے اتر گیا۔ ناک یا کان میں دوا ڈالی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی۔ پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا ڈالی اور وہ اس زخم کی راہ سے پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو ان صورتوں میں صرف قضاواجب ہے۔

۴۔ کسی نے روزے دار کو زبردستی کچھ کھلا پلا دیا تو صرف قضاواجب ہے۔

۵۔ کسی نے زبردستی کسی خاتون کے ساتھ جنسی فعل کیا یا غافل سو رہی تھی یا بے ہوش تھی اور کسی نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو خاتون پر صرف قضاواجب ہوگی۔

۶۔ کسی نادان نے مردہ عورت یا کمسن بچی کے ساتھ جنسی فعل کیا یا بہائم کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی کو لپٹایا یا بوسہ لیا یا جلق کا مرتکب ہوا اور ان صورتوں میں انزال ہو گیا تو صرف قضاواجب ہے۔

۷۔ کسی نے روزے کی نیت ہی نہیں کی لیکن کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہا یا نیت کی مگر نصف النہار کے بعد کی تو ان صورتوں میں روزہ نہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔

۸۔ روزے میں کسی کے منہ میں آنسو، یا پسینے کے قطرے چلے گئے اور پورے منہ میں اس کی نمکینی محسوس ہوئی اور وہ ان قطروں کو نگل گیا تو روزہ جاتا رہا قضا لازم ہے۔

۹۔ منہ میں کوئی شخص پان دبائے سو گیا اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں۔

۱۰۔ روزے میں کسی نے قصداً منہ بھر قے کی تو روزہ جاتا رہا اور قضاواجب ہے۔

۱۱۔ کسی نے روزے میں کوئی کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا اور کوئی ایسی چیز کھالی جس کو نہ بطور غذا کھاتے ہیں نہ بطورِ دوا تو اس صورت میں روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

۱۲۔ روزے میں کسی خاتون نے اپنے مقامِ خاص میں کوئی دوا ڈالی یا تیل ڈالا تو اس صورت میں قضا واجب ہے۔

۱۳۔ کسی نے روزے میں بھولے سے کھا پی لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ ہی گیا ہے قصداً کچھ کھا پی لیا تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

۱۴۔ کسی نے روزے میں کان کے اندر تیل ڈالا، یا جلاب میں عمل لیا تو روزہ جاتا رہا اور اس کی صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

۱۵۔ کسی خاتون نے علاج وغیرہ کی ضرورت سے اپنی اگلی شرمگاہ میں اپنی انگلی داخل کی یا کسی دائی وغیرہ سے داخل کرائی اور پھر ساری انگلی یا انگلی کا کچھ حصہ نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے اور اگر دوبارہ داخل نہیں کی لیکن انگلی کسی چیز میں بھیگی ہوئی تھی تو پہلی ہی بار داخل کرنے سے روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے اسی طرح اگر کوئی خاتون اپنی شرمگاہ میں روئی وغیرہ رکھے اور سب اندر غائب ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

۱۶۔ جماع اور لواطت کے علاوہ جنسی لذت کا کوئی ایسا فعل کیا جس سے عادتاً انزال ہو جاتا ہے، اگر انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم آئے گی۔ مثلاً کوئی جلق کا مرتکب ہوا یا کسی نے خاتون کی ناف، ران یا کولہوں میں عضوِ خاص گھسا کر منی خارج کی، یا کسی جانور کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی خاتون نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ حصولِ لذت کی کوشش کی اور انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہے گا اور قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

۱۷۔ مسواک کرتے ہوئے یا یونہی مسوڑھے وغیرہ سے خون نکلا اور روزے میں تھوک کے ساتھ نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا، قضا واجب ہے۔ ہاں اگر خون تھوک کی مقدار سے کم ہے اور حلق میں محسوس نہیں ہو رہا ہے تو روزہ نہیں جائے گا۔

وہ صورتیں جن میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں:

۱۔ کسی نے روزے میں جذبات سے مغلوب ہو کر جنسی فعل کا ارتکاب کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، یا مرد نے لواطت کی تو قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

۲۔ کسی خاتون نے مرد سے ہم بستری کی اور عضو کا سرا اندر داخل ہو گیا تو چاہے منی کا خروج ہو یا نہ ہو، ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

۳۔ کسی نادان عورت سے ہم بستری کی اور اس کے پچھلے حصے میں عضو کا سرا داخل کر دیا تو دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا۔ قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

۴۔ کسی نے ایسی چیز کھا پی لی جو کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے یا ایسی چیز کھائی جو کھانے پینے میں استعمال نہیں کی جاتی لیکن دوا کے طور پر کھا پی لی، کہ اس سے فائدہ ہوگا تو روزہ جاتا رہا اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

۵۔ خاتون غافل سو رہی تھی یا بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور مرد نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو مرد پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

۶۔ کوئی ایسا فعل کیا جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، لیکن اس شخص نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ میرا روزہ فاسد ہو گیا اور پھر قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا۔ قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔ مثلاً کسی نے سُرمہ لگایا، سر میں تیل ڈالا، یا پچھنے لگوائے یا کسی خاتون کو چمٹایا یا بوسہ لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ جاتا رہا۔ قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا اس صورت میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

وہ اُمور جن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے:

یعنی ان چیزوں کا بیان جن کے کرنے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ ہو جاتا ہے، ان سب چیزوں کی کراہت تنزیہی ہے، تحریمی نہیں۔

۱۔ کسی چیز کا ذائقہ چکھنا، البتہ کوئی خاتون مجبوراً اس لیے کھانے کی چیزوں کا ذائقہ

پکاتے وقت، یا بازار سے خریدتے وقت چکھ لے کہ اس کا شوہر بدمزاج اور سخت گیر ہے، یا اسی طرح کوئی ملازمہ اپنے آقا کے خوف سے چکھ لے تو مکروہ نہیں۔

۲۔ منہ میں کوئی چیز چبانا یا یونہی ڈالے رکھنا۔ مثلاً کوئی خاتون اپنے ننھے بچے کو کھلانے کے لیے اپنے منہ میں کوئی چیز دبائے یا نرم کرنے کے لیے یا ٹھنڈا کرنے کے لیے منہ میں ڈالے تو یہ مکروہ ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ مثلاً کسی کا بچہ بھوکا ہے اور وہ صرف وہی چیز کھاتا ہے جو منہ میں چبا کر اس کو دی جائے اور کوئی بے روزہ آدمی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں چبا کر کھلانا مکروہ نہیں۔

۳۔ کسی عورت کا ہونٹ منہ میں لے لینا یا ننگے ہو کر بدن ملانا مکروہ ہے چاہے انزال ہونے اور صحبت کر لینے کا خوف ہو یا نہ ہو۔

۴۔ روزے میں کوئی ایسا کام کرنا مکروہ ہے جس سے اتنی زیادہ کمزوری پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے گا۔

۵۔ کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے کا ضرورت سے زیادہ اہتمام اور غلو کرنا۔

۶۔ بلاوجہ منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا۔

۷۔ بے قراری، گھبراہٹ اور اضمحلال کا اظہار کرنا۔

۸۔ غسل کی حاجت ہو اور موقع بھی ہو پھر بھی کوئی شخص بلاوجہ قصداً صبح صادق کے بعد تک غسل نہ کرے تو یہ مکروہ ہے۔

۹۔ منجن، پیسٹ یا کوئلہ وغیرہ چبا کر اس سے دانت مانجھنا۔

۱۰۔ روزے میں غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ اور شور و ہنگامہ کرنا، مارنا، پیٹنا اور کسی پر زیادتی کرنا۔

۱۱۔ قصداً حلق میں دھواں یا گرد و غبار پہنچانا مکروہ ہے، اور اگر لوبان وغیرہ سلگا کر اس کو سونگھا یا حقہ، سگریٹ اور بیڑی وغیرہ پی لی تو روزہ جاتا رہا۔

۱۲۔ روزے میں تھوکنا اور بلغم نگلنا مکروہ ہے۔

وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا:

۱۔ روزے کا خیال نہ رہا اور بھولے سے کچھ کھا پی لیا یا شریکِ حیات سے جنسی لذت حاصل کی، چاہے ایک بار ایسا کیا یا کئی بار اتفاق ہوا۔ حد یہ کہ اگر بھولے سے پیٹ بھر کر بھی کھا پی لیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

۲۔ دن میں روزہ دار سو گیا اور سوتے وقت کوئی ایسا خواب دیکھا جس سے غسل کی حاجت ہو گئی تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

۳۔ دن میں سُرمہ لگانا، سر میں تیل ڈالنا یا بدن پر مالش کرنا، خوشبو سونگھنا سب درست ہے۔ سرمہ لگانے کے بعد اگر بلغم میں سُرمہ کی سیاہی محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

۴۔ اپنی شریکِ حیات کے ساتھ لیٹنا، بغل گیر ہونا، بوس و کنار کرنا، سب درست ہے، ہاں اگر انزال کا اندیشہ ہو یا جذبات کے ہیجان میں صحبت کر لینے کا خطرہ ہو تو پھر یہ سب کام مکروہ ہیں۔

۵۔ روزے میں حلق کے اندر مکھی چلی گئی یا بے اختیار گرد و غبار یا دھواں چلا گیا تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان میں کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی تو روزہ جاتا رہے گا۔

۶۔ کسی خاتون کے جنسی اعضا کو دیکھنے سے یا کوئی جنسی خیال دل میں لانے سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

۷۔ کسی جانور کے جنسی اعضا کو چھونے سے اگر انزال بھی ہو جائے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

۸۔ مرد کے لیے اپنے عضوِ مخصوص کے سوراخ میں تیل یا پانی یا دوا وغیرہ ڈالنا یا پچکاری سے پہنچانا، یا سلائی وغیرہ داخل کرنا جائز ہے، اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

۹۔ کوئی شخص خشک لکڑی یا خشک انگلی اپنے پچھلے حصے میں داخل کرے، لیکن لکڑی اندر غائب نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۱۰۔ کسی نے یہ سمجھا کہ ابھی رات باقی ہے اور وہ اپنی شریکِ حیات سے صحبت میں مشغول ہوگیا، یا روزے کا خیال نہ رہا، اور صحبت شروع کردی لیکن پھر جونہی معلوم ہوا کہ صبح صادق ہوچکی ہے یا روزہ یاد آیا تو فوراً علیحدہ ہوگیا اس صورت میں اگر علیحدہ ہونے کے بعد انزال ہوتب بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس انزال کا حکم وہی ہو گا جو روزے میں احتلام کا ہے۔

۱۱۔ کان میں پانی چلا جائے یا کوئی قصداً ڈال لے تو اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

۱۲۔ دانتوں کے درمیان غذا یا بوٹی یا کوئی ریشہ یا چھالیہ کا کوئی ٹکڑا رہ گیا اور اس کو منہ سے نہیں نکالا بلکہ اندر ہی اندر نگل لیا اگر یہ چنے کی مقدار سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

۱۳۔ بے اختیار قے ہوگئی منہ بھر کر ہوئی یا اس سے کم یا زیادہ بہر حال روزہ مکروہ نہ ہو گا۔ اگر اس صورت میں بے اختیار کچھ حصہ پھر پیٹ میں لوٹ جائے تب بھی روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

۱۴۔ روزے میں کسی وقت بھی مسواک کرنا، چاہے خشک لکڑی سے کی جائے یا بالکل تازہ اور تر لکڑی سے، نیب کی تازہ مسواک کا کڑوا کڑوا ذائقہ منہ میں محسوس ہو، تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

۱۵۔ گرمی کی شدت میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ ہاتھ دھونا، نہانا، کپڑا تر کر کے بدن پر رکھنا مکروہ نہیں۔

۱۶۔ اگر پان کھانے کے بعد اچھی طرح کلی اور غرارہ کر کے منہ صاف کرلیا، لیکن تھوک میں سرخی اب بھی محسوس ہو رہی ہے تو کوئی حرج نہیں اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

۱۷۔ اگر قصداً قے کی لیکن تھوڑی قے کی منہ بھر نہیں ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

۱۸۔ مسواک کرنے میں یا یونہی منہ سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ نگل لیا۔ اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو اور حلق میں خون کا مزہ معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

روزے کی نیت کے مسائل

۱۔ نیت کے معنی ہیں دل میں ارادہ کرنا، زبان سے نیت کا اظہار کرنا ضروری نہیں، صرف دل میں ارادہ کر لینا کافی ہے، بلکہ سحری کھانا بھی نیت ہی کے قائم مقام ہے۔اس لیے کہ سحری روزے ہی کی غرض سے کھائی جاتی ہے۔

البتہ جو لوگ اس وقت کھانے کے عام طور پر عادی ہوں یا جو نادان سحری اہتمام سے کھاتے ہوں اور روزہ نہ رکھتے ہوں تو ان لوگوں کی سحری نیت کے قائم مقام نہ ہوگی، ان کے لیے ضروری ہے کہ نیت کریں۔

۲۔ رمضان المبارک کے ہر روزے کے لیے الگ نیت کرنا ضروری ہے۔رمضان المبارک کے سارے روزوں کے لیے صرف ایک دن کی نیت کر لینا کافی نہیں ہے۔

۳۔ رمضان کے ادا روزوں میں فرض کہہ کر نیت کرنا ضروری نہیں۔صرف روزے کی نیت کر لینا کافی ہے۔البتہ کوئی مریض اگر رمضان کا روزہ رکھے تو وہ فرض کی تعیین کرے اس لیے کہ اس پر رمضان کا روزہ فرض نہیں ہے۔مریض اگر محض روزے کی نیت کرے یا نفل روزے کی نیت کرے تو اس کا روزہ رمضان کا روزہ نہ ہوگا۔

۴۔ مسافر کے لیے ضروری ہے کہ وہ رمضان میں کسی واجب روزے کی نیت نہ کرے۔ رمضان کے فرض روزے کی نیت کرے، یا نفلی روزے کی نیت کرے۔ ہر طرح درست ہے۔

۵۔ رمضان المبارک کے قضا روزوں میں متعین طور پر فرض کی نیت کرنا ضروری ہے۔

۶۔ اگر کوئی شخص شب میں روزے کی نیت کرنا بھول جائے اور دن میں اس کو یاد آئے تو ان میں تین قسم کے روزوں میں نصف النہار سے پہلے تک نیت کر لینا درست ہے، یعنی غروبِ آفتاب سے قبل نصف[1] النہار تک کسی وقت بھی نیت کر لے، درست ہے:

---

[1] شرعی دن صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔اسی کے پیشِ نظر نصف النہار کا اندازہ کرنا چاہیے۔

۱۔رمضان کے اداروزوں میں۔

۲۔نذر کے ان روزوں میں جن میں دن یا تاریخ کی تخصیص کردی گئی ہو۔

۳۔نفلی روزوں میں۔

۷۔ ان چار قسم کے روزوں میں غروبِ آفتاب سے طلوعِ صبح صادق تک نیت کر لینا ضروری ہے،ان میں صبح صادق کے بعد نیت کرنا کافی نہیں ہے:

۱۔رمضان کے قضاروزوں میں۔

۲۔نذر کے ان روزوں میں جن میں دن یا تاریخ معین نہ ہو۔

۳۔کفارے کے روزوں میں۔

۴۔اوران نفلی روزوں کی قضا میں جوشروع ہوجانے کے بعد کسی وجہ سے فاسد ہوگئے ہوں۔

۸۔ اگر شب میں کسی وجہ سے روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا، پھر صبح کو بھی روزہ نہ رکھنے ہی کا خیال رہا، پھر نصف النہار سے پہلے خیال آیا کہ رمضان کا روزہ چھوڑنا مناسب نہیں اور نیت کر لی تو یہ روزہ درست ہے۔ہاں اگر صبح میں کچھ کھا پی لیا تھا تو اب نیت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

۹۔ رمضان کے مہینے میں کسی نے فرض روزے کے بجائے نفلی روزے کی نیت کی اور یہ سوچا کہ فرض روزے کی قضا رکھ لوں گا۔تب بھی وہ روزہ رمضان ہی کا ہوگا نفلی روزہ نہ ہوگا۔اسی طرح اگر نفلی روزے کے بجائے واجب روزے کی نیت کی تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہوا۔اصولی بات یہ ہے کہ رمضان میں صرف رمضان کا فرض روزہ ہی صحیح ہے۔کوئی اور روزہ صحیح نہیں ہے۔

۱۰۔ روزہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے،اس لیے صبح صادق سے پہلے پہلے وہ سارے کام جائز ہیں، جن سے بچنا روزے میں فرض ہے۔بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ روزے کی نیت کر لینے کے بعد کچھ کھانا پینا وغیرہ جائز نہیں۔یہ بالکل غلط ہے،صبح

صادق سے پہلے پہلے کھانا پینا وغیرہ سب جائز ہے، چاہے غروبِ آفتاب کے بعد ہی دوسرے دن کے روزے کی نیت کر لی ہو۔

۱۱۔ نفلی روزہ نیت کرنے سے واجب ہو جاتا ہے اگر صبح کے وقت یہ نیت کی کہ آج میرا روزہ ہے اور پھر اس کے بعد روزہ توڑ دیا، تو اس روزے کی قضا واجب ہے۔

۱۲۔ کسی نے شب میں یہ ارادہ کیا کہ میں کل کا روزہ رکھوں گا لیکن پھر صبح ہونے سے پہلے پہلے ارادہ بدل دیا، اور روزہ نہیں رکھا، تو اس صورت میں قضا واجب نہیں۔

۱۳۔ اگر شب میں نیت کرے تو کہے:

وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

اور میں نے ماہ رمضان کے کل کے روزے کی نیت کی۔

اور دن میں نیت کرے تو کہے:

نَوَيْتُ بِصَوْمِ الْيَوْمَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

میں نے ماہِ رمضان کے آج کے روزے کی نیت کی۔

لیکن عربی میں نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں، کسی بھی زبان میں کہہ لے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

سحری اور افطار

روزہ رکھنے کی غرض سے صبح صادق سے پہلے جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے اسے ''سحری'' کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی سحری کا اہتمام فرماتے اور دوسروں کو بھی سحری کھانے کی تاکید فرماتے۔

حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحر کے وقت مجھ سے فرماتے:

میرا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلاؤ۔ تو میں کچھ کھجوریں اور ایک برتن میں پانی پیش کر دیتا۔

اور آپؐ نے سحری کھانے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

سحری کھالیا کرو، اس لیے کہ سحری کھانے میں بڑی برکت ہے۔

برکت سے مراد یہ ہے کہ دن کے کاموں میں اور عبادت واطاعت میں کمزوری محسوس نہ ہوگی اور روزے میں آسانی ہوگی۔ چنانچہ ایک موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:

دن کو روزہ رکھنے میں سحری کھانے سے مدد لیا کرو اور قیام لیل کے لیے قیلولے سے مدد لیا کرو۔

سحری کھانا سنت ہے اور مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ کے روزوں میں فرق یہ بھی ہے کہ وہ سحری نہیں کھاتے اور مسلمان سحری کھاتے ہیں۔ اگر بھوک نہ ہو تو کچھ تھوڑا سا میٹھا، یا دودھ یا کم از کم پانی ہی پی لینا چاہیے۔ اس لیے کہ سحری کھانے کا بڑا اجر وثواب ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

سحری کا کھانا سراسر برکت ہے، سحری کھانا کبھی نہ چھوڑو۔ چاہے پانی کا ایک گھونٹ ہی پیو، کیونکہ سحری کھانے والوں پر خدا رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (الترغیب)

سحری میں تاخیر:

سحری اخیر میں کھانا جب کہ صبح صادق میں تھوڑی ہی دیر باقی ہو مستحب ہے۔ بعض

لوگ بنظرِ احتیاط بہت ہی پہلے سحری کھالیتے ہیں یہ بہتر نہیں ہے بلکہ تاخیر سے کھانے میں اجر وثواب ہے۔

افطار میں تعجیل:

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے، یعنی سورج ڈوبنے کے بعد احتیاط کے خیال سے تاخیر کرنا مناسب نہیں بلکہ فوراً ہی افطار کرلینا چاہیے۔اس طرح کی غیر ضروری احتیاطوں کے اہتمام سے دینی مزاج بگڑ جاتا ہے۔ دینداری یہ نہیں ہے کہ آدمی خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالے، بلکہ دینداری یہ ہے کہ خدا کے حکم کی بے چون وچرا اطاعت کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

تین باتیں پیغمبرانہ اخلاق کی ہیں۔

۱۔ سحری میں تاخیر سے کھانا۔

۲۔ افطار میں تعجیل کرنا۔

۳۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھنا۔

حضرت ابن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، اور آپؐ روزے سے تھے، جب سورج نظروں سے اوجھل ہوگیا تو آپؐ نے کسی سے فرمایا:

اٹھو اور ہمارے لیے ستو گھول دو۔

اس شخص نے کہا:

یارسول اللہ! کچھ دیر اور ٹھہر جائیں کہ شام ہوجائے تو اچھا ہو۔

ارشاد فرمایا:

سواری سے اترو اور ہمارے لیے ستو گھول دو۔

اس شخص نے پھر کہا:

یارسول اللہ! ابھی دن پھیلا ہوا ہے۔

آپؐ نے پھر ارشاد فرمایا:

سواری سے اترو اور ہمارے لیے ستو گھول دو۔

تب وہ اترا اور اس نے سب کے لیے ستو تیار کیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستو نوش فرمائے اور ارشاد فرمایا:

جب تم دیکھو کہ رات کی سیاہی اس طرف سے چھانا شروع ہوگئی ہے تو روزہ دار کو روزہ کھول دینا چاہیے۔ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اپنے بندوں میں سب سے زیادہ مجھے وہ بندہ پسند ہے جو افطار میں تعجیل کرے۔ (یعنی غروبِ آفتاب کے بعد ہرگز تاخیر نہ کرے)۔ (جامع ترمذی)

نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا:

لوگ اچھی حالت میں رہیں گے۔ جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے۔ (بخاری، مسلم)

کس چیز سے افطار مستحب ہے:

کھجور اور چھوہارے سے افطار کرنا مستحب ہے اور یہ میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار بھی مستحب ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی انھی چیزوں سے افطار فرماتے:

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمازِ مغرب سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے اور اگر یہ نہ ہوتیں تو چھوہاروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی ہی نوش فرما لیتے تھے۔ (جامع ترمذی، ابوداؤد)

اور انھی چیزوں سے افطار کی ترغیب آپؐ نے صحابۂ کرام کو دی اور فرمایا:

جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرے، فی الواقع پانی انتہائی پاک ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

کھجور عرب کی پسندیدہ غذا بھی تھی اور ہر غریب و امیر کو آسانی سے میسر بھی آجاتی تھی، رہا پانی تو وہ ہر جگہ فراوانی سے مہیا ہے۔ ان چیزوں سے روزہ افطار فرمانے اور ترغیب دینے کی مصلحت یہ ہے کہ امت کسی مشقت میں مبتلا نہ ہو اور بروقت سہولت کے ساتھ روزہ افطار

کر سکے۔ پھر پانی کی ایک خوبی آپ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اتنی پاک چیز ہے کہ ہر چیز اس سے پاک ہو جاتی ہے۔ ظاہر کا پاک ہونا تو محسوس امر ہے۔ باطن بھی اس سے پاک ہو جاتا ہے۔ روزہ دار جب دن بھر خدا کی خوشنودی کے لیے شعوری ایمان کے ساتھ پیاسا رہے گا اور شام کو ٹھنڈے پانی سے اپنی پیاس بجھائے گا تو بے اختیار شکر و احسان مندی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ جن سے اس کے باطن کو جلا نصیب ہوگی۔

مگر یہ خیال رہے کہ اس معاملے میں غلو کرنا، اور کسی دوسری چیز سے افطار کو غیر متقیانہ فعل سمجھنا سراسر غلط ہے۔ اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ نمک سے افطار کرنا بڑا اجر و ثواب ہے۔

افطار کی دعا:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔ (ابوداؤد)

اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا، اور تیری ہی دی ہوئی روزی سے افطار کیا۔

افطار کے بعد کی دعا:

ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ۔ (ابوداؤد)

پیاس جاتی رہی، رگیں سیراب ہو گئیں اور اگر اللہ نے چاہا تو اجر بھی ضرور ملے گا۔

افطار کرانے کا اجر و ثواب:

دوسرے کو افطار کرانا بھی پسندیدہ عمل ہے اور افطار کرانے والے کو بھی اتنا ہی اجر و ثواب ملتا ہے جتنا روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے چاہے وہ چند لقمے کھلائے یا ایک کھجور ہی سے افطار کرا دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس شخص نے کسی روزے دار کو افطار کرایا تو اس کو روزے دار کی طرح اجر و ثواب ملے گا۔ (بیہقی)

بے سحری کا روزہ:

شب میں سحری کھانے کے لیے اگر آنکھ نہ کھلے تب بھی روزہ رکھنا چاہیے سحری نہ کھانے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا بڑی کم ہمتی کی بات ہے۔ محض سحری نہ کھانے کی وجہ سے

روزہ چھوڑنا گناہ ہے۔

اگر کبھی آنکھ دیر سے کھلی اور یہ خیال ہوا کہ ابھی رات باقی ہے اور کچھ کھا پی لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ صبح صادق کے بعد کھایا پیا ہے تو اگرچہ اس صورت میں روزہ نہ ہوگا۔ لیکن پھر دن بھر روزہ داروں کی طرح رہے اور کچھ نہ کھائے پیے۔

اگر اتنی دیر سے آنکھ کھلی کہ صبح ہو جانے کا شُبہ ہے تو ایسے وقت میں کھانا پینا مکروہ ہے اور اگر شبہ ہو جانے کے باوجود کھا پی لیا تو بہت بُرا کیا ایسے وقت میں کھانا گناہ ہے۔ پھر اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ صبح ہو چکی تھی تو قضا واجب ہے، اور اگر شبہ ہی رہے تو قضا واجب نہیں لیکن احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قضا کا روزہ رکھے۔

معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے

ایسی معذوریاں جن میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے صرف دس ہیں۔ ان میں سے کوئی معذوری بھی ہو تو روزہ چھوڑ دینے کی اجازت ہے، ان معذوریوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ سفر۔

۲۔ بیماری۔

۳۔ حمل۔

۴۔ ارضاع۔ یعنی بچے کو دودھ پلانا۔

۵۔ بھوک، پیاس کی شدت۔

۶۔ ضعف اور بڑھاپا۔

۷۔ خوفِ ہلاکت۔

۸۔ جہاد۔

۹۔ بے ہوشی

۱۰۔ جنون

سفر:

شریعت نے اپنے سارے احکام میں بندوں کی سہولت اور آسانی کا پورا پورا لحاظ کیا ہے اور کسی معاملے میں بھی ان کو کسی بے جا مشقت اور تنگی میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں روزے کی فرضیت کا اعلان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ نے مسافر اور مریض کی معذوری کا لحاظ کیا ہے اور ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۔ البقرہ 185:2

پس تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں (روزے رکھ کر) گنتی پوری کر لے۔

سفر خواہ کسی بھی غرض کے لیے ہو اور چاہے اس میں ہر طرح کی سہولتیں حاصل ہوں یا مشقتیں برداشت کرنی پڑ رہی ہوں۔ ہر حال میں مسافر کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ البتہ جس سفر میں کوئی خاص مشقت نہ ہو تو مستحب یہی ہے کہ روزہ رکھ لے، تاکہ رمضان کی فضیلت و برکت حاصل ہو سکے لیکن مشقت و پریشانی کی صورت میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔

۲۔ اگر روزے کی نیت کر لینے کے بعد یا روزہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص سفر پر روانہ ہو، تو اس دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ توڑ دے تو کفارہ لازم نہ آئے گا۔

۳۔ اگر کوئی مسافر نصف النہار سے پہلے پہلے کہیں مقیم ہو جائے اور اس وقت تک اس نے روزے کو فاسد کرنے والا کوئی کام نہیں کیا ہے تو اس کے لیے بھی اس دن روزہ رکھنا ضروری ہے البتہ اگر وہ روزہ فاسد کر دے گا تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

۴۔ اگر کوئی مسافر کسی مقام پر کچھ دن قیام کا ارادہ کر لے، چاہے پندرہ دن سے کم ہی کا ارادہ کرے، تب بھی بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے۔ ان ایام میں روزہ نہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر پندرہ دن قیام کا ارادہ کر لے تو پھر روزہ نہ رکھنا جائز نہیں۔

بیماری:

۱۔ اگر روزہ رکھنے سے کسی بیماری کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو یا یہ خیال ہو کہ دوا نہ ملنے کی وجہ سے یا غذا نہ ملنے کی وجہ سے بیماری بڑھ جائے گی یا یہ خیال ہو کہ دیر میں صحت حاصل ہو گی تو ان تمام صورتوں میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ایسا خیال کرنے کی کوئی معقول وجہ ضرور ہونی چاہیے۔ مثلاً یہ کہ کوئی نیک ماہر طبیب ہدایت کرے، یا اپنا بار بار کا تجربہ ہو، یا گمانِ غالب ہو، محض یوں ہی وہم وخیال کی بنا پر روزہ ترک کر دینا جائز نہیں۔

۲۔ اگر کسی نے محض اپنے وہم وخیال سے کہ شاید روزہ رکھنے سے مرض پیدا ہو جائے یا بڑھ جائے، نہ خود اس کا کوئی تجربہ ہے اور نہ اس نے کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر ہی سے مشورہ لیا، اور روزہ نہیں رکھا تو وہ گنہگار ہو گا اور اس کو کفارہ بھی دینا پڑے گا۔

۳۔ کسی بے دین اور شریعت کی قدر و قیمت محسوس نہ کرنے والے طبیب کے مشورے پر عمل کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

حمل:

۱۔ اگر کسی خاتون کو گمانِ غالب ہو کہ اگر وہ روزے رکھے گی تو بچے کو نقصان پہنچے گا یا خود اسی کو نقصان پہنچے گا تو اس کے لیے روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

۲۔ اگر روزے کی نیت کر لینے کے بعد کسی خاتون کو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے اور اس کا گمانِ غالب یہ ہے کہ حمل کی صورت میں روزہ اس کے لیے نقصان دہ ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ توڑ دے اور پھر قضا رکھے، اس پر کفارہ واجب نہ ہو گا۔

ارضاع:

۱۔ روزہ رکھنے سے اگر گمانِ غالب یہ ہو کہ بچے والی خاتون کو شدید نقصان پہنچے گا۔ مثلاً دودھ خشک ہو جائے گا اور بچہ بھوک سے تڑپے گا یا خود اپنی ہی جان کا خطرہ ہو تو

روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

۲۔ اور اگر اجرت دے کر دودھ پلوایا جا سکتا ہو اور بچہ بھی کسی دوسری خاتون کا دودھ پی لے تو پھر روزہ نہ رکھنا درست نہیں۔ اور اگر بچہ کسی دوسری خاتون کا دودھ پیتا ہی نہ ہو تب بھی روزہ چھوڑنا درست ہے۔

۳۔ اجرت پر دودھ پلانے والی خاتون کو بھی اگر گمانِ غالب ہو کہ روزہ رکھنے سے بچے کو یا خود اس کو نقصان پہنچے گا تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے۔

۴۔ کسی خاتون نے عین رمضان کے دن ہی دودھ پلانے کی ملازمت شروع کی، اس دن اگر وہ روزے کی نیت بھی کر چکی ہو تب بھی اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے روزہ توڑنے سے اس پر صرف قضا لازم ہوگی کفارہ واجب نہ ہوگا۔

بھوک پیاس کی شدت:

اگر کوئی شخص بھوک پیاس کی شدت سے اس قدر بے تاب ہو جائے کہ جان جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے یا عقل میں فتور آنے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

ضعف اور بڑھاپا:

۱۔ کوئی شخص اب بیمار تو نہیں ہے لیکن بیماری کی وجہ سے اتنی کمزوری ہو گئی ہے، کہ روزہ رکھنے سے دوبارہ بیمار پڑ جانے کا گمان غالب ہے تو اس کے لیے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

۲۔ کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو گیا ہے۔ اس کے لیے بھی اجازت ہے کہ وہ روزے نہ رکھے اور چونکہ ایسے ضعیف کے بارے میں یہ توقع نہیں ہے کہ وہ کبھی تندرست ہو کر قضا رکھے گا۔ اس لیے اس پر واجب ہے کہ روزے کا فدیہ ادا کرے، چاہے اسی وقت دے یا بعد میں ادا کرے۔ فدیہ کی مقدار وہی ہے جو صدقۂ فطر کی ہے۔

خوفِ ہلاکت:

اگر محنت ومشقت کی وجہ سے جان ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو یا کوئی ظالم مجبور کر رہا ہو کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو جان سے مار ڈالوں گا یا شدید مار لگاؤں گا۔ یا کوئی عضو کاٹ لوں گا۔ تو ایسے شخص کے لیے بھی اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

جہاد:

دُشمنانِ دین سے جہاد کی نیت ہو اور یہ خیال ہو کہ روزہ رکھنے سے کمزوری آجائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

بالفعل جہاد ہو رہا ہو تب بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

بالفعل جہاد نہیں ہو رہا ہے لیکن جلد ہی تصادم کا اندیشہ ہے تب بھی اجازت ہے۔

اور اگر روزہ رکھ لیا ہو اور ایسا موقع پیش آجائے تو روزہ توڑ دینے کی بھی اجازت ہے، روزہ توڑ دینے سے کفارہ لازم نہ آئے گا۔

بے ہوشی:

اگر کسی پر بے ہوشی طاری ہو جائے، اور کئی دن تک یہی صورت رہے تو اس صورت میں جو روزے چھوڑے جائیں گے ان کی قضا واجب ہوگی۔ البتہ جس شب میں بے ہوشی طاری ہوئی ہے، اگر اس دن بے ہوش ہونے والے سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا ہے جو روزے کو فاسد کرنے والا ہو، اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ بے ہوش ہونے والے نے روزے کی نیت کی تھی یا نہیں، تو اس دن اس کا روزہ سمجھا جائے گا اور اُس دن کی قضا لازم نہ آئے گی البتہ بقیہ سارے دنوں کی قضا واجب ہوگی۔

جنون:

اگر کسی پر جنون طاری ہو جائے اور اس حالت میں وہ روزے نہ رکھ سکے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ کسی وقت بھی جنون میں کوئی افاقہ نہیں ہوتا ،ایسی صورت میں تو روزے بالکل معاف ہیں۔نہ قضاہی واجب ہوگی اور نہ فدیہ واجب ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی وقت جنون میں افاقہ ہوجاتا ہوتو اس شکل میں اس پر قضا واجب ہوگی۔

وہ صورتیں جن میں روزہ توڑ دینا جائز ہے

۱۔ یکا یک کوئی زبردست دَورہ پڑ گیا، یا کوئی ایسی بیماری ہوگئی کہ جان پر بن آئی یا خدانخواستہ موٹر وغیرہ سے کوئی حادثہ ہوگیا یا کسی اونچے مقام سے گر پڑنے کی وجہ سے حالت غیر ہوگئی تو ان تمام صورتوں میں روزہ توڑ دینا جائز ہے۔

۲۔ اگر کوئی اچانک بیمار پڑ گیا اور یہ اندیشہ تو نہیں ہے کہ جان جاتی رہے گی۔البتہ یہ اندیشہ ہے کہ اگر روزہ نہ توڑا تو بیماری بہت زیادہ بڑھ جائے گی تو اس صورت میں بھی روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔

۳۔ اگر کسی کو ایسی شدت کی بھوک یا پیاس لگی کہ نہ کھانے پینے سے ہلاک ہوجانے کا اندیشہ ہے تب بھی روزہ توڑ دینا درست ہے۔

۴۔ کسی حاملہ خاتون کو کوئی ایسا حادثہ پیش آ گیا کہ اپنی یا بچے کی جان کا ڈر ہے تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کا اختیار ہے۔

۵۔ کسی کو سانپ وغیرہ نے کاٹ کھایا اور فوراً دوا وغیرہ کا استعمال ضروری ہے تو روزہ توڑ دینا چاہیے۔

۶۔ کمزوری تو تھی لیکن ہمت کر کے روزہ رکھ لیا۔دن میں محسوس ہوا کہ اگر روزہ نہ کھولا تو جان پر بن آئے گی یا پھر مرض کا شدید حملہ ہوجائے گا۔تو اس صورت میں بھی روزہ توڑ دینے کی اجازت ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

قضاروزوں کے مسائل

۱۔ رمضان المبارک کے جوروزے کسی وجہ سے رہ گئے ہوں ان کی قضا میں بلاوجہ تاخیر کرنا درست نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے رکھ لے۔

۲۔ رمضان المبارک کے روزے ہوں یا اور کسی قسم کے، یہ ضروری نہیں کہ مسلسل ان کی قضا رکھی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ عذر ختم ہوتے ہی فوراً رکھ لیے جائیں بلکہ جب موقع ہو تو ان کی قضا رکھ سکتے ہیں۔

۳۔ روزوں کی قضا میں ترتیب فرض نہیں ہے، مثلاً قضا کے روزے رکھے بغیر ادا روزے رکھنا درست ہے۔

۴۔ قضا کے روزے رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دن اور تاریخ وغیرہ مقرر کر کے رکھے جائیں بلکہ جتنے روزے قضا ہو گئے ہیں ان کے بدلے اتنے ہی روزے رکھ لینا چاہییں۔

۵۔ اگر رمضان کے دو سال کے کچھ روزے رہ گئے ہوں تو یہ تعیّن ضروری ہے کہ کس سال کے روزوں کی قضا رکھ رہا ہے۔ اس لیے یہ نیت کر کے روزے رکھے کہ میں فلاں سال کے قضا روزے رکھ رہا ہوں۔

۶۔ قضا روزے رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ رات سے نیت کی جائے اگر صبح صادق کے بعد قضا کی نیت کی جائے تو قضا درست نہیں یہ روزہ نفل ہو جائے گا اور قضا کا روزہ پھر رکھنا واجب ہے۔

۷۔ اگر رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں، اور ان کی قضا رکھنے کا موقع نہ مل سکا ہو کہ دوسرا رمضان آ گیا تو اب رمضان کے ادا روزے رکھے قضا کے روزے رمضان کے بعد رکھے۔

۸۔ کسی نے شک کے دن میں رمضان کا روزہ رکھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آج تو شعبان کی ۳۰ تاریخ ہے۔ تو یہ روزہ نفلی ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ہوگا[1] اور اگر معلوم

---

[1] عین الہدایہ، جلد ۱، صفحہ ۸۷۵

ہونے کے بعد توڑ دے تو اس کی قضا واجب نہ ہوگی اس لیے کہ فعل مظنون میں قضا واجب نہیں ہوتی اور اگر یہ معلوم ہوا کہ آج یکم رمضان ہے تو پھر وہ رمضان کا روزہ قرار پائے گا۔

کفارہ اور اس کے مسائل

رمضان کا روزہ فاسد ہو جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے جائیں۔ درمیان میں کوئی ناغہ نہ کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے پورے ساٹھ (۶۰) روزے رکھے جائیں اور ناغے سے پہلے جو روزے رکھ لیے تھے ان کا شمار نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو تو پھر ساٹھ (۶۰) محتاجوں کو صبح وشام پیٹ بھر کھانا کھلانا واجب ہے[1]۔

۱۔ خواتین کے لیے کفارے میں یہ سہولت ہے کہ حیض کی وجہ سے ناغہ ہو جانے سے کفارہ کا تسلسل ختم نہ ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد ناغہ نہ کریں۔ پاک ہوتے ہی پھر روزے رکھنے شروع کر دیں۔

۲۔ کفارے کے روزے رکھنے کے دوران اگر نفاس کا زمانہ آ جائے تو اس سے بھی کفارے کا تسلسل ختم ہو جائے گا اور نئے سرے سے پھر دو مہینے کے پورے روزے رکھنا واجب ہوں گے۔

۳۔ کفارے کے روزوں کے دوران اگر ماہِ رمضان آ جائے تو پہلے رمضان کے روزے رکھے۔

۴۔ اگر ایک ہی رمضان کے دوران ایک سے زائد روزے فاسد ہو گئے ہوں تو سب کے لیے ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔

۵۔ اگر کسی پر ایک کفارہ واجب ہوا اور وہ بھی ادا کرنے نہیں پایا تھا کہ دوسرا واجب ہو

---

[1] جہاں غلام آزاد کرنا ممکن ہو اور استطاعت بھی ہو، عام حالت میں پہلے غلام آزاد کرنا ہی واجب ہے۔

گیا تو صرف ایک ہی کفارہ دونوں کے لیے واجب ہوگا چاہے یہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں۔ بشرطیکہ روزہ فاسد ہونے کی وجہ جنسی فعل نہ ہو۔ جنسی فعل کے سبب جتنے روزے فاسد ہوں ان کا کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا چاہے پہلا کفارہ ادا نہ کر پایا ہو۔

۶۔ ساٹھ محتاجوں میں یہ لحاظ ضروری ہے کہ محتاج پوری عمر کے ہوں۔ اگر بالکل چھوٹی عمر کے بچوں کو کھلایا، تو ان کے بدلے پھر پوری عمر کے محتاجوں کو کھلانا ضروری ہے۔

۷۔ کھانا کھلانے کے بجائے غلّہ دینا بھی جائز ہے[1] اور یہ بھی جائز ہے کہ قیمت ادا کر دی جائے۔

۸۔ محتاجوں کو کھانا کھلانے میں اپنے عام معیار کا لحاظ رکھے۔ نہ زیادہ بڑھیا واجب ہے اور نہ یہ صحیح ہے کہ سوکھی روٹی ہی دے دی جائے۔

۹۔ اگر مسکینوں کو کھانا کھلانے میں تسلسل نہ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں، کفارہ صحیح ہو جائے گا۔

۱۰۔ اگر ایک ہی محتاج کو ساٹھ دن تک صبح و شام کھانا دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا اور یہی صورت غلہ یا اس کی قیمت دینے میں بھی ہے۔

فدیہ

جو شخص بڑھاپے کے باعث انتہائی کمزور ہو گیا ہو یا ایسی شدید بیماری میں مبتلا ہو کہ بظاہر صحت مند ہونے کی توقع جاتی رہی ہو اور وہ روزہ رکھنے کی سکت نہ رکھتا ہو، تو شریعت نے ایسے لوگوں کو رخصت دی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر روزے کے بدلے ایک محتاج کو فدیہ ادا کر دیں۔ فدیے میں کھانا بھی کھلایا جا سکتا ہے، غلہ بھی دیا جا سکتا ہے اور غلے کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

فدیے کی مقدار:

ایک فقیر کو صدقۂ[2] فطر کے بقدر غلہ دینا یا اتنے غلے کی قیمت ادا کر دینا اور یہ بھی درست

---

[1] غلہ صدقۂ فطر کے بقدر دینا واجب ہے۔ اس سے کم دیا تو کفارہ صحیح نہ ہوگا۔ صدقۂ فطر کی مقدار صفحہ نمبر ۹۶ پر دیکھیے۔

[2] صدقۂ فطر کا بیان، صفحہ ۹۲ پر دیکھیے۔

ہے کہ ہر روزے کے بدلے صبح وشام دونوں وقت کسی محتاج کو کھانا کھلا دیں۔ کھانا کھلانے میں اپنے کھانے پینے کے عام معیار کو سامنے رکھ کر اوسط درجے کا کھانا کھلائیں یا دیں۔

فدیے کے مسائل:

۱۔ فدیہ ادا کرنے کے باوجود اگر مریض کی صحت خدا کے فضل سے بحال ہو جائے تو روزوں کی قضا واجب ہے اور جو فدیہ ادا کیا جا چکا ہے، اس کا اجر وثواب بھی خدا عطا کرے گا۔

۲۔ کسی کے ذمے کچھ قضا کے روزے تھے، مرتے وقت اس نے وصیت کی کہ میرے مال میں سے ان کا فدیہ ادا کر دیا جائے۔ اگر ان قضا روزوں کا سارا فدیہ چھوڑے ہوئے ایک تہائی[1] مال کے بقدر ہے تو فدیہ ادا کرنا واجب ہے اور اگر فدیے کی قیمت زیادہ بن رہی ہے اور تہائی مال کی مقدار کم ہے۔ تب تہائی مال سے زائد فدیے میں ادا کرنا اُسی وقت جائز ہے جب وارث برضا ورغبت اس کی اجازت دیں، البتہ اس صورت میں بھی نابالغ وارثوں کی اجازت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

۳۔ اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو اور وارث بطور خود چھوٹے ہوئے روزوں کا فدیہ ادا کر دیں تب بھی درست ہے اور خدا کی ذات سے توقع ہے کہ وہ فدیے کو قبول فرمالے اور روزوں کا مواخذہ نہ فرمائے۔

۴۔ ہر وقت کی نماز کا فدیہ بھی اتنا ہی ہے جتنا ایک روزے کا ہے اور یہ خیال رہے کہ دن میں پانچ فرض نمازیں ہیں اور ایک وتر کی واجب نماز لہٰذا چھ نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ کسی کی نمازیں چھوٹ گئی ہوں اور وہ مرتے وقت وصیت کر جائے کہ اس کے مال میں سے نمازوں کا فدیہ ادا کر دیا جائے تو اس کے احکام بھی وہی ہیں جو روزے کے فدیے کے ہیں۔

---

[1] تجہیز وتکفین کے سارے معقول مصارف کرنے اور اگر قرض ہو تو اس کو ادا کرنے کے بعد جو مال بچے اس کی تہائی مراد ہے۔

۶۔ مرنے والے کی طرف سے اگر وارث روزے رکھ لیں یا اس کی قضا نمازیں پڑھ لیں، تو یہ درست نہیں۔

۷۔ معمولی سی بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ قضا کرنا اور یہ خیال کرنا کہ پھر قضا رکھ لیں گے، یا فدیہ ادا کر کے یہ سمجھنا کہ روزے کا حق ادا ہو گیا صحیح نہیں۔ رمضان کا روزہ اسی صورت میں چھوڑے جب واقعی روزہ رکھنے کی سکت نہ ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس شخص نے رمضان کا کوئی ایک روزہ بھی کسی عذر اور بیماری کے بغیر چھوڑ دیا تو عمر بھر کے روزے رکھنے سے بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

روزے کے متفرق احکام وآداب

۱۔ جولوگ کسی وجہ سے روزہ رکھنے سے معذور ہوں ان کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ رمضان المبارک میں کھلم کھلا نہ کھائیں اور بظاہر روزہ داروں کی طرح رہیں۔

۲۔ جن لوگوں میں وہ ساری شرائط موجود ہوں جن کے ہوتے روزہ رکھنا صحیح بھی ہے اور واجب بھی۔ پھر کسی وجہ سے ان کا روزہ فاسد ہو جائے تو ان پر واجب ہے کہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہیں اور کھانے پینے اور جنسی افعال سے پرہیز کریں۔

۳۔ کوئی مسافر نصف النہار کے بعد اپنے گھر پہنچ جائے یا کہیں قیام کا ارادہ کر لے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے پرہیز کرے۔ اسی طرح کوئی خاتون اگر نصف النہار کے بعد حیض یا نفاس سے پاک ہو جائے تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ شام تک کھانے پینے سے پرہیز کرے۔

۴۔ اگر کوئی شخص قصداً روزہ فاسد کر دے، یا کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ رات باقی ہے صبح صادق کے بعد کھانا کھالے، تو اس کے لیے بھی واجب ہے کہ وہ دن کے باقی حصے میں روزے داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے وغیرہ سے اجتناب کرے۔

۵۔ اگر بچہ نصف النہار کے بعد بالغ ہو جائے یا کوئی غیر مسلم ایمان لے آئے۔ تو اس کے لیے بھی مستحب ہے کہ شام تک روزے دار کی طرح کھانے پینے وغیرہ سے رُکا رہے۔

۶۔ اگر روزہ رکھنے کے بعد کسی خاتون کو حیض آ جائے تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا لیکن اس کے لیے بھی مستحب یہی ہے کہ روزے داروں کی طرح رہے اور کھانے پینے سے اجتناب کرے۔

نفلی روزوں کی فضیلت اور مسائل

ماہِ شوال کے چھ روزے:

ان روزوں کو عرفِ عام میں ششِ عید کے روزے کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ان کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال میں چھ روزے رکھے تو اس نے گویا ہمیشہ روزے رکھے۔ (مسلم، ابوداؤد، الترغیب)

نیز آپؐ نے فرمایا ہے:

جس نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا گویا آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔ (مسلم، ابوداؤد)

۱۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ روزے عید کے بعد لگا تار رکھے جائیں، لگا تار بھی رکھے جا سکتے ہیں اور بیچ میں ناغہ کر کے بھی رکھے جا سکتے ہیں۔

۲۔ یہ بہتر ہے کہ شوال کی دوسری تاریخ سے ان روزوں کی ابتدا کر دی جائے لیکن ضروری نہیں۔ پورے مہینے میں جس طرح بھی سہولت ہو۔ چھ روزے رکھ لیے جائیں۔

یومِ عاشورہ کا روزہ:

محرم کی دسویں تاریخ کو یومِ عاشورہ کہتے ہیں۔ اس دن مکے کے قریش بھی روزہ رکھتے تھے اور خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھاتے تھے، اور اس روزے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب آپؐ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود اس دن روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو بھی تاکید فرمائی کہ روزہ رکھیں۔

''حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ نے یہود کو یومِ عاشورہ (یعنی محرم کی دسویں تاریخ) کا روزہ

رکھتے دیکھا، تو آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا:

تمھارے نزدیک اس دن کی کیا خاص اہمیت ہے کہ تم اس دن روزہ رکھتے ہو؟

ان لوگوں نے جواب دیا:

ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے۔ اسی دن خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات بخشی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا، تو حضرت (موسیٰ علیہ السلام) نے خدا کے اس احسان کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا تھا، پس ہم اسی لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

موسیٰ علیہ السلام سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں (کہ اس دن روزہ رکھیں) پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری، مسلم)

بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کے ساتھ نویں تاریخ یا گیارہویں تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے تا کہ اس دن کی فضیلت بھی حاصل رہے اور یہود کے ساتھ مشابہت بھی نہ رہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی یہ روزہ رکھنے لگے اور صحابہ کرامؓ کو بھی رکھنے کی تاکید فرماتے، تو صحابۂ کرامؓ نے آپؐ سے عرض کیا:

یارسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں۔ (ہم روزہ رکھتے ہیں تو ان کے ساتھ تشابہ ہوتا ہے)۔

آپؐ نے فرمایا:

جب اگلا سال آئے گا تو ان شاء اللہ ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (مسلم)

یومِ عرفہ کا روزہ:

حج کے مہینے کی نویں تاریخ کو یومِ عرفہ کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس دن کے

روزے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

میں خدا کی ذات سے امید رکھتا ہوں کہ یومِ عرفہ کا روزہ آنے والے سال اور گزرے ہوئے سال دونوں کے لیے کفارہ قرار پائے گا۔ (جامع ترمذی)

نیز آپؐ نے فرمایا:

عرفہ کے دن روزہ رکھنے کا اجر وثواب ایک ہزار دنوں کے روزوں کے برابر ہے۔ (الترغیب)

نبی اکرم ﷺ اس روزے کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ یومِ عرفہ سے پہلے کے آٹھ دنوں میں روزہ رکھنے کا بھی بڑا اجر وثواب ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

دنوں میں کسی دن کی عبادت بھی خدا کو اتنی محبوب نہیں ہے جتنی ذُوالحجہ کے ابتدائی عشرے میں محبوب ہے۔ اس عشرے کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس میں ہر رات کی نفل نماز شبِ قدر کے نوافل جیسی ہے۔

ایامِ بیض کے روزے:

ایام بیض سے مراد ہر مہینے کی ۱۳ر، ۱۴ر ۱۵ر تاریخ ہے، یہ چاندنی کے خاص دن ہیں۔ اسی لیے ان کو ایامِ بیض کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ ان روزوں کی بڑی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت قتادہ بن ملحانؓ کا بیان ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ ہمیں تاکید فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھا کریں، اور فرماتے تھے کہ یہ تین روزے اجر وثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

پیر اور جمعرات کا روزہ:

نبی اکرم ﷺ خود بھی پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے اور صحابۂ کرامؓ کو بھی ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی، نسائی)

اور امت کو ترغیب دیتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اعمال کی ایک پیشی پیر اور جمعرات کو ہوتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزے سے ہوں۔ (جامع ترمذی)

ایک بار صحابۂ کرامؓ نے آپؐ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا تو ارشاد فرمایا:

اسی دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر قرآنِ پاک نازل ہونا شروع ہوا۔ (مسلم)

نفلی روزوں کے متفرق مسائل

۱۔ نفلی روزہ رکھ لینے کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے فاسد ہو جائے یا فاسد کر دیا جائے تو اس کی قضا رکھنا واجب ہے۔

۲۔ نفلی روزہ بھی بغیر کسی عذر کے توڑنا جائز نہیں البتہ نفل روزہ فرض روزے کے مقابلے میں معمولی عذر کی وجہ سے بھی توڑا جا سکتا ہے۔

۳۔ اگر کسی نے روزے دار کی دعوت کی اور یہ خیال کیا کہ مہمان کے نہ کھانے سے میزبان ناراض ہو جائے گا یا وہ مہمان کے بغیر کھانے کے لیے آمادہ نہ ہو یا میزبان کی دل شکنی کا خیال ہو تو اس صورت میں روزے توڑنا جائز ہے۔ روزہ دار کو چاہیے کہ اس کی قضا رکھ لے۔

۴۔ خواتین کے لیے رمضان کے روزوں کے سوا دوسرا کوئی بھی روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کسی خاتون نے رکھ لیا ہے اور شوہر روزہ توڑنے کا حکم دے تو توڑ دینا ضروری ہے۔ پھر اس روزے کی قضا بھی شوہر کی اجازت ہی سے رکھے۔

۵۔ اگر کوئی شخص ان دنوں کے روزوں کی نذر مانے جن میں روزے رکھنا حرام ہیں۔ مثلاً عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ایام تو اس کو چاہیے کہ ان کے بجائے دوسرے دنوں میں رکھے۔

۶۔ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا اور اس کے یہاں مہمان آ گیا اور خیال یہ ہے کہ اس نے

مہمان کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ خفا ہو جائے گا تو اس صورت میں بھی نفلی روزہ توڑنا جائز ہے۔

۷۔ کسی نے عید کے دن کے روزے کی نیت کی اور روزہ رکھ بھی لیا، اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ روزہ توڑ دے اور اس روزے کی قضا بھی نہیں ہے۔

۸۔ رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنا درست نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: کوئی شخص رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ مگر ہاں جو شخص اس دن روزہ رکھتا ہو وہ رکھ لے۔ (بخاری)

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

نمازِ تراویح کا بیان

تراویح، ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ کے معنی ہیں آرام لینے کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا، لیکن اصطلاح میں ترویحہ سے مراد وہ جلسۂ استراحت ہے جو رمضان المبارک کی راتوں میں پڑھی جانے والی مسنون نماز کے دوران ہر چار رکعت کے بعد کیا جاتا ہے اور چونکہ اس بیس رکعت نماز کے دوران پانچ تراویح کرتے ہیں اس لیے اس مسنون نماز کو تراویح کہنے لگے۔

نمازِ تراویح کا حکم:

نمازِ تراویح سنتِ مؤکدہ[1] ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کا اہتمام فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے بھی۔ جو شخص کسی عذر کے بغیر تراویح کی نماز ترک کرے گا، گنہگار ہوگا۔ یہ جس طرح مَردوں کے لیے سنتِ مؤکدہ ہے اسی طرح خواتین کے لیے بھی سنتِ مؤکدہ ہے[2]۔ پھر یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ نمازِ تراویح روزے کے تابع نہیں ہے یعنی یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ تراویح پڑھنا صرف اسی کے لیے ضروری ہے جس نے دن میں روزہ رکھا ہو۔ دونوں الگ الگ عبادتیں ہیں۔ جو لوگ کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکیں، مثلاً کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو اور روزہ نہ رکھے یا خواتین حیض ونفاس کی حالت میں ہوں اور تراویح کے وقت پاک صاف ہو جائیں تو ان کو نمازِ تراویح پڑھنا چاہیے۔ نہ پڑھنے کی صورت میں ترکِ سنت کا گناہ لازم آئے گا۔

نمازِ تراویح کی فضیلت:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہِ شعبان کی آخری تاریخ کو رمضان المبارک کے استقبال میں نہایت ہی مؤثر خطبہ دیا اور فرمایا کہ: اس مہینے کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کی راتوں میں اللہ نے تراویح پڑھنا نفل[3] کر دیا ہے۔

جو شخص اس مہینے میں کوئی ایک کام اپنے دل کی خوشی سے بطورِ خود کرے گا تو اس کا اجر

۱۔ روافض کے علاوہ ہر مسلک والے تراویح کو مسنون کہتے ہیں۔ ۲۔ درمختار۔

۳۔ یعنی فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے، اس لیے کہ فرض کے مقابلے میں نفل، سنت اور مستحب سب کے لیے بولا جاتا ہے۔

وثواب اتنا ہوگا جتنا دوسرے مہینوں میں فرض کا ہوتا ہے[1]۔

ایک اور حدیث میں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے:

جس نے رمضان کی راتوں میں ایمانی کیفیت اور اجر آخرت کی نیت کے ساتھ نماز (تراویح) پڑھی، اللہ اس کے وہ سارے گناہ معاف کردے گا جو اس سے سرزد ہو چکے ہیں[2]۔

نمازِ تراویح کا وقت:

جس شب میں رمضان کا چاند نظر آئے اسی شب سے تراویح شروع کی جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تو تراویح چھوڑ دی جائے۔ تراویح پڑھنے کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے۔ اگر کوئی عشاء کی نماز سے پہلے تراویح پڑھ لے تو وہ نماز تراویح نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے نماز عشاء کے بعد تراویح پڑھی اور بعد میں کسی وجہ سے نمازِ عشاء کا دُہرانا ضروری ہو گیا تو اس صورت میں تراویح کی نماز بھی دہرانی چاہیے[3]۔

البتہ مستحب یہ ہے کہ تہائی رات کے بعد نصف شب سے پہلے پہلے تراویح کی نماز پڑھ لی جائے، نصف شب کے بعد پڑھنا جائز تو ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے[4]۔

نمازِ تراویح کی جماعت:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان المبارک میں تین شب، یعنی ۲۳ / ۲۵ / اور ۲۷ / رمضان کو تراویح کی نماز جماعت سے پڑھائی، پھر جب آپؐ نے صحابہؓ کا ذوق وشوق اور کثرت دیکھی تو آپ مسجد میں تشریف نہ لائے۔ صحابہؓ سمجھے کہ شاید آپ سو گئے اور دروازے پر آکر

۱۔ مشکوٰۃ روایت سلمان فارسیؓ پوری روایت کافی طویل ہے۔ یہاں اس کا صرف ایک ٹکڑا نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ متفق علیہ ۳۔ درِ مختار۔

۴۔ تراویح کیلئے افضل وقت کون سا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اول وقت کو افضل بتاتے ہوئے بڑی وزنی دلیل دی ہے: ''اس امر میں اختلاف ہے کہ تراویح کے لیے افضل وقت کون سا ہے؟ عشاء کا وقت یا تہجد کا؟ دلائل دونوں کے حق میں ہیں، مگر زیادہ تر رجحان آخر وقت ہی کی طرف ہے، البتہ اول وقت کی ترجیح کے لیے یہ بات بہت وزنی ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی اوّل وقت ہی کی تراویح پڑھ سکتے ہیں، آخر وقت اختیار کرنے کی صورت میں امت کے سواد اعظم کا اس ثواب سے محروم رہ جانا ایک بڑا نقصان ہے اور اگر چند صلحا آخر وقت کی فضیلت سے مستفید ہونے کی خاطر اول وقت کی جماعت میں شریک نہ ہوں تو اس سے یہ اندیشہ ہے کہ عوام الناس یا تو ان صلحا سے بدگمان ہوں یا ان کی عدم شرکت کی وجہ سے خود ہی تراویح چھوڑ بیٹھیں، یا پھر، ان صلحا کو اپنی تہجد خوانی کا ڈھنڈورا پیٹنے پر مجبور ہونا پڑے۔'' (رسائل ومسائل، حصہ دوم، صفحہ نمبر ۲۳۱، زیر عنوان رمضان میں قیام اللیل۔)

آپ کو پکارنے لگے تو آپؐ نے فرمایا: خدا تمھارے ذوق وشوق میں اور برکت دے، میں اس اندیشے کی وجہ سے باہر نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے، اور تم ہمیشہ اس کی پابندی نہ کر سکو گے، اس لیے تم اس کو اپنے گھروں میں پڑھتے رہو، کیونکہ نفلی نمازوں کا گھروں میں پڑھنا زیادہ باعث اجر و برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث سے صرف اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح جماعت سے پڑھنا جائز ہے۔ اس لیے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین شب جماعت سے تراویح پڑھائیں۔ اور آپؐ کے بعد بھی صحابۂ کرامؓ متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں تراویح باجماعت پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اس کی باقاعدہ جماعت قائم فرمائی اور صحابہ کرامؓ نے بسر و چشم اس کو قبول کیا۔

اور بعد میں کسی خلیفہ نے اس سنت کی مخالفت نہیں کی، اس لیے علما نے تراویح کی جماعت کو سنتِ مؤکدہ کفایہ کہا ہے[1]۔

ا۔ نمازِ تراویح کی جماعت کے بارے میں کسی نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے سوال کیا تھا، اس سوال کا جواب مولانا نے بڑی وضاحت سے دیا ہے جس سے اس مسئلے پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ذیل میں ہم یہ سوال و جواب نقل کرتے ہیں۔

سوال: علمائے کرام بالعموم یہ کہتے ہیں کہ تراویح اول وقت میں (عشاء کی نماز کے متصل) پڑھنا افضل ہے اور تراویح کی جماعت سنتِ مؤکدہ کفایہ ہے۔ یعنی اگر کسی محلے میں تراویح باجماعت نہ ادا کی جائے، تو اہل محلہ گنہگار ہوں گے اور دو آدمیوں نے بھی مل کر مسجد میں تراویح پڑھ لی تو سب کے ذمے سے ترک جماعت کا گناہ ساقط ہو جائے گا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے زمانے میں کیوں ایسا نہیں ہوا؟ اور اس زمانے کے مسلمانوں کے لیے کیا حکم ہوگا؟ کیا وہ سب تراویح باجماعت نہ پڑھنے کی وجہ سے گناہگار تھے؟

جواب: حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانے تک باقاعدہ ایک جماعت میں سب لوگوں کے تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج نہ تھا۔ بلکہ لوگ یا تو اپنے گھروں میں پڑھتے تھے۔ یا مسجد میں متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ اس تفریق کو دور کر کے سب لوگوں کو ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ کے پاس یہ حجت موجود تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سلسلے کو یہ فرما کر بند کر دیا تھا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے، اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گزر جانے کے بعد اس امر کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا کہ کسی کے فعل سے یہ چیز فرض قرار پا سکے گی۔ اس لیے حضرت عمرؓ کے تفقہ کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے، کہ انھوں نے شارع کے منشا کو ٹھیک سمجھا، اور امت میں ایک صحیح طریقے کو رائج فرما دیا۔ صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا، بلکہ بسر و چشم اسے قبول کرنا، یہ بات ثابت کرتا ہے کہ آپ نے شارع کے اس منشا کو بھی ٹھیک ٹھیک پورا کیا، کہ "اسے فرض کے درجے میں نہ کر دیا جائے۔" چنانچہ کم از کم ایک بار تو ان کا خود تراویح میں شریک نہ ہونا ثابت ہے، جبکہ وہ عبدالرحمن بن عبد کے ساتھ نکلے اور مسجد میں لوگوں کو تراویح پڑھتے دیکھ کر اظہارِ تحسین فرمایا اور علما جس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جس بستی یا محلے میں سرے سے نماز تراویح باجماعت ادا ہی نہ کی جائے اس محلے کے سب لوگ گناہگار ہیں وہ یہ ہے کہ تراویح ایک سنت الاسلام ہے جو عہد خلافت راشدہ سے تمام امت میں جاری ہے۔ ایک ایسے اسلامی طریقے کو چھوڑ دینا اور بستی کے سارے ہی مسلمانوں کا مل کر چھوڑ دینا، دین سے ایک عام بے پرواہی کی علامت ہے، جس کو اگر گوارا کر لیا جائے تو رفتہ رفتہ وہاں سے تمام اسلامی طریقوں کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

نمازِ تراویح کی رکعتیں:

نمازِ تراویح کی بیس رکعتیں اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہیں[1]۔ بیس رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے اور ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھا جائے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں، ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے۔ ہاں اگر یہ محسوس ہو کہ مقتدی اتنی دیر تک بیٹھنے میں پریشانی محسوس کرتے ہیں تو پھر اتنی دیر تک نہ بیٹھنا چاہیے، بلکہ مقتدیوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

ترویحہ میں کیا عمل کیا جائے؟

ترویحہ کی حالت میں نمازی کو اختیار حاصل ہے۔ چاہے خاموش بیٹھا رہے، چاہے ذکر و تسبیح پڑھے، چاہے نوافل پڑھے۔ مکہ معظّمہ میں لوگ بیٹھنے کے بجائے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے ہیں۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ترویحہ میں یہ دعا پڑھی جائے۔

سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظْمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ ، سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَايَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ ، رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ ، اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَامُجِيْرُ يَامُجِيْرُ

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک آٹھ رکعت پڑھنا ہی سنت ہے، ان کے نزدیک بیس رکعتیں پڑھنا سنت سے ثابت نہیں ہے۔ بیشتر روائتیں آٹھ رکعت ہی کی ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی جس روایت میں بیس رکعتوں کا ذکر ہے وہ ان حدیثوں کے مقابلے میں ضعیف ہے۔

مولانا مودودیؒ نے اس مسئلے کے ذیل میں جو اظہار خیال فرمایا ہے، نیچے ہم اس کو نقل کرتے ہیں:

''حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو باتفاق صحابہؓ بیس رکعتیں پڑھی جاتیں تھیں اور اسی کی پیروی حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی ہوئی، تینوں خلفاء کا اس پر اتفاق اور پھر صحابہؓ کا اس میں اختلاف نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد سے لوگ تراویح کی بیس ہی رکعتوں کے عادی تھے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ تینوں بیس ہی رکعت کے قائل ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا بھی اسی کے حق میں ہے۔ داؤد ظاہریؒ نے بھی اس کو سنت ثابتہ تسلیم کیا ہے۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز اور حضرت ابان بن عثمانؒ نے بیس کے بجائے ۳۶ رکعتیں پڑھنے کا جو طریقہ شروع کیا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفائے راشدین کی تحقیق کے خلاف تھی، بلکہ ان کے پیش نظر یہ تھا کہ مکہ سے باہر کے لوگ ثواب میں اہل مکہ کے برابر ہو جائیں، اہل مکہ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد کعبے کا طواف کرتے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ہر طواف کے بدلے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں، یہ طریقہ چوں کہ اہلِ مدینہ میں رائج تھا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے بعد میں ۲۰ کے بجائے ۳۶ کے حق میں فتویٰ دے دیا۔''

یَامُجِیْرُ۔

پاک وبرتر ہے حکومت واقتدار والا، پاک وبرتر ہے عزت وعظمت، ہیبت وقدرت اور بڑائی اور دبدبے والا، پاک وبرتر ہے وہ زندہ جاوید بادشاہ جو نہ سوتا ہے اور نہ اس کے لیے فنا ہے، نہایت پاک عیوب سے منزّہ، ہمارا پروردگار اور فرشتوں کا پروردگار اور جبریل کا پروردگار۔ اے اللہ! ہم کو دوزخ کے عذاب سے نجات دے۔ اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے، اے پناہ دینے والے۔

نمازِ وتر کی جماعت

صرف رمضان المبارک ہی میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا ثابت ہے۔ رمضان المبارک کے علاوہ دوسرے مہینوں میں وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا جائز نہیں[1]۔ جو لوگ تنہا نماز تراویح اَدا کریں وہ بھی نمازِ وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں لیکن جو لوگ تراویح کی نماز جماعت سے ادا کریں ان کے لیے تو ضروری ہے کہ وہ وتر کی نماز جماعت سے پڑھیں۔ تراویح کی سنت نماز جماعت سے پڑھ کر وتر کی واجب نماز تنہا پڑھنا درست نہیں اور اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھ کر سو جائے اور پھر تہجد کے وقت وتر نماز تنہا ادا کرے۔

تراویح میں ختمِ قرآن

رمضان المبارک کے پورے مہینے میں ایک بار پورا قرآنِ پاک ترتیب وار ختم کرنا سنتِ مؤکّدہ[2] ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال رمضان المبارک میں حضرت جبریل امین کو پورا قرآن سنایا کرتے تھے۔ اور جس سال آپؐ دنیا سے رخصت ہوئے اس سال آپؐ نے دوبار حضرت جبریلؑ کو قرآن سنایا۔ آپؐ نے امت کو بھی اس پر ابھارا اور فرمایا:

روزہ اور قرآن مومن کے لیے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا: اے میرے رب! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے (پینے) اور دوسری لذتوں سے روکا تو یہ رُکا رہا، تو اے

۱۔ ولا یصلی الوتر بجماعۃ فی غیر شھر رمضان علیہ اجماع المسلمین۔ (ہدایہ جلد ۱، صفحہ ۱۳۱)

۲۔ علم الفقہ، جلد ۲، صفحہ ۵۳۔

میرے رب! اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو شب میں سونے (اور آرام کرنے) سے روکا (اور یہ اپنی میٹھی نیند چھوڑ کر تیرے حضور کھڑا قرآن پڑھتا رہا تو اے پروردگار!) اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ پس اللہ ان دونوں ہی سفارشوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے گا[1]۔

صحابۂ کرامؓ نے بھی اس سنت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت عمرؓ تراویح کی نماز باجماعت اور اس میں پورا قرآن سنانے کے لیے خاص اہتمام فرماتے تھے۔ دین سے عام بے پروائی، لوگوں کی کاہلی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑنا ہرگز صحیح نہیں۔ کم از کم ایک بار تو تراویح میں پورا قرآن سننے اور سنانے کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے اور جہاں لوگوں میں ذوق وشوق اور عبادت وتلاوت سے شغف محسوس ہو اور یہ بھی اطمینان ہو کہ قرآن پاک پوری دل بستگی اور آداب کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر اس طرح پڑھا جاسکے گا کہ اس کی تلاوت کا حق ادا ہو تو پھر ایک سے زیادہ ختم کرنا بھی پسندیدہ ہے۔ البتہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ختم کرنا صحیح نہیں۔ اس لیے اس صورت میں تلاوتِ قرآن کا حق ادا نہ ہوسکے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کی کیفیت حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ آپؐ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کرکے پڑھا کرتے تھے اور آپؐ نے امت کو ترتیل اور ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قرآن پڑھنے والے سے قیامت کے روز کہا جائے گا جس ٹھہراؤ اور خوش الحانی کے ساتھ تم دنیا میں بنا سنوار کر قرآن پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ۔ تمھارا ٹھکانا تمھاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔ (جامع ترمذی)

ضروری ہدایت:

اگر کہیں نماز وقرآن سے شغف میں غیر معمولی کمی ہو، اور مقتدیوں کی عام سستی اور غفلت کی وجہ سے یہ اندیشہ ہو کہ اگر تراویح میں پورا قرآن پڑھنے کا اہتمام ہوا تو نہ صرف یہ کہ لوگوں پر یہ بار ہوگا بلکہ ممکن ہے لوگ مسجد میں آنے اور جماعت سے نماز پڑھنے سے بھی

---

[1] مشکوٰۃ روایت عبداللہ ابن عمرؓ۔

کترانے لگیں تو بہتر یہی ہے کہ ختم قرآن کا اہتمام نہ کیا جائے اور مختصر سورتوں ہی سے تراویح پڑھی جائیں تاکہ تراویح کی سنت سے لوگ محروم نہ رہیں۔ بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے تراویح میں محض قرآن سننے اور سنانے ہی کو اصل مقصود سمجھتے ہیں اور تراویح کی نماز میں سکون واعتدال اور خشوع وخضوع کا بالکل لحاظ نہیں کرتے حالانکہ یہی نماز کی جان ہے، اور پھر ایسے لوگ جو رواں دواں پورا قرآن تراویح میں سن لیتے ہیں تو پھر نہ وہ تراویح پڑھنے کا کوئی اہتمام کرتے ہیں اور نہ جماعت سے تراویح پڑھنے کے لیے مسجد آنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ طرزِ فکر انتہائی غلط ہے اگر پورا قرآن سننے کا موقع نہ ہو یا قرآن ختم ہو جائے تب بھی تراویح کی نماز ایک مستقل سنتِ مؤکدہ ہے، اس کے اہتمام میں ہرگز غفلت نہ برتنا چاہیے۔

نمازِ تراویح کے متفرق مسائل

۱۔ تراویح کی نیت اس طرح کرے۔ نیت کرتا ہوں کہ دو رکعت سنت تراویح پڑھوں، اور پھر دو رکعت کی نیت باندھ کر سلام کے ساتھ بیس رکعتیں پوری کرے۔

۲۔ نمازِ وتر تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے لیکن کسی وجہ سے اگر کچھ تراویح پڑھنے سے پہلے یا ساری ہی تراویح پڑھنے سے پہلے نماز وتر پڑھ لی جائے تو یہ بھی جائز ہے[1]۔

۳۔ اگر کوئی مقتدی دیر سے آیا اور اس کی کچھ تراویح باقی تھیں کہ امام وتروں کے لیے کھڑا ہو گیا تو اس کو چاہیے کہ وتر امام کے پیچھے پڑھ لے اور اپنی باقی تراویح بعد میں پوری کر لے۔

۴۔ چار رکعت پڑھنے کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھ کر آرام لینا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھی گئی ہیں، لیکن جہاں اتنی دیر بیٹھنا مقتدیوں پر بار ہونے لگے تو وہاں تھوڑی دیر بیٹھنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

۵۔ اگر کوئی شخص عشاء کے فرض پڑھے بغیر تراویح کی نماز میں شریک ہو گیا تو اس کی تراویح درست نہیں۔ اس کو چاہیے کہ پہلے عشاء کی نماز پڑھے پھر تراویح ادا

---

[1] علم الفقہ، جلد دوم، صفحہ ۵۳، بحوالہ درمختار۔

کرے۔ تراویح کا وقت عشاء کے فرضوں کے بعد ہے۔

۶۔ اگر کسی نے عشاء کے فرض جماعت سے ادا کیے اور تراویح جماعت سے نہیں پڑھیں، اس کے لیے بھی وتر کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

۷۔ اگر کسی شخص نے عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ بھی نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔

۸۔ کسی عذر کے بغیر بیٹھ کر تراویح پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ کوئی عذر ہو تو بیٹھ کر پڑھنا درست ہے۔

۹۔ جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے نہ پڑھ سکا ہو اس کے لیے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا درست ہے۔

۱۰۔ فرض اور وتر ایک امام پڑھائے اور تراویح دوسرا امام پڑھائے یہ بھی درست ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ فرض اور وتر کی امامت خود فرماتے اور تراویح کی امامت حضرت ابی ابن کعبؓ فرمایا کرتے تھے۔

۱۱۔ اگر تراویح کی کچھ رکعتیں کسی وجہ سے فاسد ہو جائیں اور ان کا اعادہ کرنا ضروری ہے تو پھر قرآنِ پاک کے اس حصے کا اعادہ بھی کرنا چاہیے جو فاسد شدہ رکعتوں میں پڑھا گیا تا کہ قرآن صحیح نماز میں ہو۔

۱۲۔ تراویح میں دوسری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے امام کھڑا ہو گیا اگر تیسری رکعت کے سجدے سے پہلے پہلے یاد آ جائے یا کوئی مقتدی یاد دلا دے تو امام کو چاہیے کہ قعدہ میں بیٹھ جائے اور تشہد پڑھ کر سجدۂ سہو کرے۔ پھر نماز پوری کر کے سلام پھیر دے۔ یہ دونوں رکعتیں صحیح ہوں گی۔ اور اگر تیسری رکعت کا سجدہ کرنے کے بعد یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چار رکعتیں پوری کرے۔ اس صورت میں یہ چار رکعتیں دو رکعتوں کے قائم مقام ہوں گی۔

۱۳۔ اگر امام دوسری رکعت میں قعدہ کے لیے بیٹھا۔ پھر بھولے سے تیسری رکعت کے

لیے اٹھ کھڑا ہوا اور اس صورت میں چار رکعتیں پوری کیں، صحیح شمار ہوں گی۔

۱۴۔ جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو، ان کے لیے تراویح کی نماز جماعت سے پڑھنا درست نہیں، اس لیے کہ فرض نماز تنہا پڑھ کر نفل نماز جماعت سے پڑھنا، نفل کو فرض پر ترجیح دینا ہے اور یہ درست نہیں۔

۱۵۔ جو لوگ فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح جماعت سے پڑھ رہے ہوں، ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جنھوں نے فرض نماز جماعت سے نہیں پڑھی ہے، اس لیے کہ یہ لوگ ان لوگوں کے تابع سمجھے جائیں گے جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر تراویح باجماعت پڑھ رہے ہیں۔

۱۶۔ اگر کوئی شخص مسجد میں ایسے وقت پہنچا جب عشاء کے فرض ہو چکے ہوں تو وہ پہلے فرض ادا کرے، پھر تراویح میں شریک ہو، اور تراویح کی جو رکعتیں رہ گئی ہوں ان کو یا تو ان وقفوں میں ادا کرے، جب امام ترویحہ میں بیٹھا ہو، یا پھر وتر جماعت سے ادا کر کے بعد میں پڑھے۔

۱۷۔ جن لوگوں نے عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھی ہو، بلکہ تنہا پڑھی ہو وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتے ہیں جو فرض نماز جماعت سے پڑھ کر وتر باجماعت پڑھ رہے ہوں۔

۱۸۔ آج کے دَور میں شبینہ کا جس طرح رواج ہو گیا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ پڑھنے والا انتہائی بے پرواہی کے ساتھ رواں دواں پڑھتا جاتا ہے، نہ اس کو صحیح اور غلط کی فکر ہوتی ہے، نہ آدابِ تلاوت کا لحاظ ہوتا ہے، اور نہ اس سے اثر لینے اور ہدایت پانے ہی کا کوئی احساس ہوتا ہے۔ بس کسی طرح ختم کر لینا ہی مقصود ہوتا ہے۔ پھر مقتدیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بس چند افراد تو امام کے پیچھے ضرور کھڑے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی اکثر چند رکعت ہی امام کے پیچھے پڑھتے ہیں۔ ورنہ عام طور پر لوگ پیچھے بیٹھے گفتگو میں مصروف ہوتے ہیں۔ کچھ بیٹھے بیٹھے داد دیتے رہتے

ہیں، کچھ تفریحی انداز کی گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن نہیں ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی تھی اور جس کو صحابۂ کرام سنت سمجھ کر اس کا اہتمام فرماتے تھے۔ یہ درحقیقت قرآن کے ساتھ صریح ظلم ہے اور قیامِ لیل اور تلاوتِ قرآن کے مقصد کے ساتھ مذاق ہے۔ قرآن میں ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ ص 29:38

یہ کتاب خیر و برکت کا سرچشمہ ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل و فکر والے اس سے سبق لیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن پڑھا اس نے ہرگز قرآن کو نہیں سمجھا۔ (جامع ترمذی)

اور قرآنِ پاک میں ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ الاعراف 204:7

اور جب قرآن پاک پڑھا جائے تو پوری توجہ کے ساتھ سنو۔

۱۹۔ تراویح میں قرآنِ پاک پڑھنے کی صورت میں ضروری ہے کہ کسی ایک سورت کے شروع میں بلند آواز سے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم'' پڑھی جائے۔ اس لیے کہ یہ قرآن کی ایک آیت ہے۔ پورا قرآنِ پاک ختم کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو پڑھے اور پورا قرآنِ پاک سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو سنے۔ اس لیے حافظ کو چاہیے کہ وہ بلند آواز سے پڑھے۔ عام طور پر لوگ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' کے شروع میں ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم'' پڑھتے ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں، جس سورت کے شروع میں چاہیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ کبھی تو قصداً کسی دوسری سورت کے شروع میں پڑھنا چاہیے تاکہ لوگ ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' کے شروع میں پڑھنا ضروری نہ سمجھنے لگیں البتہ جن لوگوں کے نزدیک یہ ہر سُورت کی ایک آیت ہے۔ ان کو تراویح میں ہر سورت کے شروع میں پڑھنا چاہیے[1]۔

---

[1] حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' قرآنِ مجید کی ایک آیت ہے، البتہ امام شافعیؒ اور مکہ اور کوفہ کے قراء کا مسلک یہ ہے کہ یہ ہر سُورت کی ایک آیت ہے۔

۲۰۔ تراویح میں بعض لوگ تین بار ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' پڑھتے ہیں۔ایسا کرنا مکروہ ہے[1]

۲۱۔ قرآنِ پاک ختم کرنے کے بعد فوراً دوسرا قرآن شروع کر دینا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ خدا کو یہ بات بہت پسند ہے کہ جب ایک بار قرآنِ پاک ختم ہو تو فوراً دوسرا شروع کر دیا جائے اور دوسرا شروع کر کے اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک پہنچا کر چھوڑ دیا جائے[2]۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

۱ بعض فقہاء نے ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' کو تین بار پڑھنا مستحب کہا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب قرآن نماز میں نہ پڑھا جا رہا ہو بلکہ نماز کے باہر پڑھا جا رہا ہو۔

۲ علم الفقہ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۴۔

تلاوتِ قرآن کے آداب

۱۔ طہارت:

قرآنِ پاک خدائے قدوس کا نہایت مقدس اور باعظمت کلام ہے۔ اس کو ہاتھ لگانے اور تلاوت کرنے کے لیے طہارت اور پاکی کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیے۔ اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا چاہیے اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ واقعہ 79:56

اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو نہایت پاک ہیں۔

حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں قرآن سننا تو جائز ہے، لیکن پڑھنا اور چھونا ممنوع ہے، وضو کے بغیر پڑھنا تو صحیح ہے لیکن چھونا مناسب نہیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ:

نبیؐ ہر حال میں تلاوت فرمایا کرتے تھے، باوضو بھی اور بے وضو بھی، البتہ جنابت کی حالت میں کبھی تلاوت نہ فرماتے۔

حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

حیض والی خاتون اور جنابت والا آدمی قرآن میں سے کچھ نہ پڑھے۔ (ترمذی شریف)

(یعنی ناپاکی کی حالت میں قرآنِ حکیم کو ہاتھ نہ لگائے۔)

۲۔ اخلاصِ نیت:

قرآن کی تلاوت کے وقت اخلاصِ نیت کا پورا پورا اہتمام کرنا چاہیے تلاوت کا مقصود محض خدا کی رضا اور طلبِ ہدایت ہونا چاہیے۔ لوگوں کو اس کے ذریعے اپنا گرویدہ بنانا، اپنی خوش الحانی پر فخر کرنا اور اپنی دینداری کی دھاک بٹھانا اور لوگوں سے تعریف کی خواہش رکھنا، انتہائی گھٹیا مقاصد ہیں۔ ایسے ریاکار اور دنیا پرست قرآن خواں، قرآن سے ہرگز ہدایت نہیں پاتے۔ یہ لوگ قرآنِ پاک کی تلاوت کے باوجود قرآن سے بہت دور رہتے ہیں۔ دراصل جو دل گندے خیالات، رکیک جذبات اور ناپاک مقاصد سے آلودہ ہے اس

کو نہ تو قرآن کی عظمت وشان کا شعور ہی ہوسکتا ہے اور نہ وہ قرآن کے معارف وحقائق میں سے حصہ پاسکتا ہے۔

۳۔ پابندی اور التزام:

قرآن کی تلاوت روزانہ پابندی کے ساتھ کرنی چاہیے۔ بلاناغہ روزانہ قرآنِ پاک کا کچھ حصہ پڑھنا مستحب ہے، تلاوت کسی وقت بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن موزوں ترین وقت صبح کا ہے، اور جن خوش نصیبوں کو خدا نے حفظِ قرآن کی سعادت سے نوازا ہے ان کے لیے تو روزانہ پڑھتے رہنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر قرآنِ پاک یاد نہیں رہتا اور قرآن پاک یاد کرنے کے بعد بھول جانا سخت گناہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس شخص نے قرآن پاک حفظ کرلیا اور پھر بھلا دیا وہ قیامت کے دن جذامی ہوگا۔

(صحیح بخاری)

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

قرآن کی فکر رکھو ورنہ یہ تمھارے سینوں سے نکل جائے گا۔ خدا کی قسم! جس طرح اونٹ بھاگ جاتا ہے، جس کی رسی ڈھیلی ہوگئی ہو، ٹھیک اسی طرح معمولی غفلت اور لاپرواہی کے باعث قرآن سینے سے بھاگ نکلتا ہے۔ (صحیح مسلم)

اور آپؐ نے پابندی کے ساتھ تلاوت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

جس شخص نے قرآن پڑھا، اور روزانہ پابندی سے اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک سے بھری ہوئی زنبیل کہ اس کی خوشبو چارسو مہک رہی ہے۔ اور جس نے قرآن پڑھا لیکن وہ اس کی تلاوت نہیں کرتا، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک سے بھری ہوئی بوتل کہ اس کو ڈاٹ لگا کر بند کردیا گیا ہے۔ (ترمذی شریف)

اور آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا ارشاد ہے:

جو بندہ قرآن کی تلاوت میں اس قدر مشغول ہو کہ وہ مجھ سے دعا مانگنے کا موقع نہ پا

سکے، تو میں اس کو مانگے بغیر ہی مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ (ترمذی شریف)

۴۔ تجوید وخوش الحانی:

ذوق وشوق، خوش الحانی اور دل بستگی کے ساتھ تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ (ابوداؤد) اس سے پڑھنے والے کے دل پر بھی اثر پڑتا ہے اور سننے والے کو بھی روحانی سرور ملتا اور جذبۂ عمل بیدار ہوتا ہے۔ بے دلی کے ساتھ رواں دواں پڑھنا اور صحت حروف کا لحاظ نہ رکھنا مکروہ ہے، اور صحیح صحیح قرآن پڑھنا واجب ہے۔ ش، ق، اور ح، خ، ع، ء وغیرہ حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنا، اور وقف ملانے کے مواقع کو جاننا اور صاف صاف ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھنا ضروری ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

اپنے لہجہ اور حُسنِ آواز سے قرآن کو آراستہ کرو[1]۔

اور آپؐ نے فرمایا:

جو شخص خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔ (دارمی)

اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کے بے پایاں اجر وانعام کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا۔ جس ٹھہراؤ اور جس خوش الحانی کے ساتھ تم دنیا میں قرآن کو بنا سنوار کر پڑھا کرتے تھے، اسی طرح قرآن پڑھو، اور ہر آیت کے صلے میں ایک درجہ بلند ہوتے جاؤ، تمھارا ٹھکانا تمھاری تلاوت کی آخری آیت کے قریب ہے۔ (دارمی)

البتہ پڑھنے میں گانے کی طرح زیر وبم پیدا کرنا، اور راگ کا سا انداز اختیار کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

---

[1] لیکن اس کا لحاظ رہے کہ تصنع اور بناوٹ نہ ہونے لگے بلکہ فطری انداز میں سادگی کے ساتھ پڑھنا چاہیے تاکہ دل خدا کی طرف متوجہ رہے اور نمود ونمائش کا جذبہ نہ پیدا ہونے پائے۔

۵۔ قرآن سننے کا اہتمام:

قرآنِ پاک ذوق وشوق کے ساتھ سننے کا بھی اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت خالدؓ بن معدان کی روایت ہے کہ قرآن سننے کا اجر وثواب قرآن پڑھنے سے دہرا ہے۔ (داری)

نبیؐ کو دوسروں سے قرآن پڑھوا کر سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک بار حضرت عبدؓ اللہ بن مسعود سے آپؐ نے فرمایا:

مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔

حضرت عبدؓ اللہ بن مسعود نے کہا:

حضورؐ میں آپ کو سناؤں؟ آپؐ پر تو قرآنِ پاک نازل ہوا ہے؟

ارشاد فرمایا:

ہاں سناؤ، مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا پڑھے اور میں سنوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ النساء 4:41

پھر سوچو اس وقت کیا حال ہوگا۔ جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپؐ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، بس۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''میں نے آپؐ کو دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوموسیٰؓ نہایت عمدہ قرآن پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ کی ملاقات جب کبھی حضرت ابوموسیٰؓ سے ہوتی تو فرماتے ابوموسیٰ! ہمیں اپنے پروردگار کی یاد دلاؤ اور ابوموسیٰ قرآن کی تلاوت شروع کر دیتے۔ (سننِ داری)

۶۔ غور وتدبر:

قرآنِ پاک کو سوچ سمجھ کر پڑھنے، اس کی آیات پر غور وفکر کرنے اور اس کی دعوت وحکمت کو جذب کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے اور اسی عزم وجذبے کے ساتھ تلاوت کرنی

چاہیے کہ اس کے اوامر کو بجالانا ہے اور اس کی نواہی سے بچنا ہے۔ خدا کی کتاب اسی لیے نازل ہوئی ہے کہ اس کو سوچ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کے احکام پر عمل کیا جائے۔ خدا کا ارشاد ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ ص 29:38

کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے بڑی برکت والی ہے تا کہ وہ اس کی آیات پر غور وفکر کریں۔ اور اہل عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔

قرآنِ پاک کا تھوڑا سا حصہ سوچ سمجھ کر پڑھنا، اور اس کے حقائق ومعارف پر غور وفکر کرنا اس سے بہتر ہے کہ آدمی غفلت کے ساتھ فرفر کئی کئی سورتیں پڑھ جائے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے:

میں ''اَلْقَارِعَة'' اور ''اَلْقَدْر'' جیسی چھوٹی چھوٹی سورتوں کو سوچ سمجھ کر پڑھنا اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ ''اَلْبَقَرَة'' اور ''اٰلِ عِمْرٰن'' جیسی بڑی بڑی سورتیں فَرفَر پڑھ جاؤں اور کچھ نہ سمجھوں۔

نفل نمازوں میں یہ بھی جائز ہے کہ آدمی ایک ہی سورت یا ایک ہی آیت بار بار دہرائے، اس کی حقیقت وحکمت پر غور کرے، اس سے اثر لے، اور والہانہ انداز میں بار بار اس کی تلاوت کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ ساری رات،

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

المائدہ 118:5

اے خدا! اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تُو انتہائی زبردست اور نہایت حکمت والا ہے۔

ایک ہی آیت کو دہراتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

بلاشبہ قرآن کے معانی اور مطالب جانے بغیر تلاوت کا بھی بڑا اجر وثواب ہے لیکن وہ تلاوت جس سے قلب وروح کا تزکیہ ہو اور جذبۂ عمل میں بیداری پیدا ہو، وہی ہے جو سمجھ سمجھ کر کی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں، جس طرح لوہا پانی سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! پھر اس زنگ کو دُور کرنے کی تدبیر کیا ہے؟ فرمایا: (۱) کثرت سے موت کو یاد کرنا اور (۲) قرآن کی تلاوت کرنا۔

تورات میں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی کہ اگر سفر کے دوران تیرے بھائی کا خط تیرے پاس سرِ راہ پہنچتا ہے تو تُو ٹھہر جاتا ہے، یا راستے سے الگ ہو بیٹھتا ہے، اور اس کے ایک ایک حرف کو پڑھتا اور اس میں غور و فکر کرتا ہے، اور یہ کتاب (تورات) میرا فرمان ہے جو میں نے تجھے لکھا ہے کہ تو اس میں برابر غور و فکر کرتا رہے اور اس کے احکام پر عمل کرے، لیکن تُو تو اس سے انکار کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے جی چراتا ہے، اور اگر پڑھتا بھی ہے تو غور و فکر نہیں کرتا۔ (کیمیائے سعادت صفحہ ۱۱۴)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

اسلاف کو پورا پورا یقین تھا کہ قرآن خدا کا فرمان ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے، چنانچہ وہ راتوں کو غور و فکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے اور دن کو اس کے احکام پر عمل کرتے، تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ بس اس کے الفاظ پڑھتے ہو، اس کے حروف کے زیر وزبر درست کرتے ہو اور رہا عمل تو اس میں نہایت سست اور کوتاہ ہو۔ (کیمیائے سعادت)

۷۔ یکسوئی اور عاجزی:

تلاوت نہایت توجہ، آمادگی، عاجزی اور یکسوئی کے ساتھ قبلہ رُخ بیٹھ کر کرنی چاہیے۔ تلاوت کے وقت غفلت اور لاپرواہی کے ساتھ ادھر اُدھر دیکھنا، یا کسی سے بات چیت کرنا یا کسی اور ایسے کام میں مشغول ہونا، جس سے یکسوئی میں خلل پڑتا ہو، مکروہ ہے۔

۸۔ تعوّذ و تسمیہ:

تلاوت شروع کرتے وقت پہلے

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمَ ○

پڑھنی چاہیے اور اگر درمیان میں کسی دوسرے کام کی طرف توجہ کرنی پڑ جائے یا کسی سے بات چیت کرنی پڑ جائے تو پھر اَعُوْذُ بِاللّٰہِ دہرا لینی چاہیے نماز سے باہر ہر سورت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا مستحب ہے اور سورۂ ''بَرَاءَۃ''[1] کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ نہ پڑھنی چاہیے۔

۹۔ اثر پذیری:

تلاوت کے دوران قرآنِ پاک کے مضامین سے اثر لینا اور اس کا اظہار کرنا مستحب[2] ہے۔ جب انعام واکرام اور جنت کی لازوال نعمتوں کا ذکر ہو اور مومنوں کو رحمت ومغفرت، فلاح وکامرانی اور خدا کی رضا اور دیدار کی بشارت دی جا رہی ہو تو مسرت اور سرور کا اظہارِ خیال کرنا چاہیے۔ اور جب خدا کے غیظ وغضب، جہنم کے ہولناک عذاب، اہل جہنم کی چیخ وپکار کا تذکرہ اور انداز وعید کی آیتیں پڑھی جا رہی ہوں، تو اس پر غمزدہ ہو کر رونا چاہیے، اور اگر اپنی غفلت اور سنگدلی کی وجہ سے رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے اور غمزدہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوتِ قرآن کے وقت جب عذاب کی آیت پڑھتے تو حق تعالیٰ سے رحمت کی دُعا فرماتے اور جب تنزیہہ کی آیت پڑھتے تو تسبیح پڑھتے۔ (کیمیائے سعادت، ۱۱۵)

۱۰۔ آواز میں اعتدال:

تلاوت نہ تو انتہائی بلند آواز سے کیجئے اور نہ نہایت پست آواز سے، بلکہ اعتدال کے ساتھ ایسی درمیانی آواز سے پڑھیے کہ آپ کا دل بھی متوجہ رہے اور سننے والوں کے شوق میں بھی اضافہ ہو اور غور وفکر کی طرف بھی طبیعت متوجہ ہو۔ قرآن کی ہدایت ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ○ بنی اسرائیل 110:17

اور اپنی نماز میں نہ تو زیادہ زور سے پڑھیے اور نہ بالکل ہی دھیرے دھیرے، بلکہ دونوں کے درمیان کا انداز اختیار کیجیے۔

---

[1] ''بَرَاءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ'' دسویں پارے کی دوسری سُورت ہے جس کو سورۂ توبہ بھی کہتے ہیں۔

[2] لیکن اس معاملے میں آدمی کو انتہائی ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ریاکاری آدمی کے اچھے سے اچھے عمل کو برباد کر ڈالتی ہے۔

۱۱۔ تہجد میں تلاوت کا اہتمام:

تلاوت جب بھی کی جائے، باعثِ اجروثواب ہے اور موجب رشد وہدایت ہے۔ لیکن خاص طور پر تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت، تلاوت قرآن کی فضیلت کا سب سے اونچا درجہ ہے اور مومن کی تمنا ہونی ہی چاہیے کہ وہ فضیلت کا اونچے سے اونچا درجہ حاصل کرے۔ تہجد کا سہانا وقت، نمود ونمائش اور ریاو تصنع سے حفاظت اور خلوص وللّٰہیت اور توجہ الی اللہ کا موزوں ترین وقت ہے۔ بالخصوص جب آدمی خدا کے حضور کھڑے ہو کر یکسوئی اور طبیعت کی آمادگی کے ساتھ کتابُ اللہ کی تلاوت کر رہا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تہجد میں طویل تلاوت کا اہتمام فرماتے تھے۔

۱۲۔ قرآن میں دیکھ کر تلاوت کا اہتمام:

نماز کے باہر تلاوت کرتے وقت قرآنِ پاک میں دیکھ کر تلاوت کرنا زیادہ موجب اجروثواب ہے، ایک تو تلاوت کا اجر اور دوسرے کلامُ اللہ کو ہاتھ میں لینے اور اس کی زیارت سے مشرف ہونے کا اجروثواب ہے[1]۔

۱۳۔ ترتیب کا لحاظ:

قرآنِ پاک کی سورتوں کو اسی ترتیب سے پڑھنا چاہیے جس ترتیب سے قرآن میں ہیں۔ البتہ چھوٹے بچوں کی سہولت کے پیش نظر اس ترتیب کے خلاف پڑھنا، جیسا کہ آج کل پارۂ عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ پڑھایا جاتا ہے، کسی کراہت کے بغیر جائز ہے[2]۔ البتہ آیتوں کو قرآن کی ترتیب کے خلاف پڑھنا بالاتفاق ممنوع ہے[3]۔

۱۴۔ دل بستگی اور انہماک:

بعض لوگ دوسرے وظائف اور اذکار تو بڑی دل بستگی اور انہماک کے ساتھ پڑھتے ہیں اور گھنٹوں پڑھتے رہتے ہیں لیکن قرآن کی تلاوت اس دل بستگی اور انہماک کے ساتھ

---

۱ الاتقان۔ ۲ ردالمختار۔ ۳ الاتقان

نہیں کرتے، درانحالیکہ قرآن سے بڑھ کر نہ کوئی ذکر و وظیفہ ہوسکتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی عبادت ہوسکتی ہے۔ قرآن پر دوسرے اذکار و وظائف کو ترجیح دینا فہم دین کی کوتاہی بھی ہے اور گناہ بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

بندہ تلاوتِ قرآن ہی کے ذریعے خدا سے سب سے زیادہ قرب حاصل کرتا ہے[1]۔

اور آپؐ نے فرمایا:

میری امت کے لیے سب سے بہتر عبادت قرآن کی تلاوت ہے۔

۱۵۔ تلاوت کے بعد دُعا:

تلاوت سے فارغ ہو کر ذیل کی دعا پڑھنا مسنون ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تلاوت سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ وَاجْعَلْہُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْہُ مَانَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْہُ مَاجَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَہٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لِیْ حُجَّۃً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اے اللہ! تو مجھ پر اس قرآن کے صدقے میں رحم فرما، اور اس کو میرا پیشوا، میرے لیے نور وہدایت اور رحمت بنادے، اے اللہ! میں اس میں سے جو کچھ بھول جاؤں وہ مجھے یاد کرادے، اور جو کچھ میں نہیں جانتا وہ سکھادے اور مجھے توفیق دے کہ میں شب کے کچھ حصے میں اور صبح وشام اس کی تلاوت کروں، اور اے ربُّ العالمین تو اس کو میرے حق میں حجت بنادے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

[1] کیمیائے سعادت۔ تلاوتِ قرآن کا بیان۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

سجدۂ تلاوت کا حکم:

قرآنِ مجید میں چودہ[1] آیتیں ایسی ہیں جن کو پڑھنے سے یا سننے سے سجدہ کرنا واجب[2] ہوجاتا ہے، چاہے پوری آیت پڑھی جائے یا سجدہ والے لفظ[3] کو اگلے پچھلے الفاظ کے ساتھ پڑھ لیا جائے، سجدہ واجب ہوجاتا ہے، اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جب آدمی سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک گوشے میں بیٹھ کر آہ و بکا کرنے لگتا ہے، اور کہتا ہے ہائے افسوس! آدمؑ کی اولاد کو سجدے کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا اور جنت کی مستحق ہوگئی، اور مجھے سجدے کا حکم دیا گیا تو میں نے انکار کردیا اور میں نارِ جہنم کا مستحق ہوا[4]۔

سجدۂ تلاوت کے مقامات:

قرآنِ پاک میں ایسی آیتیں جن کے پڑھنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے۔ کل چودہ ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ سورۂ الاعراف، آیت ۲۰۶:

اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ۝

بلاشبہ جو فرشتے آپ کے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی بڑائی کے غرور میں آ کر اس کی بندگی بجالانے سے منہ نہیں موڑتے، وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز رہتے ہیں۔

۱۔ اہل حدیث کے نزدیک پندرہ آیتیں ہیں۔ وہ سورۃ الحج آیت: ۷۷ پر بھی سجدہ کرتے ہیں۔ (اسلامی تعلیم، حصہ دوم)

۲۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ بعض دوسرے علما کے نزدیک سجدۂ تلاوت سنت ہے۔

۳۔ ایسے الفاظ کو نمایاں کرنے کے لیے ان پر خط کھینچ دیا گیا ہے، دیکھیے سجدۂ تلاوت کے مقامات۔

۴۔ صحیح مسلم، ابن ماجہ۔

۲۔ سورۂ الرّعد، آیت ۱۵:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

اور اللہ ہی ہے جس کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز چار و ناچار سجدہ کر رہی ہے، اور ان سب چیزوں کے سایے صبح و شام اس کے آگے جھکتے ہیں۔

۳۔ سورۂ النحل، آیت ۴۹، ۵۰:

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

اور اللہ ہی کے حضور سجدہ ریز ہیں آسمانوں اور زمین کے سارے جاں دار اور فرشتے، اور وہ ہرگز (اس کی بندگی سے) سرتابی نہیں کرتے، وہ اپنے رب سے جو اُن کے اُوپر ہے، ڈرتے رہتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے۔

۴۔ سُورۂ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۹:

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝

اور وہ (قرآن سن کر) روتے ہوئے منہ کے بل گر جاتے ہیں اور اُن کا خشوع اور بڑھ جاتا ہے۔

۵۔ سُورۂ مریم، آیت ۵۸:

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝

جب ان کو رحمن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔

۶۔ سُورۂ الحج، آیت ۱۸:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے حضور وہ ساری مخلوق سربسجود ہے، جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین

میں ہے، اور سورج اور چاند اور تارے، اور پہاڑ، اور درخت، اور جانور بہت سے انسان، اور بہت سے وہ لوگ ہیں، جن پر خدا کا عذاب لازم ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کر دے اُسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۷۔ سُورۂ الفرقان، آیت ۶۰:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝

اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اس رحمن کو سجدہ کرو، تو جواب دیتے ہیں یہ رحمن کیا ہوتا ہے؟ کیا بس جسے تم کہہ دو اسی کو ہم سجدہ کرنے لگ جائیں، اور یہ دعوت ان کی نفرت اور بیزاری میں الٹا اور اضافہ کر دیتی ہے۔

۸۔ سورۂ النمل، آیت ۲۵۔۲۶:

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

کہ وہ اس اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں نکالتا ہے، اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔ جسے تم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو، اللہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

۹۔ سُورۂ السجدہ، آیت ۱۵:

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

ہماری آیات پر تو بس وہ لوگ ایمان لاتے ہیں، جنھیں یہ آیتیں سنا کر جب یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور غرور میں آ کر (اس کی بندگی سے) سرتابی نہیں کرتے۔

۱۰۔ سُورۂ صٓ، آیت ۲۴۔۲۵:

وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

اور (داؤد علیہ السلام) سجدے میں گر گئے اور رجوع کر لیا، تب ہم نے ان کا وہ قصور معاف کر دیا، اور یقیناً ہمارے ہاں ان کے لیے تقرب کا مقام اور بہتر انجام ہے۔

۱۱۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ، آیت ۳۸:

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ۝

اگر یہ لوگ غرور میں دین سے بے نیازی دکھائیں تو (کوئی پرواہ نہیں) جو فرشتے آپ کے رب کے حضور مقرب ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔

۱۲۔ سُورۂ النجم، آیت ۶۲:

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۝

پس سجدہ کرو واسطے اللہ تعالیٰ کے اور (اسی کی) عبادت کرو۔

۱۳۔ سورۂ انشقاق، آیت ۲۰۔۲۱:

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ۝

تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔

۱۴۔ سورۂ العلق، آیت ۱۹:

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۝

اور سجدہ کرو اور (خدا کا) قرب حاصل کرو۔

سجدۂ تلاوت کی شرطیں

سجدۂ تلاوت کی شرطیں چار ہیں[1]:

۱۔ طہارت:

جسم کا پاک ہونا، یعنی جسم نجاستِ غلیظہ سے بھی پاک ہو اور نجاست حکمیہ سے بھی، اگر وضو نہ ہو تو وضو کر لینا اور اگر غسل کی حاجت ہو تو غسل کر لینا ضروری ہے۔

☆ لباس کا پاک ہونا۔

☆ جائے نماز کا پاک ہونا۔

۲۔ ستر چھپانا۔

۳۔ قبلے کی طرف منہ کرنا۔

۴۔ سجدۂ تلاوت[2] کی نیت کرنا۔

لیکن یہ نیت کرنا شرط نہیں ہے کہ یہ سجدہ فلاں آیت کا ہے اور اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر کیا جائے تو نیت بھی شرط نہیں ہے۔

۱؎ یعنی جو شرطیں نماز کی ہیں، وہی سجدۂ تلاوت کی ہیں اور جن چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے انھی چیزوں سے سجدۂ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

۲؎ جمہور کا مسلک تو یہی ہے لیکن بعض علما کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ علمائے اہل حدیث کے نزدیک باوضو تلاوت کرنا افضل تو ہے لیکن بغیر وضو کیے بھی جائز ہے۔ (اسلامی تعلیم، حصہ دوم)

علامہ مودودیؒ سجدۂ تلاوت کی شرائط میں گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس سجدے کے لیے جمہور انھی شرائط کے قائل ہیں، جو نماز کی شرطیں ہیں۔ یعنی باوضو ہونا، قبلہ رُخ ہونا اور نماز کی طرح سجدے میں سر زمین پر رکھنا لیکن جتنی احادیث سجود تلاوت کے باب میں ہم کو ملی ہیں ان میں کہیں ان شرطوں کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آیت سجدہ سن کر جو شخص جہاں جس حال میں ہو، جھک جائے۔ خواہ باوضو ہو یا نہ ہو، خواہ استقبال قبلہ ممکن ہو یا نہ ہو۔ خواہ زمین پر سر رکھنے کا موقع ہو یا نہ ہو۔ سلف میں بھی ہم کو ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کا عمل اس طریقے پر تھا۔ چنانچہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ وضو کے بغیر سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور ابوعبدالرحمن سلمی کے متعلق فتح الباری میں لکھا ہے کہ وہ راستہ چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھتے جاتے تھے اور اگر کہیں آیتِ سجدہ آجاتی تو بس سر جھکا لیتے تھے۔ خواہ باوضو ہوں یا نہ ہوں اور خواہ قبلہ رُخ ہوں یا نہ ہوں ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جمہور کے خلاف عمل کرے تو اُسے ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ جمہور کی تائید میں کوئی سنتِ ثابتہ موجود نہیں ہے اور سلف میں ایسے لوگ پائے گئے ہیں جن کا عمل جمہور کے مسلک کے خلاف تھا۔ (تفہیم القرآن، جلد دوم، الاعراف، حاشیہ ۱۵۷)

سجدۂ تلاوت کا طریقہ:

قبلہ رو کھڑے ہو کر سجدۂ تلاوت کی نیت کرے اور اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں جائے اور سجدہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہو، نہ تشہد میں بیٹھنے کی ضرورت ہے اور نہ سلام پھیرنے کی۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے: جب تم سجدے کی آیت پر پہنچو، تو اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جاؤ اور جب سجدہ سے سر اٹھاؤ، تو اللہ اکبر کہو (ابوداؤد) سجدۂ تلاوت بیٹھے بیٹھے بھی کر سکتے ہیں لیکن کھڑے ہو کر سجدے میں جانا مستحب ہے۔

سجدۂ تلاوت میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے علاوہ دوسری مسنون تسبیحیں بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فرض نمازوں میں سجدۂ تلاوت کیا جائے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا بہتر ہے۔

البتہ نوافل میں اور نماز کے باہر آیتِ سجدہ پڑھے تو سجدۂ تلاوت میں جو تسبیحیں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہ تسبیح پڑھ سکتے ہیں:

سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ)

میرا چہرہ اس کے حضور سجدہ ریز ہے۔ جس نے اسے حسین پیدا کیا، اور اُس میں کان اور آنکھ وضع کیے یہ سب اسی کی طاقت وقوت سے ہے۔ اللہ رفعت و برکت کا سرچشمہ ہے، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے مسائل

۱۔ سجدۂ تلاوت انھی لوگوں پر واجب ہے جن پر نماز واجب ہے، حیض ونفاس والی خاتون اور نابالغ بچے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں، اور ایسے مدہوش پر بھی واجب نہیں ہے جس کی مدہوشی پر ایک دن رات سے زیادہ گزر چکا ہو۔

۲۔ اگر سجدے کی آیت نماز میں پڑھی ہے تو فوراً سجدہ کرنا واجب ہے، تاخیر کرنے کی اجازت نہیں اور اگر نماز کے باہر سجدے کی آیت پڑھی تو بہتر ہے کہ فوراً سجدہ کر لیا

جائے، لیکن تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ بلاوجہ زیادہ تاخیر کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔

۳۔ اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی ہے تو یہ سجدہ اسی نماز میں ادا کرنا واجب ہے۔ نہ نماز کے باہر ادا کرنا جائز ہے اور نہ کسی دوسری نماز میں یہ سجدہ ادا کرنا جائز ہے۔ اگر کوئی آیت سجدہ پڑھ کر اس نماز میں سجدہ کرنا بھول جائے تو اس کی تلافی کی شکل اس کے سوا کچھ نہیں کہ توبہ واستغفار کرے۔ ہاں اگر یہ نماز فاسد ہو جائے تو یہ سجدہ نماز کے باہر ادا کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو یا پڑھا رہا ہو اور کسی دوسرے سے آیت سنے چاہے وہ دوسرا آدمی نماز میں پڑھ رہا ہو یا نماز کے باہر تو اس سننے والے نمازی یا امام پر نماز کی حالت میں سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے نماز سے فارغ ہو کر سجدۂ تلاوت ادا کرے اور اگر نماز ہی میں یہ سجدہ ادا کر لیا، تو سجدہ بھی ادا نہ ہوگا اور نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

۵۔ اگر مقتدی نے سجدے کی آیت پڑھی تو نہ امام پر سجدہ واجب ہے اور نہ مقتدی پر۔

۶۔ کسی نے امام سے سجدے کی آیت سنی لیکن وہ اس وقت جماعت میں شامل ہوا جب امام سجدہ ادا کر چکا تھا۔ اب اگر اس کو وہ رکعت مل گئی جس میں امام نے سجدۂ تلاوت ادا کیا ہے تو گویا اس کا سجدہ بھی ادا ہو گیا اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا ہے تو پھر نماز کے بعد اس کو سجدہ ادا کرنا چاہیے۔

۷۔ اگر کوئی شخص دل میں سجدے کی آیت پڑھے، زبان سے نہ پڑھے یا صرف لکھے، یا ایک ایک حرف الگ الگ کر کے پڑھے تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔

۸۔ اگر ایک ہی جگہ پر سجدے کی ایک ہی آیت بار بار پڑھی تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ اور اگر کئی آیتیں پڑھی جائیں تو جتنی آیتیں پڑھیں، اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے اور ایک ہی آیت کئی مجلسوں میں پڑھی، تو جتنی مجلسوں میں پڑھی، اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔

۹۔ تلاوت کے وقت اگر سننے والے سب وضو کے ساتھ بیٹھے ہوں اور سجدہ کر سکتے

ہوں تو سجدے کی آیت زور سے پڑھنی بہتر ہے لیکن بے وضو بیٹھے ہوں یا سجدہ کرنے کی گنجائش نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ سجدے کی آیت آہستہ پڑھی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ دوسرے وقت یہ لوگ سجدہ کرنا بھول جائیں اور گنہگار ہوں۔

۱۰۔ سجدے کی آیت سے پہلے اور بعد کی آیتوں کو پڑھنا، اور سجدے کی آیت کو چھوڑ دینا، یا پوری سورت پڑھنا اور سجدے کی آخری آیت کو چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

۱۱۔ سرّی نمازوں میں ایسی سورت نہ پڑھنی چاہیے جس میں سجدہ ہو اور اسی طرح جمعہ، عیدین یا کسی اور ایسی نماز میں جہاں غیر معمولی مجمع ہو۔ اس لیے کہ مقتدیوں کو اشتباہ ہو گا اور نماز میں خلل پڑے گا۔ (علم الفقہ، جلد دوم، ص ۱۸۱، بحوالہ بحر الرائق)

۱۲۔ بعض ناواقف لوگ قرآن پڑھتے پڑھتے آیت سجدہ پر پہنچتے ہیں تو اسی قرآن پر سجدہ کر لیتے ہیں، اس طرح سجدہ ادا نہیں ہوتا، سجدۂ تلاوت اسی طریقے سے ادا کرنا چاہیے جو اوپر بتایا گیا ہے۔

سجدۂ شکر

جب آدمی کوئی اچھی خبر سنے، یا خدا کی رحمت سے کوئی بڑی نعمت پائے یا کسی معاملے میں کامیابی حاصل ہو، یا کوئی تمنا اور آرزو پوری ہو جائے، یا کوئی آفت اور مصیبت ٹل جائے، تو خدا کے اس فضل و کرم پر سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے لیکن یہ سجدہ نماز کے فوراً بعد نہ کرنا چاہیے۔ ورنہ ناواقف لوگ یا تو اس کو نماز کا حصہ تصور کرنے لگیں گے یا اس کو سنت قرار دے کر اہتمام کرنے لگیں گے۔ یہ نماز سے الگ ایک سجدہ ہے۔ اس لیے اس کو اس طرح ادا کرنا چاہیے کہ کسی کو کوئی شبہ نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کسی قسم کی خوشی حاصل ہوتی، یا کوئی خوشخبری ملتی تو آپؐ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ فرماتے۔ (ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)

بعض ناواقف لوگ وتر کی نماز کے بعد دو سجدے کرتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں، یہ بالکل غلط ہے، اس کو سنت سمجھ کر ادا کرنا مکروہ ہے اور چونکہ اس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے

اس لیے اس کو ترک کرنا بہتر ہے۔

اعتکاف کا بیان

اعتکاف کے معنیٰ:

لغت میں کسی جگہ میں بند ہونے یا کسی مقام پر ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف سے مراد یہ ہے کہ آدمی دنیوی تعلقات ومصروفیات اور بیوی بچوں سے الگ ہوکر مسجد میں قیام کرے۔

اعتکاف کی حکمت:

اعتکاف یہی تو ہے کہ آدمی دنیوی کاروبار اور تعلقات سے کٹ کر، اور گھریلو مصروفیات اور نفسانی خواہشات سے بے تعلق ہوکر، فکر وعمل کی ساری قوتوں کو خدا کی یاد اور عبادت میں لگا دے، اور سب سے الگ تھلگ ہوکر خدا کے پڑوس میں جا بسے۔ اس عمل سے ایک طرف تو آدمی ہر طرح کی لغو باتوں اور برائیوں سے محفوظ رہے گا، دوسری طرف خدا سے اس کا تعلق مضبوط ہوگا، اس کا قرب حاصل ہوگا اور اس کی یاد اور عبادت سے قلب وروح کو سکون اور سرور محسوس ہوگا اور چند دن کی تربیت کا یہ عمل اس کے دل پر یہ گہرا اثر چھوڑے گا کہ دنیا میں اپنے چاروں طرف ہر طرح کی رنگینیاں اور دل کشیاں دیکھنے کے باوجود خدا سے تعلق مضبوط رکھے، خدا کی نافرمانی سے بچے اور اس کی اطاعت میں قلب وروح کا سکون وسرور تلاش کرے اور پوری زندگی خدا کی بندگی میں گزارے۔

اعتکاف کی قسمیں

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ واجب، مستحب، سنت مؤکدہ۔

اعتکاف واجب:

نذر کا اعتکاف واجب ہے۔ کسی نے یونہی اعتکاف کی نذر مانی یا کسی شرط کے ساتھ مانی، مثلاً یہ کہا کہ اگر میں امتحان میں کامیاب ہوگیا یا میرا فلاں کام پورا ہوا تو میں اعتکاف

کروں گا تو یہ اعتکاف واجب ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اعتکافِ مستحب:

رمضان کے اخیر عشرے کے علاوہ جو بھی اعتکاف کیا جاتا ہے وہ مستحب ہے۔ چاہے رمضان کے پہلے اور دوسرے عشرے میں کیا جائے یا کسی اور مہینے میں۔

اعتکاف سنتِ مؤکّدہ:

رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنا سنتِ مؤکّدہ کفایہ ہے، یعنی مسلمانوں کو بحیثیت اجتماعی اس سنت کا اہتمام کرنا چاہیے کیونکہ احادیث میں اس کی انتہائی تاکید کی گئی ہے، خود قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے:

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ البقرہ 187:2

اور اپنی عورتوں سے نہ ملو، جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پابندی کے ساتھ ہر سال اعتکاف فرماتے تھے۔ وفات تک آپ کا یہی معمول رہا اور کسی وجہ سے ایک سال آپؐ اعتکاف نہ کر سکے تھے تو دوسرے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا اس لیے اگر مسلمان اس سنت کو اجتماعی طور پر چھوڑ دیں گے تو سب ہی گنہگار ہوں گے اور اگر بستی کے کچھ افراد بھی اس سنت کا اہتمام کر لیں تو چونکہ یہ سنت کفایہ ہے اس لیے چند افراد کا اعتکاف سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔ لیکن یہ بات انتہائی تشویش کی ہوگی کہ پورا مسلمان معاشرہ اس سے بے پروائی برتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ محبوب سنت بالکل ہی مٹ جائے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ وفات تک آپؐ کا یہی معمول رہا اور آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج اعتکاف کا اہتمام کرتی رہیں۔ (بخاری، مسلم)

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپؐ اعتکاف نہ فرما سکے، تو

اگلے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (جامع ترمذی)

افضل ترین اعتکاف:

سب سے افضل اعتکاف وہ ہے جو خانۂ کعبہ یعنی مسجد الحرام میں کیا جائے۔ اس کے بعد وہ اعتکاف جو مسجد نبویؐ میں کیا جائے اور اس کے بعد اس اعتکاف کا درجہ ہے جو بیت المقدس میں کیا جائے۔ اس کے بعد وہ اعتکاف افضل ہے جو کسی جامع مسجد میں کیا جائے جہاں باقاعدہ جماعت سے نماز ہوتی ہو، اور اگر جامع مسجد میں نماز باجماعت کا نظم نہ ہو تو محلے کی مسجد میں جہاں نماز باجماعت کا اہتمام ہو، اور اس کے بعد ہر اُس مسجد میں اعتکاف افضل ہے جہاں نماز باجماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہوں۔

اعتکاف کی شرطیں

اعتکاف کی چار شرطیں ہیں، جن کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں۔

۱۔ مسجد میں قیام:

مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں اعتکاف کریں۔ چاہے اس مسجد میں پنج وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہو یا نہ ہو[1]۔ مسجد میں قیام کے بغیر مَردوں کا اعتکاف صحیح نہیں۔

۲۔ نیت:

نیت جس طرح دوسری عبادات کے لیے شرط ہے اسی طرح اعتکاف کے لیے بھی شرط ہے، نیت کے بغیر اعتکاف نہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص نیت کیے بغیر یونہی مسجد میں ٹھہرا رہا، تو یہ ٹھہرنا اعتکاف نہ ہوگا۔ پھر یہ ظاہر ہی ہے کہ عبادت کی نیت اُسی وقت صحیح ہے جب نیت کرنے والا مسلمان ہو اور ہوش مند بھی ہو، دیوانے اور مجنون کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

---

[1] امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یہ ضروری ہے کہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کیا جائے لیکن امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہر مسجد میں اعتکاف درست ہے اور اس زمانے میں اسی پر فتویٰ ہے۔ (ردالمحتار)

۳۔ حدث اکبر سے پاک ہونا:

یعنی مرد اور خواتین حالتِ جنابت سے پاک ہوں اور خواتین حیض ونفاس سے پاک ہوں۔

۴۔ روزہ:

اعتکاف میں روزے سے رہنا بھی شرط ہے، البتہ یہ صرف اعتکافِ واجب کے لیے شرط ہے، اعتکاف مستحب میں روزہ شرط نہیں اور اعتکافِ مسنون میں روزہ اس لیے شرط نہیں ہے کہ وہ تو رمضان میں ہی ہوتا ہے۔

اعتکاف کے احکام

۱۔ اعتکافِ واجب کم سے کم ایک دن بھر کا ہوسکتا ہے، اس سے کم کا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اعتکافِ واجب میں روزے سے رہنا ضروری ہے۔

۲۔ اعتکافِ واجب میں روزے سے ہونا ضروری تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ روزہ خاص اعتکاف کی غرض سے ہی رکھا گیا ہو۔ مثلاً کوئی شخص رمضان میں اعتکاف کی نذر مانے تو یہ اعتکاف صحیح ہوگا اور رمضان کا روزہ اعتکاف کے لیے کافی ہوگا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اعتکاف میں جو روزہ رکھا ہے وہ واجب ہو، نفلی روزہ نہ ہو۔

۳۔ اعتکافِ واجب میں کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ کی کوئی قید نہیں۔ جتنے دن کی چاہے، نیت کرلے۔

۴۔ اعتکاف مستحب کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، چند منٹ کا اعتکاف بھی صحیح ہے۔

۵۔ اعتکاف واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھنے کی نیت کرلے تب بھی اس کے لیے روزہ رکھنا لازم ہے اور اسی لیے اگر کوئی شخص صرف شب کے اعتکاف کی نیت کرے گا تو وہ لغو سمجھی جائے گی۔

۶۔ اگر کوئی شخص شب وروز کے اعتکاف کی نیت کرے یا کئی دن کے اعتکاف کی نیت کرے تو اس میں شب داخل سمجھی جائے گی اور شب میں بھی اعتکاف کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر ہو تو پھر صرف دن بھر کا اعتکاف ہی واجب ہوگا۔ شب کا اعتکاف واجب نہ ہوگا۔

۷۔ خواتین کو اپنے گھر ہی میں اعتکاف کرنا چاہیے، خواتین کے لیے کسی مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ خواتین گھر میں عام طور پر جس جگہ نماز پڑھتی ہوں اسی مقام پر پردہ وغیرہ ڈال کر اعتکاف کے لیے مخصوص کر لینا چاہیے۔

۸۔ رمضان کے اخیر عشرے میں اعتکاف چونکہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے۔ اس لیے کوشش کرنی چاہیے کہ بستی میں کچھ لوگ ضرور اس کا اہتمام کریں۔ اگر اس سنت کے اہتمام سے ایسی غفلت برتی گئی کہ بستی میں کسی نے بھی اعتکاف نہ کیا تو بستی کے سارے ہی لوگ گناہگار ہوں گے۔

۹۔ اگر اعتکاف واجب کسی وجہ سے فاسد ہو جائے تو اس کی قضا واجب ہے، البتہ اعتکافِ مسنون اور اعتکافِ مستحب کی قضا واجب نہیں۔

اعتکاف مسنون کا وقت:

اعتکافِ مسنون کا وقت رمضان کی بیس تاریخ کو غروبِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عید کا چاند نظر آتے ہی ختم ہو جاتا ہے چاہے چاند ۲۹ رمضان کو نظر آئے یا ۳۰ رمضان کو ہر حال میں اعتکافِ مسنون پورا ہو جائے گا۔

اعتکاف کرنے والا ۲۰ رمضان کو غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے مسجد میں پہنچ جائے اور اگر کوئی خاتون ہو تو اُسی وقت گھر میں اُس خاص جگہ پر پہنچ جائے جو اس نے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے بنا رکھی ہو اور عید کا چاند نظر آنے تک اپنے معتکف سے باہر نہ نکلے۔ البتہ کسی طبعی ضرورت مثلاً پیشاب پاخانے یا غسل جنابت وغیرہ یا شرعی ضرورت مثلاً نمازِ جمعہ وغیرہ کے لیے معتکف سے باہر جانا جائز ہے۔ لیکن ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً واپس اپنے

معتکف میں پہنچ جانا ضروری ہے۔

اعتکافِ واجب کا وقت:

اعتکافِ واجب کے لیے چونکہ روزہ شرط ہے اس لیے اس کا کم سے کم وقت ایک دن ہے۔ ایک دن سے کم چند گھنٹے کے لیے اعتکاف کی نذر ماننا بے معنی ہے، اس لیے کہ روزے کا وقت طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک ہے۔

اعتکافِ مستحب کا وقت:

نفلی اعتکاف کسی بھی وقت ہوسکتا ہے، نہ اس کے لیے روزہ شرط ہے، اور نہ کوئی خاص مہینہ اور وقت۔ جب بھی آدمی مسجد میں ہو، اعتکافِ مستحب کی نیت کرسکتا ہے اور مسجد میں چاہے چند لمحے ہی قیام رہے، اعتکاف کا اجر وثواب ملے گا۔

حالتِ اعتکاف میں مستحب امور:

(۱) ذکر وفکر کرنا، دینی مسائل اور معلومات پر غور کرنا، تسبیح وتہلیل میں مشغول رہنا۔

(۲) قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا، قرآن میں تدبر کرنا۔

(۳) دُرود شریف یا دوسرے اذکار کا اہتمام کرنا۔

(۴) دینی علوم پڑھنا پڑھانا۔

(۵) وعظ وتبلیغ اور نصیحت وتلقین میں مصروف ہونا۔

(۶) دینی تصنیف وتالیف کے کام میں مصروف ہونا۔

وہ اُمور جو اعتکاف میں جائز ہیں:

۱۔ پیشاب اور قضائے حاجت کے لیے اپنے معتکف سے باہر جانا جائز ہے، مگر یہ لحاظ رہے کہ یہ ضرورتیں اس جگہ پوری کی جائیں جو معتکف سے قریب ہو، اگر مسجد سے قریب کوئی جگہ نہ ہو یا جگہ تو ہو لیکن بے پردگی یا گندگی کی وجہ سے ضرورت رفع نہ ہو تو پھر اپنے گھر رفع حاجت کے لیے جانے کی اجازت ہے۔

۲۔ غسلِ جنابت کے لیے بھی معتکف سے باہر جانے کی اجازت ہے ہاں اگر مسجد میں غسل کا انتظام ہو تو پھر مسجد ہی میں غسل کرنا چاہیے۔

۳۔ کھانے کے لیے بھی مسجد سے باہر جانا جائز ہے اگر کوئی کھانا لانے والا نہ ہو اور اگر کھانا لانے والا ہو تو پھر مسجد ہی میں کھانا ضروری ہے۔

۴۔ جمعہ اور عیدین کی نماز کے لیے بھی معتکف سے باہر جانا جائز ہے اور اگر کسی ایسی مسجد میں اعتکاف کیا ہو جہاں جماعت نہ ہوتی ہو تو پنج وقتہ نماز کے لیے جانا بھی جائز ہے۔

۵۔ کہیں آگ لگ جائے یا کوئی شخص کنویں میں ڈوب رہا ہو یا کوئی کسی کو قتل کر رہا ہو یا مسجد گر جانے کا خوف ہو تو ان صورتوں میں معتکف سے باہر آنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، لیکن اعتکاف بہر حال ٹوٹ جائے گا۔

۶۔ اگر کوئی شخص کسی طبعی ضرورت مثلاً قضائے حاجت کے لیے معتکف سے نکلا یا شرعی ضرورت مثلاً نمازِ جمعہ کے لیے نکلا اور اس دوران اس نے کسی مریض کی عیادت کی یا نمازِ جنازہ میں شریک ہو گیا تو کوئی ہرج نہیں۔

۷۔ کسی بھی شرعی یا طبعی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے لیکن ضرورت پوری کر لینے کے بعد فوراً معتکف میں واپس آجائے۔

۸۔ جمعہ کی نماز کے لیے اتنی دیر پہلے جانا کہ اطمینان سے تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنتیں پڑھ لی جائیں اور جمعہ کی نماز کے بعد اتنی دیر ٹھہرنا کہ اطمینان سے بعد کی سنتیں ادا کر لی جائیں جائز ہے اور اس وقت کا اندازہ معتکف کی رائے پر ہے۔

۹۔ اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے۔ یا کوئی زبردستی معتکف سے باہر روک لیا جائے تب بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۱۰۔ اگر کسی کو کوئی قرض خواہ باہر روک دے یا وہ شخص خود بیمار ہو جائے اور معتکف تک پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تب بھی اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

۱۱۔ اگر کوئی خرید وفروخت کرنے والا نہ ہو اور گھر میں کھانے کو نہ ہو تو یہ جائز ہے کہ معتکف بقدر ضرورت خرید وفروخت کر لے۔

۱۲۔ اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا بھی جائز ہے۔

۱۳۔ اگر کسی معتکف نے اعتکاف کی نیت کرتے وقت یہ نیت کر لی تھی کہ نمازِ جنازہ کے لیے جاؤں گا تو نمازِ جنازہ کے لیے نکلنا جائز ہے اور نیت نہیں کی تھی تو جائز نہیں۔

۱۴۔ حالتِ اعتکاف میں کسی کو کوئی دینی یا طبی مشورہ دینا، نکاح کرنا، سونا، اور آرام کرنا جائز ہے۔

وہ اُمور جو اعتکاف میں ناجائز ہیں۔

۱۔ حالتِ اعتکاف میں جنسی لذت حاصل کرنا، یا عورت سے بوس وکنار کرنا، ناجائز ہے، البتہ بوس وکنار وغیرہ سے اگر انزال نہ ہو تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

۲۔ حالتِ اعتکاف میں کسی دنیوی کام میں مشغول ہونا مکروہِ تحریمی ہے البتہ مجبوری کی حالت میں جائز ہے۔

۳۔ حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش بیٹھنا مکروہِ تحریمی ہے، ذکر وفکر یا تلاوت وغیرہ میں مشغول رہنا چاہیے۔

۴۔ مسجد میں خرید وفروخت کرنا، یا لڑنا جھگڑنا، غیبت کرنا یا اور کسی طرح کی بیہودہ باتوں میں مصروف ہونا سب مکروہ ہے۔

۵۔ کسی طبعی اور شرعی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر جانا یا طبعی اور شرعی ضرورت سے باہر نکلنا اور پھر باہر ہی ٹھہر جانا جائز نہیں ہے اور اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

لیلۃ القدر

رمضان کے آخری عشرے میں ایک رات ہے جس کو قرآن نے ''لیلۃ القدر'' اور ''لیلۃ مبارکۃ'' کہا ہے اور اس کو ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے قرآن کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ الدخان 3:44

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ○ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ○ القدر 97:3-1

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو قدر و عظمت والی رات میں نازل کیا ہے، جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

لیلۃ القدر کے معنی:

قدر کے دو معنی ہیں۔

۱۔ اندازہ کرنا، وقت معین کرنا اور فیصلہ کرنا، یعنی لیلۃ القدر وہ رات ہے جس میں خدا ہر چیز کا صحیح اندازہ فرماتا ہے۔ اس کا وقت معین کرتا ہے احکام نازل فرماتا ہے اور ہر چیز کی تقدیر مقرر فرماتا ہے۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ الدخان 44:5-4

اس رات میں تمام معاملات کے نہایت محکم فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں سے حکم ہو کر۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ○ القدر 97:4

اس میں ملائکہ اور رُوح (یعنی جبریل امین) کا نزول ہوتا ہے۔ جو اپنے رب کے حکم سے تمام اُمور انجام دینے کے لیے اترتے ہیں۔

۲۔ قَدر کے دوسرے معنی ہیں، عظمت اور بزرگی۔ یعنی لیلۃ القدر وہ رات ہے جس کو خدا کے نزدیک بڑی عظمت اور فضیلت حاصل ہے اور اس کی قدر و عظمت کے لیے یہ

دلیل کافی ہے کہ خدا نے اس میں قرآن جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی۔ اس سے زیادہ عظیم تر نعمت کا نہ انسان تصور کر سکتا ہے، نہ آرزو۔ اسی خیر و برکت اور عظمت و فضیلت کی بنا پر قرآن نے اس کو ایک ہزار مہینوں سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

لیلۃ القدر کی تعیین:

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے، یعنی اکیسویں (۲۱)، تیئسویں (۲۳)، پچیسویں (۲۵)، ستائیسویں (۲۷) اور انتیسویں (۲۹) راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (صحیح بخاری)

اس رات کی واضح تعیین نہ کرنے کے بارے میں حکمت یہ ہے کہ رمضان کے اس پورے عشرے میں خاص طور سے ذکر و عبادت کا زیادہ اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت و ذکر کا وہ اہتمام فرماتے تھے جو دوسرے ایام میں نہ فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

اس شب میں زیادہ سے زیادہ قیام و سجود اور ذکر و تسبیح کی ترغیب دیتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریلؑ ملائکہ کے جھرمٹ میں زمین پر اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا خدا کی یاد اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی)

اور ارشاد فرمایا: لوگو! تم پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے، جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا اور اس شب کی خیر و برکت سے وہی محروم رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔ (ابن ماجہ)

لیلۃ القدر کی خاص دُعا:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: یا رسول اللہ! اگر مجھے یہ

معلوم ہوجائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے، تو بتایئے میں اس رات میں خدا سے کیا دعا کروں؟'' ارشاد فرمایا، یہ پڑھو:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

اے اللہ! تو بہت ہی معاف فرمانے والا اور بڑا ہی کرم والا ہے۔ معاف کردینا تجھے پسند ہے، پس تو میری خطاؤں کو معاف فرمادے۔

صدقۂ فطر کے احکام

مسلمانوں پر جس سال روزے فرض ہوئے اُسی سال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ صدقۂ فطر بھی ادا کریں۔ خدا کی فرض کی ہوئی عبادتوں کو بندہ تمام آداب وشرائط کے ساتھ ادا کرنے کا اہتمام تو کرتا ہے لیکن پھر بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر بہت سی کوتاہیاں ہوجاتی ہیں۔ روزے میں انسان سے جو کوتاہیاں ہوجاتی ہیں ان کی تلافی کے لیے شریعت نے مسلمانوں پر واجب کیا ہے کہ وہ رمضان کے آخر میں صدقۂ فطر ادا کریں اس سے ان کی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی بھی ہوگی اور نادار مسلمان فراخی اور اطمینان کے ساتھ اپنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں بھی فراہم کرکے تمام مسلمانوں کے ساتھ عید کی نماز میں شریک ہوسکیں گے۔

ہر خوشحال مسلمان جس کے پاس اپنی ضرورتوں سے زیادہ اتنا مال ہو جس کی قیمت بقدرِ نصاب ہوجائے خواہ اس مال پر زکوٰۃ واجب ہو یا نہ ہو، اس کو صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقۂ فطر عید سے دو ایک روز پہلے ہی ادا کردیا جائے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ نمازِ عید سے پہلے تو ادا کر ہی دینا چاہیے۔ نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا مستحب ہے۔

اگر گیہوں دینا ہو تو ایک سیر تین چھٹانک دے۔

اور جَو یا جَو کا آٹا دینا ہو تو دو سیر چھ چھٹانک دینا ہوں گے۔

صدقۂ فطر انھی لوگوں کو دینا چاہیے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے[1]۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

---

[1] صدقۂ فطر کا تفصیلی بیان صفحہ نمبر ۹۶ پر دیکھیے۔

باب سوم

کتابُ الحج

حج کا بیان

حج اسلام کا پانچواں اہم رکن ہے، حج کا ایک ایمان افروز تاریخی پس منظر ہے جس کو نگاہ میں رکھے بغیر حج کی عظمت وحکمت اور اصل مقصود کو سمجھنا ممکن نہیں، کفر وشرک کے طاقتور ماحول میں گھرے ہوئے ایک بندۂ مومن حضرت ابراہیمؑ نے توحیدِ خالص کا اعلان کیا اور باطل کی چھائی ہوئی ظالم طاقتوں اور گوناگوں رکاوٹوں کے باوجود، ایمان وتقویٰ، خلوص وللّٰہیت، عشق ومحبت، جاں نثاری اور فداکاری، ایثار وقربانی، بے آمیز اطاعت اور کامل سپردگی کے بے مثال جذبات واعمال سے اسلام کی روشن تاریخ تیار کی اور توحید و اخلاص کا ایک ایسا مرکز تعمیر کیا کہ رہتی زندگی تک انسانیت کو اس سے توحید واخلاص کا پیغام ملتا رہے۔

اس تاریخ کو تازہ کرنے اور انہی جذبات سے لوگوں کے دلوں کو گرمانے کے لیے ہر سال دور دراز سے توحید کے پروانے اس مرکز پر جمع ہو کر وہی کچھ کرتے ہیں جو ان کے پیشوا حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا، دو کپڑوں میں ملبوس کبھی بیت اللہ کا والہانہ طواف کرتے ہیں کبھی صفا اور مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑتے نظر آتے ہیں کبھی عرفات میں کھڑے اپنے خدا سے مناجات کرتے ہیں کبھی قربان گاہ میں جانوروں کے گلے پر چھری پھیر کر اپنے خدا سے عہد محبت استوار کرتے اور اپنی فداکاری کا ثبوت دیتے ہیں، اور اٹھتے بیٹھتے، صبح وشام ایک ہی صدا سے حرم کی پوری فضا گونجتی ہے۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

اے اللہ تیرے دربار میں تیرا غلام حاضر ہے، حاضر ہے تیرا غلام، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہے تیرا غلام، تعریف وحمد تیرا ہی حق ہے۔ احسان کرنا تیرا ہی کام ہے، تیرے اقتدار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

دراصل انھی کیفیات کو پیدا کرنے اور پورے طور پر خود کو اللہ کے حوالے کرنے ہی کا نام حج ہے۔

حج کے معنی

حج کے لغوی معنی ہیں زیارت کا ارادہ کرنا، اور شریعت کی اصطلاح میں حج سے مراد وہ جامع عبادت ہے جس میں مسلمان بیت اللہ پہنچ کر کچھ مخصوص عبادات اور اعمال کرتا ہے چونکہ حج میں مسلمان بیت اللہ کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اس لیے اس کو حج کہتے ہیں۔

حج، ایک جامع عبادت

اسلامی عبادات دو طرح کی ہیں ایک بدنی عبادت جیسے نماز، روزہ اور ایک مالی عبادت جیسے صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ۔ حج کا امتیاز یہ ہے کہ وہ مالی عبادت بھی ہے اور بدنی عبادت بھی، دوسری مستقل عبادات سے، خلوص وتقویٰ، عجز واحتیاج، بندگی اور اطاعت، قربانی اور ایثار، فدائیت اور سپردگی، انابت اور عبدیت کے جو جذبات الگ الگ نشوونما پاتے ہیں، حج کی جامعیت یہ ہے کہ اس میں بیک وقت یہ سارے جذبات اُبھرتے اور یہ کیفیات پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں۔

نماز جو دین کا سرچشمہ ہے اس کی اقامت کے لیے روئے زمین پر جو سب سے پہلی مسجد تعمیر ہوئی، حج میں مومن عین اسی مسجد میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہے اور عمر بھر دور دراز سے جس گھر کی طرف رخ کر کے مومن ہمیشہ نماز پڑھتا رہا ہے۔ حج میں مومن کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے کہ وہ عین اس گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اور اس کو نگاہوں میں رکھ کر نماز ادا کرتا ہے، ظاہر ہے اس ماحول اور ان کیفیات کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز میں کس قدر خشوع اور انابت وعبدیت کے جذبات ہوں گے۔

روزہ جو نفس واخلاق کے تزکیے کا سب سے مؤثر اور لازمی ذریعہ ہے، اور جس میں مومن مرغوباتِ نفس سے دور رہ کر صبر وثبات کی قوتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور خدا کی راہ کا سپاہی اور مجاہد بننے کی مشق بہم پہنچاتا ہے، حج میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر احرام کھولنے کے وقت تک زائرِ حرم اسی مجاہدے میں شب وروز بسر کرتا ہے اور قلب وروح سے ماسوٰی اللہ کا ایک ایک نقش کھرچ کر صرف خدا کی محبت کا نقش بٹھاتا ہے، اور ہمہ دم توحید کی صدا لگا کر صرف توحید کا علمبردار بنتا ہے۔

صدقہ وزکوٰۃ میں اپنا دل پسند مال دے کر بندۂ مومن اپنے دل سے زر پرستی اور حرص وہوس کے رکیک جذبات دھوتا اور خدا کی محبت کے بیج بوتا ہے، حج میں بھی آدمی عمر بھر کا جمع کیا ہوا مال، محض خدا کی محبت میں دل کھول کر خرچ کرتا ہے، اور اس کی راہ میں قربانی کر کے اس سے عہدِ وفا اُستوار کرتا ہے، غرض یہ کہ حج کے ذریعے خدا سے والہانہ تعلق، نفس واخلاق کا تزکیہ اور روحانی ارتقا کے سارے مقاصد بیک وقت حاصل ہوتے ہیں، بشرطیکہ حج واقعی حج ہو۔ محض ارکان حج ادا کرنے کا عمل نہ ہو۔

حج کی حقیقت

حج کی حقیقت دراصل یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے رب کے حوالے کر دے اور مسلم حنیف بن جائے۔ حج کی سعادت درحقیقت خدا کی طرف سے اس بات کی توفیق ہے کہ اصلاح حال کی تمام مستند کوششوں کے باوجود بندے کی زندگی میں جو بھی کھوٹ اور نقص رہ جائے وہ ارکان حج اور مقامات حج کی برکت سے دور ہو جائے اور وہ حج سے ایسا پاک صاف ہو کر لوٹے کہ گویا اس نے آج ہی جنم لیا ہے، ساتھ ہی حج حقیقت حال کی ایک کسوٹی بھی ہے کہ کس نے خدا کی اس توفیق سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے اور کون موقع پانے کے باوجود محروم رہ گیا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حج کی توفیق پانے کے باوجود جو شخص اصلاحِ حال سے محروم رہ جائے، اس کے بارے میں بہت ہی کم توقع رہ جاتی ہے کہ کسی اور تدبیر سے اس کی اصلاح حال ہو سکے گی۔ اس لیے حج کا فریضہ ادا کرنے والے

کے لیے انتہائی ضروری ہے کہ وہ اپنے جذبات واحساسات اور ارادوں کا اچھی طرح جائزہ لے اور حج کے ایک ایک رکن اور عمل کو پورے اخلاص اور شعور کے ساتھ ادا کر کے حج سے وہ کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرے جس کے لیے حج فرض کیا گیا ہے۔

حج حضرت جنید بغدادیؒ کی نظر میں

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جو بیت اللہ سے واپس آیا تھا لیکن اس کی زندگی پر حج کی چھاپ نہ پڑ سکی تھی، آپ نے اس سے دریافت فرمایا: تم کہاں سے آرہے ہو؟

حضرت حج بیت اللہ سے واپس آرہا ہوں۔ مسافر نے جواب دیا۔

کیا تم حج کر چکے ہو؟ حضرت نے حیرت سے دریافت کیا۔

جی ہاں، میں حج کر چکا ہوں۔ مسافر نے جواب دیا۔

حضرت نے پوچھا جب تم حج کے ارادے سے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے، اس وقت تم نے گناہوں سے بھی کنارہ کر لیا تھا یا نہیں؟

حضرت میں نے تو اس طرح نہیں سوچا تھا۔ مسافر نے جواب دیا۔

''تو پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہیں۔'' پھر دریافت فرمایا: اس مبارک سفر میں تم نے جو جو منزلیں طے کیں اور جہاں جہاں راتوں کو قیام کیا تو کیا تم نے اس دوران قرب الٰہی کی منزلیں بھی طے کیں اور اس راہ کے مقامات بھی طے کیے۔

حضرت، اس کا تو مجھے دھیان بھی نہ تھا۔ مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

''تو پھر تم نے نہ بیت اللہ کی طرف سفر کیا، اور نہ اس کی طرف کوئی منزل طے کی۔'' پھر دریافت فرمایا: جب تم نے احرام باندھا، اور اپنے روزمرہ کے کپڑے اُتارے تو کیا تم نے اس کے ساتھ ہی اپنی بری عادتوں اور خصلتوں کو بھی اپنی زندگی سے اُتار پھینکا تھا؟''

حضرت اس طرح تو میں نے غور نہیں کیا تھا۔ مسافر نے جواب دیا۔

''پھر تم نے احرام بھی کہاں باندھا!'' حضرت نے پرسوز لہجے میں فرمایا۔ پھر پوچھا: جب

تم میدان عرفات میں کھڑے ہوئے تو تمھیں مشاہدے کا کشف بھی حاصل ہوا یا نہیں؟

حضرت میں سمجھا نہیں کیا مطلب؟ مسافر نے کہا۔

''مطلب یہ ہے کہ تم نے میدان عرفات میں خدا سے مناجات کرتے وقت اپنے اندر یہ کیفیت بھی محسوس کی کہ گویا تمھارا رب تمھارے سامنے ہے اور تم اسے دیکھ رہے ہو؟''

حضرت یہ کیفیت تو نہیں تھی۔ مسافر نے وضاحت کی۔

''پھر تو گویا تم عرفات میں پہنچے ہی نہیں۔'' حضرت نے پر جوش لہجے میں کہا اور پھر دریافت فرمایا: اچھا یہ بتاؤ جب تم مزدلفہ میں پہنچے تو وہاں تم نے اپنی نفسانی خواہشات کو بھی چھوڑا یا نہیں؟

حضرت میں نے اس پر تو کوئی توجہ نہیں کی۔ مسافر نے جواب دیا۔

''تو پھر تم مزدلفہ بھی نہیں گئے۔'' حضرت نے فرمایا۔ اس کے بعد پوچھا: اچھا یہ بتاؤ جب تم نے بیت اللہ کا طواف کیا تو اس دوران تم نے جمالِ الٰہی کے جلوے اور کرشمے بھی دیکھے۔

حضرت اس سے تو میں محروم رہا۔ مسافر نے کہا۔

تو پھر تم نے طواف کیا ہی نہیں، اور پھر دریافت فرمایا جب تم نے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا اس وقت تم نے صفا اور مروہ اور اس کے درمیان سعی کی حکمت و حقیقت اور اس کے مقصود کو بھی پایا۔

حضرت اس کا تو مجھے شعور نہیں۔ مسافر نے کہا۔

تو پھر تم نے ابھی سعی بھی نہیں کی ہے۔ پھر دریافت فرمایا جب تم نے قربان گاہ میں پہنچ کر قربانی کے جانور کو قربان کیا، اس وقت تم نے اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو بھی راہ خدا میں قربان کیا یا نہیں؟

حضرت اس طرف تو میرا دھیان نہیں گیا، مسافر نے کہا۔

تو پھر تم نے قربانی بھی کہاں کی! اس کے بعد حضرت جنیدؒ نے پوچھا: اچھا یہ کہو جب تم نے جمرات پر سنگریزے پھینکے تو اس وقت تم نے اپنے برے ہمنشیں اور برے ساتھیوں

اور بری خواہشات کو بھی اپنے سے دور پھینکا یا نہیں۔

حضرت ایسا تو نہیں کیا۔ مسافر نے سادگی سے جواب دیا۔

تو پھر تم نے رمی بھی نہیں کی۔ حضرت نے افسوس کے ساتھ کہا اور فرمایا، جاؤ واپس جاؤ اور ان کیفیات کے ساتھ ایک بار پھر حج کرو۔ تا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نسبت پیدا کر سکو، جن کے ایمان و وفا کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن کریم نے شہادت دی ہے۔

وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى

اور وہ ابراہیمؑ جس نے (اپنے رب سے) وفاداری کا حق ادا کر دیا۔

حج کی عظمت و اہمیت

قرآن و سنت میں حج کی حکمت، دین میں حج کا مقام اور اس کی عظمت و اہمیت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن پاک کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ آل عمران 3:97

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو اس حکم سے انکار و کفر کی روش اختیار کرے تو وہ جان لے کہ خدا جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اس آیت میں دو حقیقتوں کی طرف اشارہ ہے:

ا۔ حج بندوں پر خدا کا حق ہے، جو لوگ بھی بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر فرض ہے کہ وہ خدا کا یہ حق ادا کریں جو لوگ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے وہ ظالم خدا کا حق مارتے ہیں۔ آیت کے اسی فقرے سے حج کی فرضیت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حج کی فرضیت کا اعلان اسی وقت ہوا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی (جامع ترمذی، کتاب الحج) اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اسی مفہوم کی ایک روایت ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوا

اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے، پس حج ادا کرو۔

۲۔ دوسری اہم حقیقت جس کی طرف یہ آیت متوجہ کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کافرانہ روش ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا وَمَنْ كَفَرَ، جس طرح قرآن میں ترکِ صلوٰۃ کو ایک مقام پر مشرکانہ عمل قرار دیا گیا ہے[1] اسی طرح اس فقرے میں ترک حج کو کافرانہ رویہ قرار دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّ رَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَّمُوتَ يَهُوْدِيًّا أَو نَصْرَانِيًّا وَذَالِكَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (جامع ترمذی)

جس شخص کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور سواری مہیا ہو جو اس کو خانہ خدا تک پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لیے کہ خدا کا ارشاد ہے: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

راوی کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کی مانند قرار دیا ہے[2]۔ تو یہ ایک حقیقت ہے کہ خود قرآن میں بھی ایسے لوگوں کو یہی وعید سنائی گئی بطور حوالہ راوی نے آیت کا صرف ابتدائی حصہ پڑھا ورنہ جس وعید کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے وہ آیت کے اس فقرے میں ہے، وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران 97:3) ''اور جو لوگ استطاعت کے باوجود کفر و انکار کی روش اختیار کریں وہ جان لیں کہ خدا کو سارے جہان کی پروا نہیں''، یعنی ترک حج کی کافرانہ روش اختیار کرنے والوں سے خدا بے نیاز ہے، اس کو ہرگز ایسے لوگوں کی پروا نہیں کہ وہ کس حال میں مرتے ہیں، یہ تنبیہ اور تہدید کا سخت ترین انداز ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جس سے خدا تعالیٰ بیزاری اور بے نیازی کا اظہار فرمائے، وہ ایمان و ہدایت سے کیوں کر بہرہ مند ہو سکتا ہے:

---

[1] وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الروم:31:30) نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

[2] حج نہ کرنے والوں کو یہود و نصاریٰ کے مانند قرار دینے اور نماز نہ پڑھنے والوں کو مشرکوں کے عمل سے تشبیہ دینے میں حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب حج کو بالکل ترک کر چکے تھے اور مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن نماز کھو چکے تھے، اس لیے ترک صلوٰۃ کو مشرکانہ عمل قرار دیا گیا اور ترک حج کو یہود و نصاریٰ کا عمل بتایا گیا ہے۔

حضرت حسنؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ارشاد فرمایا:
میرا پختہ ارادہ ہے کہ میں ان شہروں میں (جو اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے ہیں) کچھ لوگوں کو روانہ کروں جو جائزہ لے کر دیکھیں کہ کون لوگ حج کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہیں کر رہے ہیں پھر ان پر جزیہ[1] مقرر کر دوں یہ لوگ مسلم نہیں ہیں۔ یہ لوگ مسلم نہیں ہیں۔ (المنتقیٰ)

مسلم اس شخص کو کہتے ہیں جو کامل طور پر خود کو اللہ کے حوالے کر دے اور حج کی حقیقت بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے حوالے کر دے، پھر اگر یہ لوگ مسلم ہوتے تو حج کی سعادت سے کیوں کر محروم رہتے، اور استطاعت کے باوجود حج سے غفلت کیوں کر برتتے۔

حج کی فضیلت و ترغیب

حج کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طرح طرح سے اس کی ترغیب دی ہے اور اس کی غیر معمولی فضیلت کو مختلف انداز سے واضح فرمایا اس کا شوق دلایا ہے:

۱۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (بخاری، مسلم عن ابی ہریرہؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ کی زیارت کے لیے آیا، پھر اس نے نہ کوئی فحش شہوانی عمل کیا، اور نہ خدا کی نافرمانی کا کوئی کام کیا، تو وہ (گناہوں سے) ایسا پاک صاف ہو کر واپس لوٹے گا جیسا پاک صاف وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔"

اور آپؐ نے ارشاد فرمایا:

۲۔ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفِرُوْهُ غَفَرَ لَهُمْ (ابن ماجہ)

حج اور عمرہ کرنے والے خدا کے مہمان ہیں وہ (اپنے میزبان) اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعائیں قبول فرمائے اور وہ اس سے مغفرت چاہیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔

۳۔ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ
(ترمذی، نسائی)

---

[1] حفاظتی ٹیکس جو غیر مسلم شہریوں سے ان کی جان و مان کی حفاظت کے بدلے وصول کیا جاتا ہے۔

حج اور عمرہ پے بہ پے کیا کرو، کیونکہ حج اور عمرہ دونوں ہی فقر و احتیاج اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے اور سونے چاندی کی میل کچیل کو صاف کر کے دور کر دیتی ہے 'حج مبرور' کا اجر و صلہ تو بس جنت ہی ہے۔

''حج مبرور'' سے مراد وہ حج ہے جو پورے اخلاص و شعور اور آداب و شرائط کے ساتھ ادا کیا گیا ہو اور جس میں حج کرنے والے نے خدا کی نافرمانی سے بچنے کا پورا پورا اہتمام کیا ہو۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

۴۔ اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ یَسْتَغْفِرَ لَكَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ (مسند احمد)

جب کسی زائرِ حرم سے تمھاری ملاقات ہو تو اس سے پہلے کہ وہ اپنے گھر پہنچے تم اس کو سلام کرو، اس سے مصافحہ کرو، اور اس سے درخواست کرو کہ وہ تمھارے لیے خدا سے مغفرت کی دعا کرے اس لیے کہ اس کے گناہوں کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔

۵۔ حضرت حسینؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا ''حضور! میرا جسم بھی کمزور ہے اور میرا دل بھی،'' ارشاد فرمایا: ''تم ایسا جہاد کیا کرو جس میں کانٹا بھی نہ لگے''۔ سائل نے کہا: ''حضور! ایسا جہاد کون سا ہے جس میں کسی گزند اور تکلیف کا اندیشہ نہ ہو۔'' ارشاد فرمایا: تم حج کیا کرو۔'' (طبرانی)

۶۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک شخص میدان عرفات میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بالکل قریب ہی اپنی سواری پر تھا کہ یکا یک سواری سے نیچے گرا اور انتقال کر گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو غسل دے کر احرام ہی میں دفن کر دو یہ قیامت کے روز تلبیہ پڑھتا ہوا اٹھے گا۔ اس کا سر اور چہرہ کھلا رہنے دو۔ (بخاری و مسلم)

۷۔ حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ نے خدا سے التجا کی کہ پروردگار! جو بندے تیرے گھر کی زیارت کرنے آئیں ان کو کیا اجر و ثواب عطا کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد! وہ میرے مہمان ہیں۔ ان کا یہ حق ہے کہ میں دنیا میں ان کی خطائیں معاف کر دوں اور آخرت میں

جب وہ مجھ سے ملاقات کریں تو میں ان کو بخش دوں۔ (طبرانی)

وجوبِ حج کی شرطیں

وجوب حج کی شرطیں دس ہیں، ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حج واجب نہ ہوگا۔

(۱) اسلام:۔ غیر مسلموں پر حج واجب نہیں ہوسکتا۔

(۲) عقل:۔ مجنون، دیوانے اور مخبوط الحواس شخص پر حج واجب نہیں۔

(۳) بلوغ:۔ نابالغ بچوں پر حج واجب نہیں، کسی خوش حال آدمی نے بچپن ہی میں بلوغ سے پہلے حج کرلیا تھا تو اس سے فرض ادا نہ ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد پھر فرض ادا کرنا ہوگا بچپن کا حج نفلی ہوگا۔

(۴) استطاعت:۔ حج کرنے والا خوش حال ہو اور اس کے پاس اپنی ضرورت، اصلیہ اور قرض سے محفوظ اتنا مال ہو جو راستے کے مصارف کے لیے بھی کافی ہو، اور حج سے واپس آنے تک اس کے ان متعلقین کے لیے بھی کافی ہو جن کا نان نفقہ شریعت کی رو سے اس پر واجب ہے۔

(۵) آزادی:۔ غلام اور باندی پر حج واجب نہیں۔

(۶) جسمانی صحت:۔ یعنی کوئی ایسی بیماری نہ ہو جس میں سفر کرنا ممکن نہ ہو..... لہٰذا لنگڑے، اپاہج، نابینا اور زیادہ بوڑھے شخص پر خود حج کرنا واجب نہیں، البتہ دوسری تمام شرطیں پائی جائیں تو دوسرے سے حج کرا سکتا ہے۔[1]

(۷) کسی ظالم و جابر حکمران کی جانب سے جان کا خوف بھی نہ ہو اور آدمی کسی کی قید و بند میں بھی نہ ہو۔

(۸) راستے میں امن و امان ہو:۔ اگر راستے میں جنگ چھڑی ہوئی ہو، جہاز ڈبوئے جارہے ہوں۔ یا راستے میں ڈاکوؤں کا اندیشہ ہو، یا سمندر میں ایسی کیفیت ہو کہ جہاز اور

---

[1] یہی صاحبین کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

کشتی کے لیے خطرہ ہو یا اور کسی قسم کے خطرات ہوں تو ان تمام صورتوں میں حج واجب نہیں ہوتا۔ البتہ ایسے شخص کو یہ وصیت کر جانا چاہیے کہ میرے بعد جب حالات سازگار ہوں تو میری جانب سے حج کر لیا جائے۔

خواتین کے لیے مزید دو شرطیں:

یہ آٹھ شرطیں تو مرد اور عورت دونوں کے لیے ہیں ان کے علاوہ دو شرطیں اور ہیں جو صرف خواتین کے لیے ہیں۔ یعنی خواتین پر حج واجب ہونے کے لیے دس شرطیں ہیں۔

(۹) سفر حج میں شوہر یا محرم کی معیت:۔ اس شرط کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سفر تین شبانہ روز سے کم کا ہو تب تو خاتون کے لیے تنہا سفر کی اجازت ہے، لیکن سفر تین شبانہ روز سے زیادہ کا ہو تو پھر شوہر یا محرم کے بغیر سفر حج جائز نہیں[۱] ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ محرم عاقل، بالغ، دین دار اور قابل اعتماد شخص ہو، نادان بچے یا فاسق اور ناقابل اعتماد شخص کے ساتھ سفر جائز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خواتین کو وجوب، حج کی چوتھی شرط میں یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ سفر حج میں ساتھ جانے والے محرم کے مصارف سفر کی ذمہ داری بھی حج کو جانے والی خاتون پر ہی ہوگی۔[۲]

(۱۰) حالت عدت میں نہ ہونا، خواہ عدت وفات کی ہو یا طلاق کی، ہر حال میں دوران عدت حج واجب نہ ہوگا۔[۳]

۱۔ جس خاتون کا شوہر نہ ہو اور کوئی ایسا محرم بھی نہ ہو جس کے ساتھ سفر حج میں جا سکے تو پھر وہ ان رفقائے سفر کے ساتھ سفر کر سکتی ہے، جن کی اخلاقی حالت قابل اطمینان ہو۔ یہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے اور قابل اطمینان رفقائے سفر کی تشریح امام شافعیؒ نے اس طرح فرمائی ہے کہ چند خواتین بھروسے کے قابل ہوں اور وہ اپنے محرموں کے ساتھ جا رہی ہوں تو ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون ان کے ساتھ جا سکتی ہے البتہ صرف ایک خاتون کے ساتھ اسے نہ جانا چاہیے۔ امام شافعیؒ کی یہ رائے بڑی معتدل ہے اس میں ایک بے شوہر اور بے محرم خاتون کے لیے فریضہ حج کے ادا کرنے کی گنجائش بھی ہے اور اسے فتنے کا احتمال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے خاتون کے لیے بلا محرم سفر کی ممانعت ہے۔

۲۔ وَنَفَقَةُ الْمَحْرَمِ عَلَيْهَا لِأَنَّهَا تَتَوَسَّلُ بِهِ إِلَى أَدَاءِ الْحَجِّ (ہدایہ ج اول)

۳۔ فَلَا تَخْرُجُ الْمَرْئَةُ إِلَى الْحَجِّ فِي عِدَّةِ طَلَاقٍ أَوْ مَوْتٍ (عالم گیری: ج ۱، ص ۱۴۱)

صحت حج کی شرطیں

صحت حج کی چار شرطیں ہیں، ان شرائط کے ساتھ حج کیا جائے تو حج صحیح اور معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

۱۔ اسلام:۔ اسلام حج کے وجوب کی بھی شرط ہے اور صحت کی بھی اگر کوئی غیر مسلم حج کے ارکان ادا کر لے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو اسلام لانے کی توفیق بخش دے تو اس کا وہ حج کافی نہیں ہوگا جو اس نے اسلام لانے سے پہلے کیا تھا، اس لیے کہ حج صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حج کرنے والا مسلم ہو۔

۲۔ عقل وہوش:۔ ناسمجھ، اور دیوانے شخص کا حج صحیح نہیں۔

۳۔ سارے ارکان مقررہ ایام، مقررہ اوقات اور مقررہ مقامات میں ادا کرنا:۔ حج کے مہینے یہ ہیں: شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پہلا عشرہ، اسی طرح حج کے سارے ارکان ادا کرنے کے لیے اوقات بھی مقرر ہیں، مقامات بھی مقرر ہیں، اس کے خلاف ارکان حج ادا کیے جائیں گے تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

۴۔ مفسدات حج سے بچنا اور حج کے سارے ارکان وفرائض ادا کرنا، اگر حج کا کوئی رکن ادا کرنے سے رہ گیا یا چھوڑ دیا تب بھی حج صحیح نہ ہوگا۔

حج کے احکام

۱۔ حج فرض ہونے کی ساری شرطیں موجود ہوں تو حج زندگی میں ایک بار فرض ہے، حج فرض عین ہے اور اس کی فرضیت قرآن وحدیث سے صاف صاف ثابت ہے۔ جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے اور جو شخص شرائط وجوب پائے جانے کے باوجود حج نہ کرے وہ گنہگار اور فاسق ہے۔

۲۔ حج فرض ہو جانے کے بعد فوراً اسی سال ادا کر لینا چاہیے۔ فرض ہو جانے کے بعد بلاوجہ تاخیر کرنا اور ایک سال سے دوسرے سال پر ٹالنا۔ گناہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

ارشاد ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ الْحَجَّ فَلْيَتَعَجَّلْ فَاِنَّهٗ قَدْ يَمْرُضُ الْمَرِيْضُ وَتَضِلُّ الرَّاحِلَةُ وَتَعْرِضُ الْحَاجَةُ (ابن ماجہ)

جو شخص حج کا ارادہ کرے اسے جلدی کرنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جائے یا اونٹنی گم ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ضرورت پیش آجائے۔

اونٹنی گم ہونے سے مراد یہ ہے کہ سفر کے ذرائع باقی نہ رہیں، راستہ پر امن نہ رہے یا اور کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ پھر حج کا امکان نہ رہے اور آدمی فرض کا بوجھ لیے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہو۔ حالات کی سازگاری یا زندگی کا کیا اعتبار آخر کس بھروسے پر آدمی تاخیر کرے اور جلد حج کرنے کی بجائے ٹالتا چلا جائے۔

۳۔ فریضہ حج ادا کرنے کے لیے جن لوگوں سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے، مثلاً کسی کے والدین ضعیف یا معذور ہوں اور اس کی مدد کے محتاج ہوں، یا کوئی شخص کسی کا مقروض ہو یا ضامن ہو تو ایسی صورت میں ان سے اجازت لیے بغیر حج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (علم الفقہ جلد ۵)

۴۔ حرام سے کمائے ہوئے مال سے حج کرنا حرام ہے۔

۵۔ جو شخص احرام باندھے بغیر میقات کے اندر داخل ہو جائے اس پر حج واجب ہے۔

۶۔ حج فرض ہونے کے بعد کسی شخص نے تاخیر کی اور پھر وہ معذور ہو گیا۔ نابینا، اپاہج یا سخت بیمار ہو گیا اور سفر حج کے قابل نہ رہا تو وہ اپنے مصارف سے دوسرے کو بھیج کر حج کرائے، اس کو حج بدل کہتے ہیں۔[1]

میقات اور اس کے احکام

۱۔ میقات سے مراد وہ خاص اور متعین مقام ہے جس پر احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں کسی بھی غرض سے کوئی مکہ مکرمہ جانا چاہتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ میقات

---

[1] حج بدل کا بیان صفحہ ۳۱۴ پر دیکھیے۔

پہنچ کر، احرام باندھ لے، احرام باندھے بغیر میقات سے آگے بڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

(علم الفقہ جلد ۵)

۲۔ مختلف ممالک کے رہنے والوں اور ان ممالک کی طرف سے آنے والوں کے لیے پانچ میقات مقرر ہیں:

۱۔ ذوالحلیفہ:

یہ مدینے کے رہنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے اور ان تمام لوگوں کے لیے بھی جو اس راستے سے مکہ مکرمہ آنا چاہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آتے ہوئے تقریباً آٹھ نو کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہاں سے مکہ کا فاصلہ تقریباً چار سو کلومیٹر ہوگا۔ یہ مقام آج کل بئر علی کے نام سے موسوم ہے جو وادیٔ عتیق میں ہے۔ یہ میقات مکہ سے تمام میقاتوں کے مقابلے میں زیادہ فاصلے پر ہے اور مدینے والوں کا یہ حق بھی ہے اس لیے کہ ہمیشہ سے مدینہ والوں نے راہِ حق میں زیادہ قربانیاں دی ہیں۔

۲۔ ذاتِ عرق:

یہ عراق، ایران اور عراق کی سمت سے آنے والوں کے لیے میقات ہے یہ مکہ معظّمہ سے شمال مشرق کی جانب مکہ سے تقریباً نواسی (۸۹) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

۳۔ حجفہ:

یہ مقام ملک شام، مصر اور اس سمت سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے، یہ مکہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو ستاسی (۱۸۷) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ مقام چونکہ اب ویران ہے اس لیے لوگ اس سے پہلے ہی مقام ''رابغ'' سے احرام باندھ لیتے ہیں۔

۴۔ قرن المنازل:

مکہ معظّمہ سے مشرق کی جانب والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکے سے اندازاً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور عرفات سے نظر آتا ہے، یہ اہل نجد کے لیے میقات

ہے اور ان لوگوں کے لیے جو اس راستے سے ہو کر آتے ہوں۔ آج کل یہ مقام ''سیل'' کے نام سے مشہور ہے۔

۵۔ یلملم

مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق کی جانب یمن سے آنے والے راستے پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکہ معظّمہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے، اہل ہند اور اہل پاکستان کو بھی اسی میقات پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔

یہ میقات خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور یہ مواقیت ان لوگوں کے لیے ہیں جو مواقیت سے باہر کے رہنے والے ہیں اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ آفاقی جب ان میقات سے گزریں تو خواہ وہ کسی طرح بھی سفر کر رہے ہوں زمین پر یا فضا میں احرام باندھ کر ہی انھیں ان مقامات سے گزرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ بخاری، مسلم

رہے وہ لوگ جو میقات کے اندر رہتے ہیں اگر وہ حدودِ حرم میں رہتے ہیں تو ان کے لیے حرم ہی میقات ہے اور اگر حدود حرم سے باہر حل میں رہتے ہیں تو ان کے لیے حل میقات ہے۔ البتہ حرم میں رہنے والے عمرے کے لیے احرام باندھیں تو ان کے لیے میقات حل ہے حرم نہیں۔

حج کے فرائض

حج میں چار باتیں فرض ہیں، ان میں سے کوئی بھی چھوٹ جائے تو حج ادا نہ ہوگا۔

۱۔ احرام: یہ حج کے لیے شرط بھی ہے اور حج کا رکن بھی ہے۔

۲۔ وقوفِ عرفات: خواہ چند ہی لمحے کے لیے ہو۔

۳۔طواف زیارت: اس کے پہلے چار شوط فرض ہیں اور بعد کے تین شوط واجب۔
۴۔ان تینوں فرائض کو مقررہ مقامات، مقررہ اوقات میں متعین ترتیب کے مطابق ادا کرنا۔

احرام اور اس کے مسائل

۱۔ حج کی نیت کر کے حج کا لباس پہننے اور تلبیہ پڑھنے کو احرام کہتے ہیں۔ حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھ لینے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے، جس طرح نماز میں تکبیر کہنے کے بعد آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے اور کھانا پینا، چلنا پھرنا وغیرہ اس کے لیے حرام ہو جاتا ہے، اسی طرح احرام باندھ لینے کی بعد حج شروع ہو جاتا ہے اور بہت سی چیزیں جن کا کرنا احرام سے پہلے جائز اور مباح تھا، حالت احرام میں ان کا کرنا حرام اور ممنوع ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اس کو احرام کہتے ہیں۔

۲۔ کسی بھی مقصد سے مکے جانا ہو، سیر و سیاحت کے لیے ہو یا تجارت کے لیے یا کسی اور مقصد سے ہو، بہر حال یہ ضروری ہے کہ میقات پہنچ کر احرام باندھ لیا جائے۔ احرام باندھے بغیر میقات سے آگے نکل جانا مکروہ تحریمی ہے۔[1]

۳۔ احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا سنت موکدہ ہے، نابالغ بچوں کے لیے بھی غسل کرنا مسنون ہے اور خواتین اگر حالات حیض و نفاس میں ہوں تب بھی غسل کرنا مسنون ہے۔ ہاں اگر غسل کرنے میں دشواری ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو تو پھر وضو ہی کر لینا چاہیے۔ یہ غسل یا وضو محض صفائی ستھرائی کے لیے ہے، طہارت اور پاکی حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے اس لیے پانی نہ ہونے کی صورت میں اس کے بجائے تیمم کرنے کی ضرورت نہیں۔

۴۔ احرام کے لیے غسل کرنے سے پہلے سر وغیرہ کے لیے بال بنوانا، ناخن کتروانا اور سفید چادر اور سفید تہبند استعمال کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

ا۔ اہل حدیث کے نزدیک احرام صرف حج اور عمرہ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے۔ دوسری اغراض سے مکہ جانے والے بغیر احرام بلا تکلف جا سکتے ہیں۔

۵۔ میقات پر پہنچنے سے پہلے بھی احرام باندھنا جائز ہے، اور اگر احرام کے آداب کا پاس ولحاظ ہو سکے تو افضل ہے اور میقات پر پہنچنے کے بعد تو احرام باندھ لینا واجب ہے۔

۶۔ حالت احرام میں ممنوع کام:

ان میں سے بعض کام تو وہ ہیں جن کا کرنا ہر حالت میں ممنوع اور گناہ ہے، لیکن احرام میں ان کا ارتکاب اور زیادہ بُرا ہے۔

۱۔ جنسی افعال میں مبتلا ہونا، یا جنسی گفتگو کرنا، اپنی بیوی سے بھی اس طرح کی گفتگو سے لذت اندوز ہونا ممنوع ہے۔

۲۔ خدا کی نافرمانی اور گناہ میں مبتلا ہونا۔

۳۔ لڑائی جھگڑا اور گالی گلوچ کرنا۔ سخت کلامی سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

۴۔ جنگلی جانوروں کا شکار کرنا، نہ صرف خود شکار کرنا حرام ہے بلکہ شکار کروانے والے کے ساتھ کسی قسم کا تعاون کرنا یا شکار کرانے میں اس کی رہنمائی کرنا یا شکار کی طرف اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے۔

۵۔ سلے ہوئے کپڑے پہننا مثلاً قمیض، پاجامہ، شیروانی، کوٹ پتلون، ٹوپی، موزہ، بنیان، دستانے وغیرہ پہننا۔ البتہ خواتین کے لیے جائز ہے کہ شلوار، قمیض وغیرہ پہن لیں، موزے بھی پہن سکتی ہیں اور چاہیں تو زیور بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

۶۔ شوخ اور خوشبودار رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا، ہاں خواتین ریشمی کپڑے پہن سکتی ہیں اور رنگین کپڑے بھی البتہ خوشبودار نہ ہونا چاہیے۔

۷۔ سر اور چہرے کا چھپانا، خواتین ضرورت کے وقت کسی پنکھے اور چادر وغیرہ سے آڑ کر لیں تو جائز ہے۔

۸۔ سر اور داڑھی وغیرہ کا خطمی یا صابون وغیرہ سے دھونا۔

۹۔ جسم کے کسی بھی حصے کے بال منڈوانا، یا کسی بھی دوا یا بال اُڑانے والے پاؤڈر وغیرہ سے بال صاف کرنا، یا اُکھاڑنا، یا جلانا سب ممنوع ہے۔

۱۰۔ ناخون کاٹنا، یا پتھر وغیرہ پر گھس کر صاف کرنا۔

۱۱۔ خوشبو کا استعمال کرنا۔

۱۲۔ تیل کا استعمال کرنا۔

۷۔ حالت احرام میں جائز کام:

اوپر جن ممنوع باتوں کا ذکر کیا گیا ان کے علاوہ ساری باتیں جائز ہیں۔ چند باتیں بطور مثال لکھی جاتی ہیں:

۱۔ کسی چیز کے سائے میں آرام لینا۔

۲۔ نہانا، اور سر دھونا، مگر صابون وغیرہ سے نہ دھوئے۔

۳۔ بدن یا سر کھجانا، البتہ احتیاط کی جائے کہ بال نہ ٹوٹیں اور اگر سر میں جوئیں ہو گئیں ہوں تو وہ نہ گریں۔

۴۔ اپنے پاس رقم رکھنا یا کمر میں ہتھیار یا رقم وغیرہ باندھنا۔

۵۔ خالی اوقات میں تجارت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

قرآن میں ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ البقرہ2:198

دوران حج اگر تم اپنے پروردگار کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۶۔ احرام کے کپڑے بدلنا اور ان کو دھونا۔

۷۔ انگوٹھی اور گھڑی وغیرہ پہننا۔

۸۔ سرمہ لگانا، مگر سرمہ خوشبودار نہ ہو۔

۹۔ ختنہ کرانا۔

۱۰۔ نکاح کرنا۔

۱۱۔ موذی جانوروں کو مارنا۔ مثلاً چیل، کوا، چوہا، سانپ، بچھو، شیر، چیتا، بھیڑیا، کتا وغیرہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''حرم میں اور احرام کی حالت میں پانچ قسم کے جانوروں کو مارنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چوہا، کوا، چیل، بچھو اور حملہ کرنے والا کتا (یعنی درندہ)۔''

۱۲۔ بحری شکار کرنا بھی جائز ہے اور اگر کوئی غیر محرم اپنے لیے خشکی کا شکار مار کر محرم کو تحفے میں دے تو اس کا کھانا بھی جائز ہے۔

۸۔ احرام کا طریقہ:

اچھی طرح بال ناخن وغیرہ بنوا کر اور غسل کر کے، خوشبو لگائے اور احرام کے کپڑے یعنی ایک چادر اور تہمد زیب تن کرے پھر دو رکعت نفل نماز پڑھ کر حج[1] یا عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے۔ حج یا عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھتے ہی احرام بندھ جاتا ہے اور وہ شخص محرم ہو جاتا ہے۔ تلبیہ کے بجائے اگر قربانی کا اونٹ مکے کی طرف روانہ کر دے تو وہ ''تلبیہ'' کے قائم مقام ہو جائے گا۔

تلبیہ اور اس کے مسائل

حج کی نیت کر کے احرام باندھتے ہی زائر حرم جو کلمات کہتا ہے اس کو تلبیہ کہتے ہیں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے مقام پر نماز ظہر ادا فرمائی اور احرام باندھ کر سواری پر سوار ہوئے اور تلبیہ پکارنا شروع کیا۔ (بخاری)

تلبیہ یہ ہے:

لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔ (بخاری و مسلم)

میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، (تیری پکار پر) تیرے حضور حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، یہ حقیقت ہے کہ حمد و شکر کا مستحق تو ہی ہے، احسان و انعام تیرا ہی کام ہے، اقتدار تیرا ہی حق ہے، تیرے اقتدار میں کوئی شریک نہیں۔

---

[1] اگر مفرد ہو تو خالی حج کی نیت کرے، قارن ہو تو حج اور عمرہ دونوں کی نیت کرے، اور متمتع ہو تو پہلے عمرے کی نیت کر کے عمرہ کرے اور عمرے سے فارغ ہو کر حج کی نیت کرے۔

(۱) احرام باندھنے کے بعد ایک بار تلبیہ کہنا فرض ہے اور ایک بار سے زیادہ کہنا سنت ہے۔

(۲) احرام باندھنے کے بعد سے دسویں تاریخ کو پہلے جمرے کی رمی تک برابر تلبیہ کا وِرد رکھے، ہر نشیب میں اُترتے وقت، ہر بلندی پر چڑھتے وقت، ہر قافلے سے ملتے وقت، ہر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور ہر صبح وشام تلبیہ پڑھتا رہے۔

(۳) تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے خدا کی طرف سے مجھے یہ فرمان پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھیں[1]

(۴) جب بھی تلبیہ کہے تو تین بار کہے، تین بار تلبیہ کہنا مستحب ہے۔

(۵) تلبیہ کہتے وقت گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ البتہ سلام کا جواب دینے کی اجازت ہے۔

(۶) جو شخص تلبیہ کہہ رہا ہو اس کو سلام نہ کرنا چاہیے۔ تلبیہ کہنے والے کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۷) تلبیہ کے بعد درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔

تلبیہ کی حکمت اور فضیلت

تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا:

''اور لوگوں کو حج کے لیے عام منادی کرا دو کہ وہ تمھارے پاس دور دراز سے پیدل اور اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔'' سورہ الحج 22:27

دراصل تلبیہ خدا کی اس عام منادی اور پکار کا بندوں کی طرف سے جواب ہے کہ پروردگار ہم نے تیری پکار سنی اور تیری طلبی پر تیرے حضور تیرے دربار میں حاضر ہیں۔ زائر حرم رہ رہ کر بار بار یہ صدا لگاتا ہے تو درحقیقت وہ کہتا ہے کہ پروردگار تو نے ہمیں اپنے گھر میں حاضری کا حکم دیا اور ہم صرف تیری محبت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دیوانہ وار حاضر ہو گئے۔ ہم تیرے اس احسان اور توفیق کا شکر ادا کرتے ہیں تیری توحید کا اقرار کرتے ہیں، یہ

---

[1] مؤطا امام مالک، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ، مگر خواتین کے لیے مسنون یہ ہے کہ تلبیہ پڑھنے میں اپنی آواز بلند نہ کریں، ہدایہ میں ہے: وَلَا تَرْفَعُ صَوْتَهَا بِالتَّلْبِيَةِ لِمَا فِيهِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَلَا تَرْمُلُ وَلَا تَسْعٰى بَيْنَ الْمِيلَيْنِ لِأَنَّهُ مُخِلٌّ لِسَتْرِ الْعَوْرَةِ (کتاب الحج) یعنی خاتون تلبیہ کہنے میں آواز بلند نہ کرے اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے، اور نہ رمل کرے اور نہ سعی اس لیے کہ دوڑنے سے اس کی پردہ پوشی میں خلل پڑے گا۔ خواتین بس اتنی آواز سے تلبیہ پڑھیں کہ خود سن سکیں، خواتین کے لیے بلند آواز سے تلبیہ پکارنا مکروہ ہے۔

صدا مومن کے رگ و پے میں توحید کے عقیدے کو پیوست کرتی ہے اور اسے تیار کرتی ہے کہ اس کے وجود کا مقصد دُنیا میں صرف یہ ہے کہ وہ توحید کا پیغام عام کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلبیہ کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

جب بھی کوئی مسلمان بندہ لبیک کی صدا لگاتا ہے تو اس کے ساتھ وہ ساری چیزیں لبیک پکار اٹھتی ہیں جو اس کے دائیں بائیں موجود ہیں، خواہ وہ پتھر، درخت اور مٹی کے ڈھیلے ہی ہوں یہاں تک کہ یہ زمین ادھر سے بھی ختم ہو جاتی ہے اور اُدھر سے بھی یعنی یہ سلسلہ پوری زمین میں پھیل جاتا ہے۔ (ترمذی)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو محرم بھی پورے دن لبیک، لبیک پکارتا رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے تو اس کے سارے گناہ فنا ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

تلبیہ کے بعد کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضْوَانَکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِرَحْمَتِکَ مِنَ النَّارِ۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا بھکاری ہوں اور تیرے دامنِ رحمت میں دوزخ کی آگ سے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔

حضرت عمارہ بن خزیمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب (احرام باندھنے کے لیے) تلبیہ پڑھتے تو تلبیہ پڑھنے کے بعد اللہ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کرتے اور اس کی رحمت کے طفیل جہنم کی آگ سے پناہ مانگتے۔ (مسند شافعی)

احرام کے بعد زائرِ حرم جو دعا چاہے مانگے اور خوب مانگے، لیکن پہلے اس مسنون دعا کا اہتمام ضرور کرے، یہ بڑی جامع دعا ہے، خدا کی رضا اور جنت کا حصول اور آتش جہنم سے نجات یہی مومن کی انتہائی تمنا اور اس کی دوڑ دھوپ کا حاصل ہے۔

وقوف اور اس کے مسائل

۱۔ وقوف کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور ٹھہرنا، حج کے دوران تین مقامات پر وقوف کرنا ہوتا ہے اور تینوں کے احکام مختلف ہیں، نیز وقوف کا عمل کرنے کے لیے ان مقامات پر پہنچ جانا ضروری ہے۔ وقوف کی نیت کرنا اور کھڑا ہونا ضروری نہیں[1]۔

۲۔ سب سے اہم وقوف عرفات ہے، عرفات ایک نہایت وسیع اور کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے، یہ میدان مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، میدانِ عرفات میں وقوف، حج کے ارکان میں سب سے بڑا رکن ہے، بلکہ ایک موقع پر تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقوف عرفات ہی کو حج فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ (جامع ترمذی) عرفہ میں وقوف ہی حج ہے۔

عرفہ کے دن جب میدان عرفات میں لاکھوں انسان ایک ہی لباس پہنے اپنے خدا کے حضور عجز و نیاز کی تصویر بنے کھڑے ہوتے ہیں تو اتنے وقت کے لیے انسان اس دُنیا سے اُٹھ کر گویا میدانِ حشر میں پہنچ جاتا ہے، یہ بڑا ہی ایمان افروز منظر ہوتا ہے۔ میدانِ عرفات میں وقوف کر کے دراصل میدانِ حشر کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

وقوفِ عرفات کی اہمیت یہ ہے کہ اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ رذوالحجہ کو دن میں یا اس دن کے بعد والی رات میں کسی وقت بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج نہ ہوگا۔ حج کے دوسرے مناسک طواف، سعی، رمی وغیرہ رہ جائیں تو اس کی تلافی ممکن ہے لیکن وقوفِ عرفہ رہ جائے تو اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔

۳۔ وقوفِ عرفات کا وقت ۹ رذوالحجہ کو بعد زوال، ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد ہے، لیکن یہ چونکہ حج کا رُکن اعظم ہے اور اسی پر حج کا دارومدار ہے اس لیے اس کے وقت میں کشادگی کر کے سہولت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ۹ر ۱۰ رذوالحجہ کی

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک وقوف کی نیت کرنا شرط ہے۔

درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے کسی وقت بھی لمحے بھر کے لیے عرفات پہنچ جائے تو اس کا وقوف معتبر ہوگا اور اس کا حج ادا ہو جائے گا۔[1]

۴۔ وقوفِ عرفات جتنا زیادہ طویل ہو اچھا ہے، اس شعور اور تصور کے ساتھ خدا کے حضور کھڑا ہونا کہ گویا میدانِ حشر ہے اور میں سب سے بے تعلق تنہا اپنا معاملہ چکانے کے لیے اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگنے کے لیے سراپا احتیاج، اس کے حضور کھڑا ہوں۔ مومن کی زندگی کا سب سے قیمتی وقت ہے، اور کیا معلوم زندگی میں پھر یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں، اس لیے ایمان و احتساب کی قوتوں کو زندہ رکھتے ہوئے پورے شعور کے ساتھ ان روز و شب کے ایک ایک لمحے کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے.....

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت جابرؓ کا بیان ہے:

''پھر (ظہر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنی ناقہ قصواء پر) سوار ہوئے اور میدان عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر آئے اور آپ نے اونٹنی قصوا کا رخ ادھر کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں۔ اور پیدل مجمع کو اپنے سامنے کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ آفتاب بالکل غروب ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مزدلفہ کے لیے) روانہ ہوئے۔'' (مسلم)

۵۔ وقوف عرفات کی اہمیت اور فضیلت بتاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(سال کے ۳۶۰ دنوں میں) کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ عرفہ کے دن سے زیادہ وسیع پیمانے پر اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے رہائی بخشتا ہو، اس دن اللہ اپنے بندوں کے بہت قریب آ جاتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں پر فخر کرتے ہوئے ان سے کہتا ہے، فرشتو! دیکھتے ہو یہ بندے کیا چاہتے ہیں؟ (مسلم)

حضرت انس ابن مالکؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں

---

[1] حضرت عبدالرحمن بن یعمر دیلی کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریمe کو یہ فرماتے سنا ''حج وقوف عرفہ ہی ہے۔ جو شخص مزدلفہ والی رات میں طلوعِ فجر سے پہلے پہنچ گیا اس نے حج پالیا۔'' [ترمذی، ابوداؤد]

وقوف فرمایا، آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ آپ ﷺ نے حضرت بلال ﷺ کو اشارہ کیا کہ لوگوں کو خاموش کر دو، حضرت بلالؓ نے لوگوں سے کہا ''خاموش ہو جاؤ۔'' تو نبی کریم ﷺ نے کہا لوگو! ابھی ابھی میرے پاس جبریل آئے تھے، انھوں نے مجھے خدا کا سلام اور یہ پیغام پہنچایا کہ ''اللہ نے تمام عرفات والوں کو بخش دیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا، یارسول اللہ! یہ پیغام ہم صحابہ کے لیے خاص ہے یا ساری امت کے لیے ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ تمھارے لیے ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے ہے جو تمھارے بعد یہاں آئیں۔ (الترغیب)

۶۔ میدان عرفات کی دعائیں:

میدان عرفات میں دعاؤں کا خاص طور سے اہتمام کرنا چاہیے اور وہاں کے وقوف میں مسلسل خدا کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

سب سے بہتر اور افضل دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے۔

ذیل میں چند مسنون دعائیں نقل کی جاتی ہیں:

۱۔ میدان عرفات میں آپ ﷺ نے یہ دعا کثرت سے مانگی ہے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّانَقُوْلُ اللّٰھُمَّ لَکَ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ وَ اِلَیْکَ مَابِیْ وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ وَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَ شَتَّاتِ الْاَمْرِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْئُ بِہِ الرِّیْحُ (ترمذی)

اے اللہ تو ایسی ہی حمد و تعریف کا مستحق ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی ہے اور اس سے بہتر تعریف کا مستحق ہے جیسی ہم کر سکتے ہیں۔ اے اللہ! تیرے ہی لیے ہے میری نماز، اور میری قربانی، میری موت اور میری زندگی، اور تیری ہی طرف مجھے لوٹ کر آنا ہے، اور تیرے ہی لیے ہے میرا سب کچھ، اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں قبر کے عذاب سے، دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں سے، معاملات کی خرابی اور خلفشار سے اور اے اللہ! میں تیری پناہ میں آتا ہوں

ان فتنوں سے جنھیں ہوائیں لے کر آئیں۔

۲۔ الحزب المنقول میں ایک نہایت جامع دعا منقول ہے اس کا اہتمام بھی باعث برکت ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَئَلَکَ بِہٖ نَبِیُّکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَبِہٖ نَبِیُّکَ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَط رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ○ رَبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاط رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَؤُوْفُ رَّحِیْمُ○ رَبَّنَا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ○ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ○

اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا طالب ہوں جو تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگی ہے اور ان ساری چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جن کے شر سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیری پناہ ڈھونڈی ہے، پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے، اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کھائے تو ہم ان میں سے ہیں جو سراسر گھاٹے میں ہیں۔ اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی اس کی توفیق دے۔ پروردگار! ہماری دعا کو شرف قبول عطا فرما۔ پروردگار! میری مغفرت فرما دے میرے والدین کی مغفرت فرما دے اور اس روز سارے ہی مسلمانوں کو بخش دے جس روز حساب کتاب ہوگا۔

اے میرے رب میرے ماں باپ دونوں پر رحم فرما، جس طرح دونوں نے میرے بچپن میں (رحم وشفقت کے ساتھ) میری پرورش کی ہے، پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ کپٹ نہ ہونے دے، جو ایمان لائے ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو بہت ہی مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے، پروردگار! تو سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، تو ہماری توبہ قبول فرما، بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ رحم کھانے والا ہے، معصیت سے بچنے کی کوئی طاقت اور فرمانبرداری کی استطاعت کہیں سے حاصل نہیں ہو سکتی

سوائے اللہ کے جو بہت ہی بلند اور بڑی ہی عظمت والا ہے۔

۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ میدان عرفات میں یہ دعا کثرت سے کرتے رہو:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ البقرہ 2:201

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔

ان مسنون دعاؤں کے علاوہ اور کچھ مسنون دعائیں بھی ہیں جو پڑھی جاسکتی ہیں اور ان کے علاوہ بھی آدمی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دعائیں مانگنا چاہے مانگے اور خوب مانگے، اس لیے کہ اس وقت خدا بندے پر بہت ہی مہربان ہوتا ہے اور اپنے مہمان کو محروم نہیں کرتا۔

۷۔ مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اور مزدلفہ کی حدود میں پا پیادہ داخل ہونا مسنون ہے، مزدلفہ میں وقوف کا وقت طلوعِ فجر سے شروع ہو کر طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے اگر طلوعِ فجر سے پہلے وقوف کیا، یا طلوعِ آفتاب کے بعد کیا تو یہ وقوف معتبر نہ ہوگا۔

۸۔ مزدلفہ میں وقفے وقفے سے تلبیہ، تہلیل اور تحمید کہنا مستحب ہے اور مزدلفہ میں ایک شب گزارنا مسنون ہے، حدیث میں ہے کہ سورج غروب ہونے کے بعد آپ مزدلفہ کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں آپ نے مغرب اور عشائ کی نماز ایک ساتھ ادا کی پھر وہاں لیٹ گئے اور طلوع فجر تک آرام فرماتے رہے۔

۹۔ ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو کسی وقت منیٰ میں پہنچنا مسنون ہے اور مستحب یہ ہے کہ طلوعِ آفتاب کے بعد وہاں پہنچ کر وہیں ظہر کی نماز پڑھی جائے اور وہی شب میں آرام کیا جائے۔

طواف اور اس کے مسائل

طواف کے لغوی معنیٰ ہیں کسی چیز کے اردگرد چکر لگانا اور گھومنا اور اصطلاح میں طواف سے مراد ہے بیت اللہ کے گرد والہانہ گھومنا اور چکر لگانا۔

بیت اللہ کی عظمت اور مرتبہ

بیت اللہ اینٹ پتھر کی محض ایک عمارت نہیں ہے بلکہ وہ روئے زمین پر خدا کی عظمت کا مخصوص نشان اور اس کے دین کا محسوس مرکز ہے جو خود اللہ نے اپنی نگرانی اور ہدایت کے تحت ایک ایسے اولوالعزم پیغمبر سے تعمیر کرایا ہے۔ (الحج آیت ۲۶: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ ...الخ) جن کی امامت پر یہود، نصاریٰ اور مسلمان سب ہی متفق ہیں اور قرآن پاک کی شہادت ہے کہ سطح زمین پر خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا گھر جو تعمیر کیا گیا وہ یہی بیت اللہ ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ آل عمران 3:96

بلاشبہ سب سے پہلا عبادت کا گھر جو انسانوں کے لیے تعمیر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکے میں ہے۔

دراصل بیت اللہ دین کا منبع اور مرکز ہے، قرآن کی وضاحت کے مطابق یہ توحید کا سرچشمہ اور نماز کی اصل جگہ ہے اور یہی توحید و نماز پورے دین کا مغز اور خلاصہ ہیں، عقیدے کے پہلو سے توحید دین کی اصل بنیاد ہے، اور عمل کے پہلو سے نماز دین کی اساس ہے، اور بیت اللہ کی تعمیر انھی دو بنیادی مقاصد کے لیے ہے، اسی لیے خدا نے اس کو خیر و برکت کا سرچشمہ اور ہدایت کا منبع قرار دیا ہے۔

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ آل عمران 3:96

اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہان والوں کے لیے اس کو منبع ہدایت بنایا گیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو دو مقامات[1] پر بَيْتِيْ (میرا گھر) کہا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنی ذریت کو مکہ کی چٹیل وادی میں بساتے ہوئے کہا ہے خدایا! میں ان کو ''تیرے[2] قابل احترام گھر'' کے پڑوس میں بسا رہا ہوں اور بیت اللہ کی عظمت اس سے

ا سورۂ البقرہ آیت ۱۲۵ میں ہے: وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ''اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیلؑ کو وصیت کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔'' اور سورۂ الحج آیت ۲۶ میں ہے: وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ ''اور یاد کرو وہ وقت جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی تجویز کی تھی (اس ہدایت کے ساتھ) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔''

۲ سورۂ ابراہیم آیت ۳۷ میں ہے: رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ پروردگار! میں نے اس بے آب و گیاہ وادی میں کچھ ذریت کو لا بسایا ہے تیرے محرم گھر کے پاس۔

زیادہ اور کیا ہوگی کہ اللہ نے اس گھر کے حج کو مسلمانوں پر اپنا ایک حق بتایا ہے، اور حج یہی تو ہے کہ مومن احرام باندھ کر یعنی خود کو بیت اللہ میں حاضری کے لائق بنا کر والہانہ انداز میں اس کے گرد طواف کرے، اس میں لگے ہوئے پتھر کو بوسہ دے ملتزم سے چمٹے، مسجد حرام میں نماز پڑھے اور عرفات میں وقوف کرے۔

طواف کی فضیلت:

بیت اللہ کی تعمیر کا مقصد یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جائے، خدا نے ابراہیمؑ کو اسی کی تاکید فرمائی اور یہ تاکید قرآن میں دو جگہ فرمائی:

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ البقرہ 125:2، الحج 26:22

اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک رکھو۔

نیز مسلمانوں کو حکم دیا کہ:

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ الحج 29:22

اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کی فضیلت بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ایک عبادت ہے، فرق یہ ہے کہ طواف میں تم گفتگو کر سکتے ہو (اور نماز میں اس کی اجازت نہیں ہے) تو جو شخص طواف کے دوران کوئی بات کرے تو اس کو چاہیے کہ منہ سے اچھی ہی بات نکالے۔ (ترمذی، نسائی)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا:

(حجر اسود اور رکن یمانی) ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کا کفارہ ہے۔'' اور میں نے آپؐ کو یہ بھی فرماتے سنا کہ جس نے خدا کے اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا اور شعور و توجہ کے ساتھ کیا، تو اس کا صلہ ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہے۔

اور یہ بھی فرماتے سنا کہ طواف میں بندہ جو بھی قدم رکھے گا اور جو بھی قدم اٹھائے گا تو خدا اس کے ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک بھلائی اس کے لیے لکھے گا۔ (ترمذی)

استلام:

استلام کے لغوی معنی ہیں چھونا اور بوسہ دینا اور اصطلاح میں استلام سے مراد ہے حجر اسود کو بوسہ دینا اور رکن یمانی کو چھونا، طواف کا ہر شوط شروع کرتے وقت حجر اسود کا استلام کرنا اور اسی طرح طواف کے ختم پر حجر اسود کا استلام کرنا سنت ہے، اور رکن یمانی کا استلام کرنا مستحب ہے۔

حجر اسود کا استلام کرتے وقت لحاظ رہے کہ منہ سے بوسے کی آواز نہ نکلے صرف حجر اسود پر منہ رکھنا مسنون ہے، اور یہ بھی خیال رہے کہ اگر غیر معمولی ازدحام ہو اور حجر اسود کا بوسہ لینے میں لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر کسی چھڑی کو حجر اسود سے مس کر کے اس کا بوسہ لیا جائے، اور یہ بھی دشوار ہو تو پھر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں حجر اسود کی طرف کر کے ہاتھ کانوں تک اٹھالے اور پھر اپنے ہاتھوں کو بوسہ دے لے۔

حجر اسود اور رکن یمانی کے استلام کی فضیلت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

اللہ کی قسم! قیامت کے روز اللہ اس کو زندگی بخش کر اُٹھائے گا، اس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن سے یہ دیکھے گا اور زبان ہوگی، جس سے یہ بولے گا اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہوگا ان کے حق میں سچی سچی گواہی دے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

رکن یمانی کی دعا:

اور رکن یمانی کے استلام کی فضیلت بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس بندے کی دعا پر آمین کہتے ہیں جو اس کے پاس یہ دعا کرتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ، رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ابن ماجہ)

اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا طالب ہوں پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

طواف کی قسمیں اوران کے احکام

طواف بیت اللہ کی چھ قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔

(۱) طواف زیارت:

اس کو طواف افاضہ اور طواف حج بھی کہتے ہیں، طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، قرآن کا حکم ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ○ الحج 29:22

اور اس قدیم گھر کا طواف کرنا چاہیے۔

ائمہؒ کا اتفاق ہے کہ اس سے طواف زیارت مراد ہے جو وقوف عرفات کے بعد دس تاریخ کو کیا جاتا ہے اور اگر کسی وجہ سے ۱۰ ذوالحجہ کو نہ ہو سکے تو ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو بھی کیا جا سکتا ہے۔

(۲) طواف قدوم:

اس کو طواف تحیۃ بھی کہتے ہیں، مکہ میں داخلے کے بعد سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں، یہ صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر کے باشندے ہوں۔[1] اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، اس کو طواف اللقا اور طواف التحیۃ بھی کہتے ہیں۔

(۳) طوافِ وداع:

بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت جو آخری طواف کرتے ہیں اس کو طواف وداع یا طواف صدر کہتے ہیں، یہ طواف بھی آفاقی پر واجب ہے، اس طواف کے بعد ملتزم سے چمٹ کر سینہ اور داہنا رخسار اس سے لگا کر اور داہنے ہاتھ سے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر انتہائی گریہ وزاری اور خشوع کے ساتھ دُعا مانگنا چاہیے۔ یہ بیت اللہ سے رُخصت کا وقت ہے

---

[1] علم الفقہ پنجم اور قدوری میں اس کو مسنون کہا گیا ہے، امام مالک کے نزدیک البتہ طواف قدوم واجب ہے۔ ان کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص بیت اللہ کی زیارت کو آئے اس کو چاہیے کہ وہ طواف تحیہ کرے۔ [عین الھدایہ جلد اول ص: ۹۹۷]

معلوم نہیں پھر کب یہ سعادت نصیب ہو، طواف وداع کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے:

کوئی شخص 'طواف رخصت' کیے بغیر بیت اللہ سے واپس نہ ہو، مگر اس خاتون کے لیے جو حالت حیض میں ہو۔ (بخاری)

(۴) طواف عمرہ:

وہ طواف جو عمرہ میں کیا جاتا ہے، یہ عمرے کا رکن ہے، اس کے بغیر عمرہ ادا نہ ہوگا۔

(۵) طواف نذر:

یعنی کسی نے طواف کی نذر مانی ہو۔ نذر کا طواف واجب ہے۔

(۶) طواف نفلی:

یہ کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے اور مکہ میں جب تک رہنے کا موقع ملے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی کہ آدمی زیادہ سے زیادہ طواف کرے۔

طواف کے واجبات

طواف میں نو (۹) چیزوں کا اہتمام واجب ہے:

(۱) نجاست حکمیہ[1]: یعنی حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا، خواتین کے لیے حیض و نفاس کی حالت میں طواف کرنا جائز نہیں۔ حضرت عائشہؓ کو حج کے سفر میں یہ ایام شروع ہو گئے تو وہ رونے لگیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رونے کی کیا بات ہے یہ تو ایک ایسی چیز ہے جو آدم کی بیٹیوں کے دم کے ساتھ ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کے کرنے کے ہوتے ہیں مگر بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ۔ (بخاری، مسلم)

(۲) ستر عورت: یعنی جسم کے ان حصوں کو چھپائے رکھنا جن کا چھپائے رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] تشریح کے لیے دیکھیے آسان فقہ ج ۱ 'اصطلاحات'

آپؐ کاارشاد ہے:

لَا یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ عُرْیَانٌ (صحیح بخاری)

برہنہ ہوکر کوئی طواف نہ کرے۔

(۳) حجراسود کے استلام سے طواف شروع کرنا۔

(۴) طواف کی ابتدائ اپنی داہنی جانب سے کرنا، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے تشریف لائے تو سب سے پہلے آپ حجراسود کے پاس آئے، اس کا استلام کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی داہنی جانب سے طواف شروع کیا۔

(۵) پاپیادہ طواف کرنا، عذر کی حالت میں سوار ہوکر بھی طواف جائز ہے اور نفل طواف تو بغیر عذر بھی سوار ہوکر جائز ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ پیدل طواف کیا جائے۔

(۶) طواف کے پہلے چار فرض چکروں کے بعد باقی تین شوط[1] پورے کرنا۔

(۷) ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پہنچے، تو آپ نے پہلے حجراسود کا استلام کیا، پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل[2] کیا پھر چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے، پھر آپ مقام ابراہیم (علیہ السلام) کی طرف بڑھے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ط (البقرہ 125:2) ''کے مقام عبادت کو مستقل جائے نماز بنالو۔'' پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ ''مقام ابراہیم (علیہ السلام) آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا، اور آپ نے نماز پڑھی۔'' (مسلم)

(۸) حطیم کے باہر باہر سے طواف کرنا تاکہ حطیم بھی طواف میں شامل رہے۔

(۹) ممنوعات احرام سے اجتناب کرنا۔

طواف کی دعا:

خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لیے جب حجراسود کے پاس پہنچے تو بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہے، پھر یہ دعا پڑھے:

ا دیکھیے اصطلاحات صفحہ ۲۷ ۲ تفصیل صفحہ ۲۶ پر دیکھیے۔

اَللّٰھُمَّ اِیۡمَانًا بِكَ وَ تَصۡدِیۡقًا بِكِتَابِكَ وَ وَفَاءً بِعَھۡدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ (نیل الاوطار)

اے اللہ! تجھ پر ایمان لاکر، تیری کتاب کی تصدیق کرکے، اور تیرے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں (یہ استلام اور طواف) کر رہا ہوں۔

اور طواف شروع کر دے۔ طواف کرتے ہوئے آہستہ آہستہ یہ دعا پڑھے:

سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکۡبَرُ وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

(ابن ماجہ، نیل الاوطار)

اللہ پاک و برتر ہے، تمام حمد و شکر اسی کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور اس کے سوا کوئی طاقت نہیں جو نیکی کرا سکے اور کوئی طاقت نہیں جو برائی سے روک سکے۔

اور جب رُکن یمانی پر پہنچے تو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا پڑھے:

رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّفِی الۡاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ البقرہ 201:2

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔

اور یہ دعا بھی پڑھے:

اَللّٰھُمَّ قَنِّعۡنِیۡ بِمَا رَزَقۡتَنِیۡ وَبَارِكۡ لِیۡ فِیۡہِ وَاخۡلُفۡ عَلٰی كُلِّیۡ غَائِبَۃٍ لِّیۡ بِخَیۡرٍ

(حصن حصین)

اے اللہ! تو مجھے قناعت دے اسی پر جو کچھ تو نے مجھے عطا کر رکھا ہے، اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور ہر غائب چیز میں تو خیر اور بھلائی کے ساتھ نگراں بن جا۔

اور یہ بھی پڑھے:

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ لَہُ الۡمُلۡكُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ وَھُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ

(حصن حصین)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، تعریف کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

طواف کے مسائل

۱۔ ہر طواف یعنی سات شوط پورے کرنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ دو طوافوں کو ملانا، اور درمیان میں نماز نہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

۲۔ سات چکر لگا لینے کے بعد کسی نے قصداً آٹھواں چکر لگا لیا تو اب چھ چکر مزید لگا کر ایک طواف اور کرنا ضروری ہے اس لیے کہ نفل عبادت شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتی ہے۔

۳۔ جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں طواف مکروہ نہیں ہے۔

۴۔ طواف کرتے ہوئے اگر پنج وقتہ نمازوں میں سے کسی نماز کا وقت آ جائے، یا نماز جنازہ آ جائے یا وضو کی ضرورت پیش آ جائے تو واپس آنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے طواف کرنے کی ضرورت نہیں، جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا وہیں سے پورا کرے۔

۵۔ طواف کرتے ہوئے اگر بھول جائے کہ کتنے شوط کیے ہیں تو پھر نئے سرے سے شروع کرے ہاں اگر کوئی قابل اعتماد شخص یاد دلا دے تو اس کی یاد دہانی کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

۶۔ طواف کے دوران کوئی چیز کھانا پینا، خرید و فروخت کرنا، اشعار گنگنانا اور بلا ضرورت باتیں کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ حالت طواف میں نجاست حقیقیہ[1] سے پاک ہونا مسنون ہے اور نجاست حکمیہ[2] سے پاک ہونا واجب ہے۔

۸۔ حج اور عمرہ دونوں کے پہلے طواف میں رمل کرنا مسنون ہے اور اضطباع بھی مسنون ہے[3]۔

۱۔۲ تشریح کے لیے دیکھیے آسان فقہ اول: اصطلاحات۔

۳ رمل اور اضطباغ صرف مردوں کے لیے مسنون ہے خواتین نہ رمل کریں اور نہ اضطباع (عین الہدایہ)

رمل

شانے ہلا کر ذرا تیز چلنا جس سے قوت اور طاقت کا مظاہرہ ہو، اس کو دُلکی چال چلنا بھی کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا نام رمل ہے۔

نبیؐ جب ۷ھ میں صحابۂ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ ''ان لوگوں کا کیا حال ہو رہا ہے! یہ تو بڑے ہی کمزور اور نحیف ہو گئے ہیں، دراصل مدینہ کی آب و ہوا نے ان کی صحت برباد کر دی ہے، مدینہ کی آب و ہوا خراب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب مکہ والوں کی اس گفتگو کا پتہ چلا تو آپ نے حکم دیا کہ ''طواف کے پہلے تین شوطوں میں سب رمل کریں۔'' یعنی دُلکی چال چل کر قوت و طاقت کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ رمل کیا گیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس وقت کی یہ ادا ایسی بھائی کہ ایک مستقل سنت قرار دے دی گئی۔

رمل صرف اسی طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہو، پس جو شخص طواف قدوم کے بعد سعی نہ کرنا چاہتا ہو، وہ اس طواف میں رمل نہ کرے بلکہ طواف زیارت میں رمل کرے، جس کے بعد اس کو سعی کرنا ہے، اسی طرح حج قِران کرنے والا جو طواف عمرہ میں رمل کر چکا ہو وہ پھر طواف حج میں رمل نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص پہلے تین شوطوں میں رمل کرنا بھول جائے تو پھر رمل بالکل ہی چھوڑ دے، دوسرے شوطوں میں نہ کرے اور ساتوں شوطوں میں رمل کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

اضطباغ

چادر وغیرہ کو اس طرح اوڑھا جائے کہ اس کا ایک کنارہ داہنے شانے پر ڈالنے کے بجائے داہنی بغل کے نیچے سے نکال کر اوڑھا جائے اور داہنا شانہ کھلا رہے، یہ عمل بھی اظہار قوت و طاقت کے لیے ہے۔

حج کے واجبات

حج میں نو باتیں واجب ہیں:

۱۔ سعی کرنا، یعنی صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے۔[1]

۲۔ مزدلفہ میں وقوف کرنا، یعنی طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کسی بھی وقت وہاں پہنچنا۔

۳۔ رمی کرنا، یعنی جمرات پر کنکریاں مارنا۔

۴۔ طواف قدوم کرنا۔ یعنی مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرنا، طواف قدوم صرف ان لوگوں پر واجب ہے جو میقات سے باہر رہتے ہیں اور جن کو آفاقی کہتے ہیں۔

۵۔ طواف وداع کرنا، خانہ کعبہ سے رخصت ہوتے وقت آخری رخصتی طواف کرنا، طواف وداع بھی صرف آفاقی پر واجب ہے۔

۶۔ حلق یا تقصیر: یعنی حج کے ارکان سے فارغ ہو کر بال منڈوانا یا صرف کتروانا، دسویں ذوالحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حلق یا تقصیر واجب ہے۔

۷۔ قربانی: یہ صرف قارن یا متمتع پر واجب ہے مفرد پر واجب نہیں۔

۸۔ مغرب اور عشا کی نماز ایک ساتھ پڑھنا۔ یعنی مغرب کی نماز مؤخر کر کے مزدلفہ میں عشا کی نماز کے ساتھ ادا کرنا، اور میدان عرفات میں ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھنا واجب نہیں ہے۔

۹۔ رمی، قربانی اور حلق و تقصیر میں ترتیب کا لحاظ رکھنا۔

سعی

لغت میں سعی کے معنی ہیں اہتمام سے چلنا، دوڑنا اور کوشش کرنا وغیرہ، اصطلاح میں

---

[1] قرآن پاک کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن علمائے اہل حدیث کے نزدیک سعی فرض ہے اور ان کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث: مَا أَتَمَّ اللهُ حَجَّ امْرِءٍ وَلَا عُمْرَتَهُ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ اللہ تعالیٰ اس شخص کا حج اور عمرہ کامل قرار نہیں دیتا جو صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔

سعی سے مراد حج کا وہ واجب عمل ہے جس میں زائر حرم صفا، مروہ نام کی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتا ہے۔ صفا بیت اللہ کے جنوب میں ہے، اور مروہ شمال کی سمت میں واقع ہے۔ آج کل ان دو پہاڑیوں کا معمولی سا نشان باقی ہے اور ان کے درمیان دو سڑکیں تعمیر کر دی گئی ہیں، ایک صفا سے مروہ تک دوڑنے کے لیے اور دوسری مروہ سے واپس صفا تک دوڑنے کے لیے اور ان پر بہت بڑا شیڈ ڈال کر ان سڑکوں کو پاٹ دیا گیا ہے تا کہ سعی کرنے والے دھوپ کی شدت اور بارش سے محفوظ رہیں۔

سعی کی حقیقت و حکمت

قرآن پاک میں ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ البقرہ 158:2

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

''شَعَائر'' ''شعیرۃ'' کی جمع ہے، کسی رُوحانی اور معنوی حقیقت اور کسی مذہبی یادگار کو محسوس کرانے اور یاد دلانے کے لیے جو چیز بطور نشان اور علامت مقرر کی گئی ہو اس کو شعیرہ کہتے ہیں دراصل یہ مقامات خدا پرستی اور اسلام کے عملی اظہار کے یادگار مقامات ہیں، مروہ وہی مقام ہے جہاں خدا کے خلیل حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو زمین پر پیشانی کے بل لٹا کر گردن پر چھری رکھ دی تھی، کہ اپنے خواب کو سچا کر دکھائیں اور اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز چیز کو خدا کی رضا پر قربان کر کے اپنے قول (اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ، میں نے کامل طور پر خود کو اللہ رب العالمین کے حوالے کر دیا) کی عملی شہادت پیش کر دیں۔

اسلام اور سپردگی کا یہ عجیب و غریب منظر دیکھتے ہی خدا نے ان کو پکارا اور کہا ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی:

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ صافات 104:37-106

اور ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ بلاشبہ ہم

محسنوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک کھلی ہوئی زبردست آزمائش تھی۔

صفا، مروہ پر نگاہ ڈالتے ہی فطری طور پر مومن کے ذہن میں قربانی کی یہ پوری تاریخ تازہ ہو جاتی ہے، اور ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے اسلام اور بندگی کی پوری تصویر نگاہوں میں پھر جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو ذہن نشین کرانے اور اس ولولہ انگیز تاریخ کو یاد کرنے کے لیے خدا نے سعی کو مناسک حج میں شامل فرمایا۔ خدا کا ارشاد ہے:

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝ البقرہ 158:2

لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو مضائقہ نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان سعی کرے، اور جو شخص دل کی رغبت اور شوق کے ساتھ بھلا کام کرے گا تو خدا کو ہر چیز معلوم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

دورِ جاہلیت میں مشرکین مکہ نے ان دو پہاڑیوں پر بتوں کے استھان بنائے تھے۔ صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کا استھان تھا، اور ان کے گرد طواف ہوتا تھا، اسی لیے مسلمانوں کو تردد تھا کہ وہ ان کے درمیان سعی کریں یا نہ کریں، تو خدا نے وضاحت کی کہ ان کے درمیان سعی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لیے کہ سعی دراصل مناسک حج میں سے ہے، اور حضرت ابراہیمؑ کو جو مناسک تعلیم دیے گئے تھے ان میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنے کی ہدایت بھی تھی، اس لیے کسی کراہیت کے بغیر مسلمان پورے شوق اور دل کی رغبت سے صفا اور مروہ کی سعی کریں، خدا دل کے حالات سے پوری طرح باخبر ہے اور وہ انسان کے اچھے جذبات اور اعمال صالحہ کی قدر کرتا ہے۔

سعی کے مسائل

۱۔ طواف کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد سعی کرنا واجب ہے۔ طواف سے پہلے سعی کرنا جائز نہیں۔

۲۔ سعی کی حالت میں نجاست حکمیہ یعنی حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر سے پاک ہونا

واجب تو نہیں ہے، لیکن مسنون ہے۔

۳۔ سعی میں بھی سات شوط ہوتے ہیں اور یہ ساتوں شوط واجب ہیں، ان میں سے کوئی شوط بھی فرض نہیں ہے۔

۴۔ طواف سے فارغ ہوتے ہی سعی شروع کرنا مسنون تو ہے لیکن واجب نہیں۔

۵۔ سعی کی ابتدا صفا سے کرنا واجب ہے۔

۶۔ سعی پا پیادہ کرنا واجب ہے البتہ کوئی عذر ہو تو سواری پر بھی کر سکتے ہیں۔

۷۔ پورے حج میں صرف ایک ہی بار سعی کرنا چاہیے، چاہے طواف قدوم کے بعد کرے یا طواف زیارت کے بعد، بہتر یہ ہے کہ طواف زیارت کے بعد سعی کی جائے۔

۸۔ صفا اور مروہ پر چڑھنا اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھانا اور دعا کرنا مسنون ہے۔

۹۔ سعی کے دوران خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے البتہ سعی کے وقت بات چیت کرنا جائز ہے۔

سعی کا طریقہ اور دعائیں:

طواف قدوم یا طواف زیارت جس کے بعد بھی سعی کرنے کا ارادہ ہو اس سے فارغ ہو کر پہلے صفا پہاڑی پر پہنچا جائے، صفا پر پہنچ کر یہ آیت پڑھی جائے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ البقرہ 158:2

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

اور پھر صفا پر اتنی اونچائی تک چڑھا جائے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے۔ پھر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر تین بار ''اللہ اکبر'' کہا جائے اور پھر یہ دعا پڑھی جائے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (مسلم)

خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، حمد و شکر کا وہی مستحق ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے، اس نے

اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اس نے تنہا تمام کافر گروہوں کو شکست دی۔

پھر درود شریف پڑھ کر جو دعائیں مانگنی ہوں مانگی جائیں، اپنے لیے اپنے عزیز اور رشتہ داروں کے لیے، یہ قبولیتِ دعا کا مقام ہے اس لیے دُنیا اور عقبیٰ کی بھلائی اور سعادت کے لیے خوب ہی دعا کی جائے اور پھر یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ وَاِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ کَمَا ھَدَیْتَنِیْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَہٗ مِنِّیْ حَتّٰی تَوَفَّانِیْ وَاَنَا مُسْلِمٌ (موطا)

اے اللہ! تیرا ارشاد ہے کہ مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا اور تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو اس دولت کو مجھ سے کبھی دور نہ کر یہاں تک کہ تو مجھے موت نصیب فرمائے، تو میرا خاتمہ اسلام پر ہو۔

اس کے بعد صفا سے اُتر کر مروہ کی طرف روانہ ہونا چاہیے اور چلتے ہوئے زبان پر یہ دعا رہے:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ

میرے رب! میری مغفرت فرما دے، میری حالت پر رحم فرما دے، تو انتہائی غالب اور انتہائی بزرگ ہے۔

صفا اور مروہ کے درمیان مروہ کو جاتے ہوئے بائیں جانب کو دو سبز نشان ہیں، ان کو میلین اخضرین کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نشانوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے[1] پھر مروہ پر چڑھ کر وہی دعائیں مانگی جائیں جو صفا پر مانگی تھیں، اور دیر تک ذکر و تسبیح میں مشغول رہا جائے۔ اس لیے کہ یہ دعا قبول ہونے کا مقام ہے، پھر مروہ سے اُتر کر صفا کی طرف واپس جاتے ہوئے وہی دعا پڑھی جائے جو آتے وقت پڑھی تھی اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑا جائے اور اسی طرح سات شوط پورے کیے جائیں۔

---

[1] لیکن یہ صرف مردوں کے لیے مسنون ہے، خواتین میلین اخضرین کے درمیان بھی معمول کے مطابق چلیں۔ دوڑیں نہیں اس لیے کہ دوڑنا پردہ پوشی میں خلل ڈالے گا۔

رمی

لغت میں رمی کے معنی ہیں پھینکنا اور نشانہ لگانا، اور اصطلاح میں رمی سے مراد حج کا وہ عمل ہے جس میں حاجی پتھر کے تین ستونوں پر کنکریاں مارتا ہے، رمی جمرات واجب ہے، جمرات یا جمار، جمرہ کی جمع ہے، جمرہ کنکری کو کہتے ہیں، منیٰ کے راستے میں کچھ کچھ فاصلے سے پتھر کے تین ستون قدِ آدم کے برابر کھڑے ہیں ان پر چونکہ کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اس لیے ان ستونوں ہی کو جمرات کہنے لگے، اور یہ تین جمرات..... جمرۂ اولیٰ، جمرۂ وسطیٰ اور جمرۂ عقبی کے نام سے مشہور ہیں، ان میں سے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے اس کو جمرہ عقبیٰ کہتے ہیں بعد والے کو جمرۂ وسطیٰ جو مسجد خیف کے قریب ہے جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں۔

رمی کی حقیقت وحکمت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے مکہ معظّمہ پر اس ناپاک ارادے سے چڑھائی کی کہ وہ کعبہ کو ڈھادے گا، چنانچہ وہ ہاتھیوں پر سوار ایک زبردست لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور برابر آگے بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ مکہ کے بالکل قریب ''وادی محسّر'' میں پہنچ گیا۔ خدا نے اس کے ناپاک ارادے کو بری طرح ناکام بنایا اور سمندر کی جانب سے ننھے ننھے پرندوں کے جھنڈ پرے کے پرے بن کر نمودار ہوتے جن کے پنجوں اور چونچوں میں ننھی ننھی کنکریاں تھیں اور انھوں نے اس ہاتھی سوار فوج پر کنکریوں کی ایسی بے پناہ اور ہلاکت خیز بارش کی کہ پوری فوج تہس نہس ہو کر رہ گئی، بیشتر تو وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے اور کچھ بڑی بری حالت میں عبرتناک موت کے لیے وہاں سے بھاگے۔

رمی جمرات دراصل اسی بے پناہ سنگ باری کی یادگار ہے، جمرات پر اللہ اکبر کہہ کر خدا کی کبریائی کا اعلان کرتے ہوئے کنکریاں مارنا دراصل اس حقیقت سے دُنیا کو خبردار کرنا اور اپنے اس عزم کا اظہار کرنا ہے کہ مومنوں کا وجود دُنیا میں خدا کے دین کی حفاظت کے لیے ہے کوئی

طاقت بھی اگر اس کے دین پر بری نیت سے نگاہ ڈالنے کی ناپاک جرأت کرے گی اور اس کی جڑوں کو ڈھانے کا ارادہ کر کے اس کی طرف بڑھے گی تو ہم اس کو تہس نہس کر دیں گے۔

رمی کے مسائل:

۱۔ رمی کرنا واجب ہے۔[1]

۲۔ نشیب میں کھڑے ہو کر رمی کرنا مسنون ہے۔ اونچے مقام سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

۳۔ ہر رمی کے ساتھ ''اللہ اکبر'' کہنا مسنون ہے۔

۴۔ کنکری اگر جمرہ پر نہ لگے اور نشانہ خطا کر جائے تو کوئی حرج نہیں، رمی درست ہے، بشرطیکہ کنکری جمرہ کے قریب کہیں گرے۔

۵۔ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو یعنی پہلے دن صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کی جائے اور پھر گیارہ بارہ تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کی جائے اور تیرھویں تاریخ کی رمی صرف مستحب ہے۔ واجب نہیں۔

۶۔ ایک بڑا کنکر توڑ کر سات کنکریاں بنانا مکروہ ہے۔

۷۔ سات مرتبہ سے زیادہ رمی کرنا مکروہ ہے۔

۸۔ واجب یہ ہے کہ سات کنکریاں سات مرتبہ میں ماری جائیں گی اگر کوئی شخص ایک ہی مرتبہ میں ایک ساتھ سات کنکریاں مار دے تو یہ ایک ہی رمی قرار پائے گی۔

۹۔ رمی کے لیے مزدلفے سے آتے وقت ''وادی محسّر'' میں سے کنکریاں ساتھ لانا مستحب ہے، جمرہ کے پاس سے کنکریاں اُٹھانا مکروہ ہے۔[2]

۱۰۔ جس کنکری کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ یہ ناپاک ہے، اس سے رمی کرنا مکروہ ہے۔

---

[1] امام مالک کے نزدیک جمرۂ عقبیٰ کی رمی فرض ہے۔ اگر یہ رمی ترک کر دی جائے تو حج باطل ہو جائے گا۔

[2] دراصل جمرہ کے پاس صرف وہی کنکریاں رہ جاتی ہیں جو خدا کے یہاں مقبول نہیں ہوتیں، اور جو کنکریاں مقبول ہو جاتی ہیں وہاں سے فرشتے اُٹھا لے جاتے ہیں، لہٰذا رد کی ہوئی کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے، حضرت ابوسعید خدریؓ نے نبی ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! ہر سال ہم جن کنکریوں سے رمی کرتے ہیں ہمارا خیال ہے کہ وہ کم ہو جاتی ہیں، ارشاد فرمایا: ''ہاں ان میں سے جو قبول ہو جاتی ہیں وہ اٹھالی جاتی ہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو تم پہاڑوں کی طرح ان کنکریوں کے ڈھیر دیکھتے۔'' [دارقطنی]

۱۱۔ دسویں تاریخ کی رمی شروع کرتے ہی تلبیہ بند کر دینا چاہیے۔ بخاری میں ہے کہ آپؐ جمرۂ عقبہ کی رمی تک لبیک کہتے رہے۔

۱۲۔ دس ذوالحجہ کی رمی کا مسنون وقت طلوع آفتاب سے زوال تک ہے، اس کے بعد غروب آفتاب تک بھی جائز ہے، لیکن غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا مکروہ ہے اور باقی تاریخوں میں زوال کے بعد سے غروب آفتاب تک مسنون وقت ہے۔

۱۳۔ رمی کرنے کے لیے ایک شب منیٰ میں گزارنا مسنون ہے۔

۱۴۔ دسویں تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد دوسری تاریخوں میں اس ترتیب کے ساتھ رمی کرنا مسنون ہے، پہلے جمرۂ اولیٰ کی رمی کی جائے جو مسجد خیف کے قریب ہے، پھر جمرۂ وسطیٰ کی اور پھر جمرۂ عقبہ کی۔

۱۵۔ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی پاپیادہ کرنا افضل ہے اور جمرۂ عقبہ کی رمی سوار ہو کر کرنا افضل ہے۔

۱۶۔ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے بعد اتنی دیر جس میں سورۂ فاتحہ کی تلاوت کی جا سکے، کھڑا رہنا اور تحمید و تہلیل اور تکبیر اور درود وغیرہ پڑھنے میں مشغول رہنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مسنون ہے۔

۱۷۔ رمی سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آتے وقت کچھ دیر کے لیے محصب میں قیام کرنا مسنون ہے۔

۱۸۔ منیٰ اور مکہ کے درمیان ایک میدان تھا اس کو محصب کہتے تھے، اب وہ آباد ہو گیا ہے، اور آج کل اس کو معابدہ کہتے ہیں، حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے یہاں قیام فرمایا تھا۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز محصب میں ادا فرمائی۔ پھر یہاں کچھ دیر آرام فرمایا اور پھر سوار ہو کر یہاں سے بیت اللہ تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ (بخاری)

مگر یہاں قیام کی حیثیت صرف سنت کی ہے، واجب اور لازم نہیں ہے اگر کوئی قیام

نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۹۔ رمی ان تمام چیزوں سے کی جاسکتی ہے جن سے تیمم کرنا جائز ہے اینٹ، پتھر، ٹھکری، سنگریزہ، مٹی کا ڈھیلا، مٹی وغیرہ، لکڑی اور مشک وعنبر یا جواہرات سے رمی کرنا جائز نہیں۔

رمی کا طریقہ اور دعا:

جمرۂ عقبہ کی پہلی رمی شروع کرنے سے پہلے ہی تلبیہ ترک کر دینا چاہیے اور پھر رمی شروع کی جائے، رمی کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نشیب کے مقام پر کھڑے ہو کر پہلے یہ دعا پڑھے:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ رَغْمًا لِلشَّیْطٰنِ وَرِضًا لِلرَّحْمٰنِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَ ذَنْبًا مَّغْفُوْرًا وَسَعْیًا مَّشْکُوْرًا

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اللہ سب سے بڑا ہے، شیطان کی خواہش کو پامال کرنے اور اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے، اے اللہ! اس حج کو حج مبرور بنا دے اور گناہوں کو معاف فرما دے اور اس کوشش کو قبول فرمالے۔

پھر کنکریوں کو انگلیوں کے پوروں میں پکڑ کر ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے ہر کنکری مارے اور خوب تاک کر مارے، جمرۂ عقبہ کو پہاڑی کے اوپر سے مارنا، یا بڑی بڑی اینٹوں اور پتھروں سے مارنا یا جمرہ کے پاس کی پڑی ہوئی کنکریوں سے مارنا مکروہ ہے۔

حلق یا تقصیر کے مسائل

حلق کے لغوی معنی ہیں سر منڈانا اور تقصیر کے معنی ہیں بال کتروانا، حلق یا تقصیر حج کے اعمال میں سے ایک لازمی عمل ہے، خدا کا ارشاد ہے:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ الفتح 27:48

تم ان شاء اللہ مسجد حرام میں اپنے سر منڈا کر یا بال کتروا کر امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے اور تمھیں کسی قسم کا کوئی خوف نہ ہوگا۔

حلق یا تقصیر دراصل حالت احرام سے باہر آنے اور حلال ہونے کا ایک مقررہ شرعی طریقہ ہے، اس کی حکمت پر اظہار خیال کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حلق کی حکمت یہ ہے کہ حالت احرام سے باہر آنے کا ایک خاص متعین طریقہ ہے، اگر یہ طریقہ مقرر نہ کیا جاتا جو خلاف وقار ہے تو ہر شخص اپنی اپنی خواہش کے مطابق اپنا احرام ختم کرتا اور احرام سے باہر آنے کے لیے الگ الگ طریقے تجویز کرتا''

(حجۃ اللہ البالغہ)

۱۔ نحر کے دن ۱۰ ذوالحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کے بعد حلق یا تقصیر کرانا واجب ہے۔

۲۔ مردوں کے لیے حلق اور تقصیر دونوں ہی جائز ہیں لیکن حلق کی فضیلت زیادہ ہے اس لیے کہ نبیؐ نے حلق کرنے والوں کے لیے دو بار مغفرت کی دعا فرمائی اور تقصیر کرنے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت فرمائی۔

(ابوداؤد عن عبداللہ ابن عمرؓ، جمع الفوائد باب الرمی، والحلق والتحلل)

۳۔ خواتین کو تقصیر ہی کرانا چاہیے، ان کے لیے حلق جائز نہیں۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ تقصیر میں مرد پورے سر کے بال ایک ایک انگل کتروادے تو جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک چوتھائی سر کے بالوں میں سے کچھ حصہ کتروادے اور خواتین کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے چند بال چوٹی میں سے کتروالیں۔

۵۔ کسی کے سر پر بال بالکل اُگے ہی نہ ہوں یعنی گنجا ہو تو اس کے لیے صرف استرہ سر پر پھیر لینا کافی ہے۔

۶۔ کسی بال صاف کرنے والی دوا کے ذریعے کوئی اپنے بال صاف کرلے تو یہ بھی جائز ہے۔

۷۔ حلق یا تقصیر کا عمل کر لینے کے بعد آدمی حالت احرام سے باہر آجاتا ہے اور وہ سارے کام اس کے لیے حلال ہو جاتے ہیں جو احرام باندھنے کے بعد حرام ہو گئے تھے۔ البتہ بیوی سے مخصوص تعلق اب بھی جائز نہیں ہے۔ یہ تعلق طوافِ زیارت کر لینے کے بعد جائز ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نہیں۔

سفرحج کا بیان

خوش نصیب زائرین حرم جب سفرحج کا پختہ ارادہ کرلیں تو وہ انتہائی فکر واہتمام کے ساتھ اس مبارک سفر کے لیے ذہنی اور عملی تیاری شروع کریں، اوران کی روانگی میں جو دن بھی باقی ہو وہ یکسوئی کے ساتھ برابر اس تیاری میں لگے رہیں کہ وہ اللہ کے گھر کی زیارت اور اللہ کے مہمان بننے جارہے ہیں، دل وجان سے کوشش کریں کہ وہ فی الحقیقت اپنے رب کے مکرم مہمان اوراس کے گھر کی زیارت کے لائق ثابت ہوسکیں۔ حج کے لیے ذہنی اور عملی تیاری کے سلسلے میں چھ کام تو وہ تن دہی اور لگن کے ساتھ ضرور ہی کرلیں۔

ا) مناسک حج۔ قفّیت

زائرین حرم، حج کا ارادہ کرتے ہی اولین کام تو یہ کریں کہ حج کی تاریخ ومقصد، حج کی حقیقت و اہمیت، شعائر اللہ کی تاریخی عظمت، مناسک حج، حج کے مقامات، حج کی اصطلاحات، حج کے احکام ومسائل وغیرہ کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کریں، حج کی دعائیں اوراذکار وغیرہ سمجھ کر پڑھیں ان کے مفہوم پر غور وفکر کریں اورانھیں زبانی یاد کرنے کی کوشش کریں، قرآن پاک کے ان حصوں کا خصوصی مطالعہ کریں جن میں حج کی عظمت واہمیت، تاریخ اوراحکام ومسائل بیان ہوئے ہیں، حدیث کے ایسے حصوں کا بھی خاص طور پر مطالعہ کریں، سیرت رسولؐ سے دعوت وعزیمت کے تاریخی مراحل، ان مراحل سے متعلق تاریخی مقامات، غزوات، رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری حج کی روداد وغیرہ کا بھی اہتمام کے ساتھ مطالعہ کریں، اورحج کا طریقہ بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلیں تاکہ حج کے ایک ایک رکن کو، اورایک ایک دعا کو وہ پوری دل بستگی، کامل شعور، ذہنی بیداری اور حضورِ قلب کے ساتھ ادا کرسکیں، اوران کا حج محض رسمی حج نہ رہے بلکہ واقعی حج مبرور ہو، اوروہ ان کی کایا کلپ کرسکے۔

۲) اخلاصِ نیت

دوسرا کام یہ ہے کہ زائرین حرم اپنے دلوں کو اچھی طرح ٹٹولیں، حج صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں فلاح کی نیت ہی سے ہونا چاہیے۔ نمود و نمائش، فخر و غرور، دینی شہرت و عزت۔ دنیوی مفادات جیسے مذموم اور رکیک اغراض سے حج جیسی عظیم عبادت کو پاک رکھیں۔ عبادت کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے۔ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کی وہ نیت کرتا ہے۔ اللہ کا ارشاد یاد رکھیں:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ البقرہ 196:2

اور حج اور عمرے کو پورا کرو محض اللہ کی خاطر۔

۳) سچی توبہ

زئرین حرم پر واجب ہے کہ حج کا ارادہ کرتے ہی سنجیدگی سے اپنے ایک ایک قول و عمل کا جائزہ لیں اور صدق دل سے اللہ کے حضور تمام گناہوں سے توبہ کریں، رسمی توبہ نہیں بلکہ دل کی گہرائی سے خالص توبہ کریں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ التحریم 8:66

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے توبہ کرو۔ خالص توبہ۔

توبۂ نصوح یعنی سچی اور خالص توبہ کے چار ارکان ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی پورے طور پر گناہ سے باز آجائے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ ہو، تیسری یہ کہ وہ پختہ عزم کرے کہ آیندہ کبھی گناہ کے قریب نہ پھٹکے گا، اور چوتھے یہ کہ اگر کسی بندے کی حق تلفی کی ہو یا کسی پر کوئی زیادتی کی ہو، تو اس سے معافی مانگے اور اس کا حق ادا کرے۔ جس نے سچے دل سے ان چار باتوں کی تعمیل کی اس نے واقعی توبۂ نصوح یعنی سچی توبہ کی اسے بجا طور پر اللہ سے پوری پوری امید رکھنی چاہیے کہ اللہ اس کے سارے گناہ معاف فرمادے گا خواہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ ہوں اور اس پر رحمتوں کی بارش کرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ

الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○ الزمر 53:39

اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہ معاف فرمادے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی معاف فرمانے والا اور بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔

۴) ادائے حقوق

اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ درست کرنے کے ساتھ ساتھ بندوں سے بھی اپنا معاملہ دُرست کرلیں، کسی کا قرضہ واجب ہوتو پہلی فرصت میں ادا کردیں، کسی کی امانت ہوتو واپس کردیں، کسی کا حق مارا ہوتو کشادہ دلی اور معذرت کے ساتھ ادا کردیں، کسی کو ستایا ہو، دل دکھایا ہو، الزام لگایا ہو، یا کسی بڑے کی شان میں گستاخی کی ہوتو اس سے معافی مانگ لیں۔ کسی سے کوئی جھگڑا چل رہا ہوتو اسے ختم کریں، کسی کو ناراض کر رکھا ہوتو اسے راضی کریں، غرض اپنے ماں باپ، رشتہ دار، دوست احباب اور حلقۂ تعارف میں ہر ایک سے اپنا معاملہ صاف کر کے پاک وصاف خدا کے دربار میں پہنچیں، پھر یہ ساری تگ ودو محض رسم پوری کرنے یا نمود ونمائش کے لیے نہ کریں بلکہ پورے اخلاص اور سچے جذبے کے ساتھ کریں، بندوں کا حق ادا کرنے کا حکم بھی اللہ نے دیا ہے، اور حج کا حکم بھی اللہ نے دیا ہے یہ کس قدر بڑی نادانی ہوگی کہ جس حکم کی تعمیل زائرِ حرم اپنے ہی مقام پر اور آج ہی کرسکتا ہے اس سے پہلو تہی کرے اور دوسرا حکم جو اسے آیندہ بجالانا ہے اس کے لیے دُور دراز کا سفر کرے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جس شخص نے اپنے بھائی کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اس کا مال لے کر یا اُس کی بے آبروئی کر کے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس سے آج ہی معاملہ صاف کرلے، اس دن سے پہلے جبکہ نہ درہم ہوگا اور نہ دینار۔ اس دن اگر اس کے پاس نیک عمل ہوگا۔ تو اس کی زیادتی کے بقدر اس سے لیا جائے گا۔ اور اگر کوئی نیک عمل نہ ہوگا تو اس کے گناہ لے کر اس شخص کے سر ڈال دیے جائیں گے۔

۵) طیب مال

اللہ تعالیٰ قدوس وحمید ہے، غنی اور بے نیاز ہے..... وہ نہ تو حرام مال قبول کرتا ہے اور نہ حرام مال کے ذریعے کی ہوئی عبادت قبول کرتا ہے، اور نہ ایسے شخص کی عبادت قبول کرتا ہے جس کا جسم حرام روزی سے پلا ہوا ہو،.....اس لیے زائرین حرم، حج کے لیے حلال اور طیب مال کا اہتمام کریں، اور ساتھ ہی یہ اہتمام بھی کریں کہ حلال روزی کھائیں اور حلال ذرائع سے کمائیں۔ سود، رشوت، بلیک، خیانت اور چوری سے کمایا ہوا مال اس لائق نہیں ہے کہ اس کے ذریعے سے آدمی اللہ کے گھر کی زیارت کرے اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس سے پالے ہوئے جسم وجان کو لے کر آدمی خدا کے گھر کی زیارت کو جائے۔ اگر کسی کے مال میں اس طرح کی کوئی آمیزش ہے تو وہ اولین فرصت میں حتمی طور پر فیصلہ کر لے، کہ آیندہ ایک حبہ حرام ذرائع سے حاصل نہ کرے گا اور اس وقت حرام حصے میں اپنے مال کو پاک کرنے کا جہاں تک امکان ہوگا پاک کرے گا اور جیتے جی اب کبھی حرام کا کوئی ریزہ اور کوئی گھونٹ اس کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَیُّھَا النَّاسُ، اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُومِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِہٖ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ تَعَالٰی "یٰاَیُّھَا الرُّسُل کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَ قَالَ تَعَالٰی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنٰکُمْ ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ یَارَبِّ یَا رَبِّ وَ مَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَ مَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ، وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذَالِکَ (مسلم)

اے لوگو! اللہ پاک ہے، اور وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور اللہ نے مومنوں کو بھی اسی کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا ہے، پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اے رسولو! پاکیزہ روزی کھاؤ جو اللہ نے تمھیں دی ہے، پھر آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا، کہ اس نے طول طویل سفر کیا، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اس کا چہرہ غبار آلود ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے کہ اے میرے رب! اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا

ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اور وہ حرام سے پلا ہوا ہے تو ایسے شخص کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔

وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ حَاجًّا بِنَفَقَةٍ طَيِّبَةٍ وَّ وَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ فَنَادٰى لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ نَادَاهُ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ زَادُكَ حَلَالٌ وَ رَاحِلَتُكَ حَلَالٌ، وَ حَجُّكَ مَبْرُوْرٌ غَيْرُ مَازُوْرٍ۔ وَاِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ بِالنَّفَقَةِ الْخَبِيْثَةِ فَوَضَعَ رِجْلَهٗ فِي الْغَرْزِ فَنَادٰى لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ نَادَاهُ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ زَادُكَ حَرَامٌ وَ نَفَقَتُكَ حَرَامٌ وَ حَجُّكَ غَيْرُ مَبْرُوْرٍ (طبرانی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی بندہ حلال اور طیب مال لے کر حج کے لیے نکلتا ہے اور وہ اپنے قدم رکاب میں رکھ کر پکارتا ہے لبیک اللھم لبیک تو آسمان سے ایک پکارنے والا اس کو جواب دیتا ہے۔ تیری پکار سنی گئی تجھے رحمت الٰہی نے قبول کر لیا۔ تیری زادِ راہ حلال ہے، تیری سواری حلال ہے اور تیرا حج مقبول اور گناہوں سے پاک ہے۔

اور جب کوئی بندہ گندے اور حرام مال کے ساتھ نکلتا ہے اور وہ اپنے پاؤں رکاب میں رکھ کر کہتا ہے لبیک اللھم لبیک تو آسمان سے پکارنے والا اس کا جواب دیتا ہے لا لبیک ولا سعدیک، نہ تیری پکار سنی گئی نہ رحمت الٰہی تیرے شامل حال ہے۔ تیری زادِ راہ حرام ہے، تیرا مال حرام ہے اور تیرا حج غیر مقبول ہے۔

۶) وصیت

سفر پر نکلنے سے پہلے اپنی اولاد اور گھر والوں کو وصیت کریں، کہ وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کریں، نیکی پر قائم رہیں، پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام کریں، پابندی کے ساتھ تلاوت قرآن کریں، قرآن کو سمجھ کر پڑھنے کی عادت ڈالیں، خود بھی نیک کام کریں اور دوسروں کو بھی نیک کام پر اُبھاریں، خود بھی برائیوں سے بچیں اور دوسروں کو بھی برائیوں سے بچائیں۔ اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کی زندگی گزاریں، اس کے علاوہ گھر والوں کو اپنے مال و جائداد کے بارے میں وصیت لکھ کر دے جائیں اور دو افراد کو گواہ بنا دیں کوئی کاروباری لین دین ہو، جائیداد کے حقوق ہوں یا اور کوئی مالی مطالبات ہوں دوسروں پر ہوں یا خود زائر حرم پر

ہوں۔ ان سب چیزوں کی بھی دستاویز لکھ کر اور دو افراد کو گواہ بنا کر گھر والوں کو دیتے جائیں اور پھر یہاں کی ہر فکر سے ذہن کو بالکل خالی کر کے صرف وہاں کی فکر کے لیے یکسو ہو جائیں، اب پوری دل جمعی اور اطمینان کے ساتھ حج کے لیے اس طرح جائیں کہ صرف ایک ہی فکر ہو، سر میں ایک ہی سودا سمایا ہوا ہو، ایک ہی دھن ہو اور حج کے سوا اب کوئی اور غم نہ ہو۔

سفر پر روانگی

سفر حج پر روانہ ہوتے وقت اور سفر کے دوران پانچ باتوں کا اہتمام ضرور کریں۔ توقع ہے کہ اس اہتمام اور کوشش کے ذریعے زائرین حرم خود کو اللہ کے گھر کی زیارت کے لائق بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

۱۔ تحیّۃ السفر

سفر پر جانے کے لیے جب گھر سے نکلنے لگیں تو پہلے مسجد میں جا کر یا گھر ہی میں دو رکعت نماز تحیّۃ السفر ادا کریں، یہ دو رکعتیں پوری دل بستگی اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھیں اور نماز سے فارغ ہو کر کامل انابت اور عاجزی کے ساتھ دعا مانگیں، صحت و سلامتی کی دعا، دورانِ سفر سہولت اور امن و امان کی دعا، حج کی مقبولیت کی دعا، سفر سے بہ سلامتی و عافیت واپس آنے کی دعا، اور گھر والوں کی صحت و سلامتی اور حفاظت جان و ایمان کی دعا اور اس کے علاوہ جو چاہیں وہ دعائیں مانگیں۔

۲۔ سفر کی مسنون دعا

پھر جب سواری پر بیٹھ جائیں تو دل کی گہرائی اور جوش کے ساتھ تین بار اللہ اکبر کہیں اور پھر یہ کلمات پڑھیں:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ.

پاک و برتر ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا ہے ورنہ ہم اپنے بل پر اسے قابو میں نہ کر سکتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ ہمیں لازماً اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔

پھر یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِ اعَنَّا بُعْدَہٗ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَةُ فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَ كَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ

(مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

اے اللہ ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کی توفیق چاہتے ہیں اور ایسے کاموں کی توفیق جو تیری خوشنودی کے ہوں، خدایا ہم پر یہ سفر آسان فرمادے اور اس کا فاصلہ ہمارے لیے لپیٹ دے، اے اللہ تو ہی اس سفر میں رفیق ہے اور تو ہی ہمارے پیچھے گھر والوں میں خلیفہ اور نگراں ہے خدایا میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقتوں سے ناگوار منظر، اور اپنے مال، اپنے متعلقین اور اپنی اولاد میں بری واپسی سے اور اچھائی کے بعد برائی سے اور مظلوم کی بددعا سے۔

۳۔ دورانِ سفر زبان پر قابو

طویل سفر کے دوران زبان پر قابو رکھیں اور اس کا صحیح استعمال کرنے پر خصوصی توجہ دیں۔ مسنون دُعاؤں کا اہتمام رکھیں، ذکر الٰہی سے مشغول رہیں، تلاوت قرآن کا التزام کریں اور قرآن کے مطالب اور مطالبات پر غور کرتے رہیں، توبہ واستغفار کریں، لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں، اور برائیوں اور کوتاہیوں پر ٹوکتے رہیں۔

غیبت، بہتان، تذلیل وتحقیر، بے جا مذاق اور لایعنی گفتگوؤں سے پرہیز کریں، غافل بندوں کی طرح ٹھٹھے نہ لگائیں، سنجیدہ رہیں اور بے مقصد اور بیہودہ بات چیت میں ہرگز وقت ضائع نہ کریں، جب کہیں خیر کی بات کہیں، ورنہ خاموش رہیں، سفر حج میں لڑائی جھگڑے، آپس کی چپقلش اور اختلاف کی بڑی وجہ زبان کی بے لگامی بھی ہوتی ہے۔ زبان پر قابو رہے اور زبان دعا واذکار میں مشغول رہے تو آدمی بڑی حد تک آپس کی کشاکش اور لڑائی جھگڑے سے محفوظ رہتا ہے اور قرآن کی ہدایت برابر یاد رکھیں۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ البقرہ 2:197

سفر حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے لو اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیز گاری ہے تو اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے بچتے رہو۔

۴۔ نیک رفقائے سفر

سفر میں نیک ساتھیوں اور صالح رفیقوں کی صحبت اختیار کریں، بیہودہ، بے عمل، نافرمان، چرب زبان، بے وقوف اور غافل بندوں سے الگ تھلگ رہیں، سفر میں نیک رفیقوں کی صحبت بھی نیکی پر استقامت اور نیک جذبات کو بیدار رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ سفر میں صالح رفاقت خدا کا انعام ہے۔ اس کے لیے اپنی سی کوشش ضرور کریں، اطاعت گزار، صاحب علم، سنجیدہ، سمجھ دار اور دینی ذوق رکھنے والے ساتھیوں کا ساتھ پکڑیں، قرآن پاک کی تلاوت اور دینی کتابوں کا مطالعہ بھی نیک ساتھیوں کا نعم البدل بن سکتی ہیں۔

۵۔ نیک سلوک

راہ کے رفیقوں کا حق ادا کریں، انھیں نیکی کی تلقین کریں، سفر کے مقصد کی طرف توجہ رکھیں، انھیں ممکن حد تک سہولت پہنچائیں، ان کے آرام کا خیال رکھیں، حسن سلوک کریں، ان کے کاموں میں جہاں تک ہو سکے تعاون کریں اور ان کے نیک جذبات کو بیدار رکھنے میں برابر کوشاں رہیں، کمزوروں، ضعیفوں کے کام آئیں، ہر معاملے میں ایثار اور فراخ دلی سے کام لیں، تنگ دلی، حرص، خود غرضی، بد نیتی اور مطلب پرستی سے پرہیز کریں اور ہمہ دم اللہ کی یہ ہدایت پیش نظر رکھیں:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ ۗ

البقرہ 197:2

حج کے دوران نہ رفث کریں نہ فسوق اور نہ جدال اور تم جو بھلا عمل بھی کرو گے خدا کو اس کا علم ہے۔

رفث سے مراد شہوانی عمل بھی ہے اور شہوانی گفتگو بھی، فسوق سے مراد نافرمانی اور معصیت ہے اور جدال سے مراد، خواہ مخواہ کی بحث و تکرار اور مادی مفادات کے لیے لڑائی جھگڑا ہے۔

حج کا ہولناک پہلو

سفر میں اور سفر سے پہلے ان مذکورہ باتوں کے اہتمام سے بجا طور پر توقع ہے کہ زائر حرم واقعی حج مبرور کی سعادت پائے اور بیت اللہ سے واپسی پر وہ واقعی اللہ کا ایسا مخلص بندہ بن کر آئے کہ لوگ اس کی زندگی سے سبق لیں.....اور اگر اس نے اپنے حج کو واقعی حج نہ بنایا تو حج کا یہ انتہائی ہولناک پہلو بھی سامنے رہے، کہ حج سے ناکام واپس آنے والے کو حج رُسوا بھی کر دیتا ہے، حج جیسے جامع اور مؤثر ذریعے سے بھی جس شخص کا تزکیہ نہیں ہو سکتا ہے۔ تو پھر اس کے تزکیے کی امید بہت کم رہ جاتی ہے اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایسے نافرمان اور باغی بندوں کی اندرونی خباثت اور گھناؤنی شخصیت کو حج اور زیادہ کھول کر سامنے لے آتا ہے اور سماجی زندگی میں ایسے شخص کی عبرتناک زندگی بے وزن اور قابل نفرت بن جاتی ہے۔ حج کے اس ہولناک اور رسوا کن پہلو سے زائرین حرم ہرگز غافل نہ رہیں، حج کے لیے جائیں تو اس پختہ عزم کے ساتھ جائیں کہ وہ وہاں سے اللہ کے مخلص بندے ہی بن کر آئیں گے۔ قرآن میں بیت اللہ جانے والوں اور حج کے ارکان ادا کرنے والوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

ایک گروہ وہ ہے جو سب کچھ اسی دُنیا کے لیے کرتا ہے اور حج میں اس کی دُعا یہی ہوتی ہے کہ اسے جو کچھ ملنا ہے بس اسی دنیا میں مل جائے۔ دنیا بنانے اور دنیا کی پرستش کرنے سے آگے اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، تو پھر زندگی میں پاکیزگی، اطاعت کیشی اور حسن عمل و کردار کا کیا سوال ہے۔ قرآن ان کی تصویر یوں پیش کرتا ہے:

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝

البقرہ 20:2

پس لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے۔ اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

یہی وہ گروہ ہے جس کی زندگی حج کے بعد کچھ اور زیادہ گھناؤنی ہو جاتی ہے۔ وہ دین اور دینی سرگرمیوں سے اور دور ہو جاتے ہیں اور ان کے شب و روز تاریک تر اور قابل عبرت بن جاتے ہیں: رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ - ''اے ہمارے رب ہمیں ان میں سے نہ بنا۔

دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو واقعی اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کو اپنا مقصود بناتا ہے اور اسی مقصد کے لیے حج کرتا ہے۔ اس کی دعا ہوتی ہے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

البقرہ 201:2

اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں آتش جہنم سے بچا لے۔

اس گروہ کی زندگی حج کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ یہ اطاعت گزاری، فروتنی اور آخرت کے لیے کوشش و کاوش میں اس قدر سرگرم ہو جاتے ہیں کہ ان کی زندگی لوگوں کے لیے نمونہ بن جاتی ہے رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ، اے ہمارے رب! ہمیں ان میں سے بنا دے۔

رخصت کی دعا

اور زائرین حرم کو رخصت کرنے والے یہ دعا دیتے ہوئے رخصت کریں:

اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ

میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تیرا دین، تیری امانت (یعنی اہل و عیال و گھر بار وغیرہ) اور تیرا انجام کار۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

حج کا آسان طریقہ

حج تمتع

حج کرنے کے تین طریقے ہیں، افراد، قران اور تمتع۔ ان تینوں میں حج تمتع کرنے کا طریقہ نسبتاً آسان ہے۔ ذیل میں ہم حج تمتع کرنے کا طریقہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ اس طریقے کی روشنی میں حج اِفراد اور حج قران کا طریقہ بھی ان کے مفہوم کو سامنے رکھ کر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ حج تمتع کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی پہلے عمرے کا احرام باندھ کر عمرہ کرے پھر احرام کھول کر اپنے وطن کے علاوہ کسی بھی مقام پر قیام کرے اور حج کے ایام میں حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے۔

عمرہ کرنے کا طریقہ

احرام باندھنا

ہندو پاک کے زائرین حرم کے لیے احرام باندھنے کا مقام یعنی میقات یلملم ہے۔ میقات قریب آتے ہی بحری جہاز میں اعلان ہوجاتا ہے.....زائرین حرم کو چاہیے کہ بال، ناخن اور خط وغیرہ بنوالیں اور غسل کر کے صفائی ستھرائی کا پورا اہتمام کرلیں۔ یہ غسل صفائی ستھرائی کے لیے مسنون ہے۔[1] عورتوں اور بچوں کو بھی غسل کرلینا چاہیے۔ عورتیں اگر خاص حالت میں ہوں تو بھی غسل کرلیں، بیماری یا معذوری ہو تو وضو ہی کرلیں اور احرام باندھ لیں۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ جدہ پر اُتر کر احرام باندھا جائے اس لیے کہ جدہ سے مکہ مکرمہ کو جاتے ہوئے جب زائرین حرم بحیرہ نامی بستی کے پاس سے گزرتے ہیں تو یلملم کی پہاڑیاں محاذات میں آتی ہیں۔ بہرکیف نہادھو کر زائرین حرم ایک سفید چادر کا تہبند باندھ لیں اور ایک سفید چادر اوڑھ لیں اور خوشبو وغیرہ لگالیں، سفید احرام باندھنا اور خوشبو لگانا

ا اس لیے اگر جنابت کی حالت ہو تو تیمم کی ضرورت نہیں۔

مستحب ہے۔

اگر فرض نماز کا وقت ہو تو فرض نماز کے بعد عمرے کی نیت کر لیں، اور اگر فرض نماز کا وقت نہ ہو تو دو رکعت نفل نماز[1] پڑھ کر عمرے کی نیت کر لیں، نیت تو دل سے ہوتی ہے، لیکن اس موقع پر چونکہ زبان سے بھی اللہ کے رسول سے منقول ہے اس لیے زبان سے بھی صراحت کے ساتھ نیت کر لیں، ان دو رکعت نفلوں میں بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قل یا ایہا الکافرون پڑھیں اور دوسری رکعت میں قل ہوا اللہ احد پڑھیں۔ عمرے کی نیت اس طرح کریں:

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْعُمْرَةَ فَیَسِّرْهُ لِیْ وَ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ

اے اللہ میں حاضر ہوں، میں عمرے کی نیت کرتا ہوں پس اس کو میرے لیے آسان فرما دے اور اس کو میری طرف سے قبول فرما لے۔

اور بلند آواز سے ذوق و شوق کے ساتھ تین بار تلبیہ پڑھیں۔ تین بار تلبیہ پڑھنا مستحب ہے۔ خواتین تلبیہ پڑھتے وقت اپنی آواز بلند نہ کریں۔ ان کے لیے آہستہ آواز سے تلبیہ پڑھنا ہی مسنون ہے۔ تلبیہ کے بعد یہ دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رِضْوَانَكَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِرَحْمَتِكَ مِنَ النَّارِ (مسند الشافعی)

اے اللہ! میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا بھکاری ہوں اور تیرے دامن رحمت میں دوزخ کی آگ سے پناہ ڈھونڈتا ہوں۔

خواتین کا احرام

خواتین کو اللہ نے بڑی سہولت دی ہے ان کا احرام بس یہ ہے کہ وہ احرام میں اپنا چہرہ کھلا رکھیں باقی سلے ہوئے کپڑے بدستور پہنی رہیں، دوپٹے سے سر بھی ڈھانکیں، البتہ غیر محرموں کی نگاہ سے بچنے کے لیے وہ پنکھے یا دفتی وغیرہ سے اوٹ کر سکتی ہیں اور ہاتھوں کو بھی کپڑوں سے چھپا سکتی ہیں مگر دستانے نہ پہنیں۔

---

[1] اہل حدیث کے نزدیک ان دو رکعت نفل کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک یہ دو رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے اور استحباب کی دلیل یہ ہے کہ ذوالحلیفہ میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا کہ اس پاک سر زمین میں دو رکعت پڑھو، اور حج اور عمرے کی نیت کر لو۔

احرام کے بعد

عمرے کی نیت کر کے تلبیہ پڑھتے ہی احرام بندھ گیا، اب زائرین حرم پورا پورا اہتمام کریں کہ کوئی کام احرام کے خلاف نہ ہونے پائے۔ احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں، ان سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنے کی کوشش کریں۔[1]

حدود حرم میں داخلہ

جدہ سے مکہ معظّمہ کے لیے روانہ ہونے کے بعد جب مکہ صرف ۱۶ کلومیٹر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے تو ایک مقام آتا ہے جس کو شمسیہ کہتے ہیں یہی وہ تاریخی مقام ہے جہاں ۶ھ میں کفار مکہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جاں نثار ساتھیوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اور اسی مقام پر وہ تاریخی صلح ہوئی تھی جسے اسلامی تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو اسلامی تحریک کی کامیابی کی کلید تھی..... اس مقام پر پہنچ کر زائرین حرم حدود حرم میں داخل ہو جاتے ہیں، زائرین حرم پر عجیب والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور اشتیاق و محبت میں سرمست ہو کر جب لبیک اللھم لبیک کی پر جوش صدا بلند کرتے ہیں تو ایمان میں تازگی محسوس ہونے لگتی ہے..... اور لوگ اللہ کی ہیبت و جلال سے لرز لرز جاتے ہیں۔ اس وقت زائرین حرم کی زبانوں پر بے اختیار یہ دعا جاری ہونی چاہیے:

''اے اللہ یہ تیرا اور تیرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حرم ہے یہاں جانوروں کے لیے بھی امن ہے تو اس کی برکت سے میرے گوشت پوست اور میرے سارے جسم پر دوزخ کی آگ حرام کر دے اور قیامت کے عذاب سے مجھے امن عطا فرما۔''

پھر جب زائرین حرم مکہ معظّمہ میں داخل ہو جائیں تو اشتیاق و محبت کے والہانہ جذبات کے ساتھ بلند آواز سے تلبیہ پکاریں اور شکر رب کے جذبات سے سرشار ہو کر خوشی کے آنسو بہائیں کہ پروردگار تو نے اپنے کرم سے یہ دن دکھایا کہ ہم تیرے مبارک شہر میں موجود ہیں، اس کے بعد مسجد حرام میں پہنچنے کی تیاری کریں۔

---

[1] احرام میں ممنوع کام دیکھیے: ص:۱۹۹۔

مسجد حرام میں حاضری

نہایت خشوع خضوع اور ڈرتے لرزتے شوق و محبت سے سرشار لبیک کہتے ہوئے مسجد حرام کی طرف بڑھیں اور باب السلام سے بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ۔ کہتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھیں اور یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ[1]

اے اللہ میرے تمام گناہوں کو بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

زائرین حرم کس قدر خوش نصیب ہیں اب ان کی نگاہوں کے سامنے خدا کا وہ مبارک گھر ہے، جس کی طرف رخ کر کے وہ عمر بھر نمازیں پڑھتے رہے ہیں، بیت اللہ پر نظر پڑھتے ہی بے اختیار یہ کلمات زبان سے ادا کریں:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ مُھَابَۃً وَّبِرًّا (مسند شافعی)

اے اللہ! تو اس گھر کی بزرگی اور عظمت اور بڑھا دے اور اس کی ہیبت اور بھلائی میں مزید اضافہ فرما دے۔

اب خوش بخت زائرین اپنے رب کے خاص گھر کے سامنے کھڑے ہیں جو چاہیں مانگیں، گڑگڑا گڑگڑا کر مانگیں، اپنے قصوروں کو معاف کرائیں آیندہ کے لیے عہد و پیمان باندھیں، صحت، توانائی، خوش حالی، خدمتِ دین، استقامت، خاتمہ بالخیر کی دعائیں مانگیں مگر ایک حقیقت ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے رہے کہ زائرِ حرم کی حقیقی منزل آخرت ہے اور وہیں کی کامیابی اصل کامیابی ہے۔ اس لیے دونوں جہان کی بھلائی اور کامیابی کی دعائیں کرتے رہیں، اور یہ دعا برابر ورد زبان رکھیں۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ البقرہ 201:2

اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آتشِ جہنم سے بچالے۔

اور یہ مسنون دعا بھی پڑھے:

---

[1] مسجد حرام میں داخلے کے لیے کوئی مخصوص دعا منقول نہیں ہے۔ یہ وہی دعا ہے جو ہر مسجد میں داخل ہوتے وقت پڑھنی چاہیے۔

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْبَیْتِ مِنَ الدَّیْنِ وَ الْفَقْرِ وَمِنْ ضِیْقِ الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

میں اس گھر کے رب کی پناہ چاہتا ہوں، قرض سے، افلاس سے، دل کی تنگی سے اور قبر کے عذاب سے۔

طوافِ عمرہ

عمرے کا طواف کرنے کے لیے حجر اسود کے پاس آئیں اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں، پھر حجر اسود کی طرف رُخ کر کے دونوں ہاتھ کانوں کی طرف اٹھائیں اور کہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ

اللہ کے نام سے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ سب سے بڑا ہے۔

اور طواف عمرہ کی نیت کریں، پھر حجر اسود کو بوسہ دیں۔ بھیڑ بھاڑ زیادہ ہو تو دھینگا مشتی نہ کریں، ممکن ہو تو سنجیدگی کے ساتھ صرف ہاتھ سے چھونے پر اکتفا کریں، اس کا بھی موقع نہ ہو تو دور سے دونوں ہتھیلیاں حجرِ اسود کی طرف کر کے چوم لیں، یہی حجر اسود کا استلام ہے۔

اضطباغ

اس طواف کے بعد چونکہ سعی کرنا ہے اس لیے اضطباغ بھی کریں اور رمل بھی۔ یعنی سیدھے بازو کے نیچے سے احرام کی چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیں اور دایاں بازو کھول لیں اور سینہ تان کر پہلے تین چکروں میں ذرا تیز چال چلیں۔ یہی سپاہیانہ شان خدا کو پسند ہے، اور یہی مومن سے مطلوب ہے کہ وہ دین کی آبرو کی حفاظت میں ہمہ وقت مستعدی اور فدا کاری کا ثبوت دے۔

طواف اپنی داہنی جانب سے شروع کریں، طواف شروع کرتے ہی ملتزم آئے گا حجر اسود اور بیت اللہ کے درمیان دیوار کے حصے کو ملتزم کہتے ہیں، داہنی جانب مقام ابراہیم ہے جس گوشے میں حجر اسود نصب ہے اسے رکن ہندی کہتے ہیں، اس سے اگلے گوشے کا نام رکن شامی ہے اور اسی سے ملا ہوا حطیم کا حصہ ہے جسے طواف میں شامل رکھ کر اس کے باہر باہر طواف کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد کے گوشے کا نام رکن عراقی ہے اور اُس کے بعد کے

گوشے کو رکن یمانی کہتے ہیں، حجر اسود کا استلام سنت ہے اور رکن یمانی کا استلام یعنی رکن یمانی پر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے۔ اگر بھیڑ بھاڑ نہ ہو ورنہ دور سے صرف اشارہ کافی ہے۔

رکن یمانی کا استلام کرتے ہوئے یہ دعا پڑھیں اور حجر اسود کی طرف چلتے رہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُكَ الۡعَفۡوَ وَالۡعَافِيَةَ فِي الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِي الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ابن ماجہ)

اے اللہ میں تجھ سے دُنیا اور آخرت میں درگزر اور عافیت کا طالب ہوں، پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا۔

طواف کے دوران ان تمام مذکورہ مقام پر نگاہ رکھیں۔

طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے اور حجر اسود پر آ کر ایک شوط یعنی ایک چکر پورا ہو جاتا ہے اب پھر استلام کر کے اسی طرح طواف کریں پہلے تین چکروں میں رمل کرتے رہیں۔ بعد کے چار چکروں میں رمل کی ضرورت نہیں ہے معمول کی رفتار کے ساتھ طواف کر کے سات چکر پورے کریں۔ سات بار طواف کر لینے کے بعد مقام ابراہیم پر آئیں۔

مقام ابراہیم

مقام ابراہیم پر آ کر نہایت خشوع اور توجہ کے ساتھ یہ آیت پڑھیں:

وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ البقرہ 125:2

اور ابراہیم کے مقام کو سجدہ گاہ بنالو۔

اور دو رکعت نمازِ شکر ادا کریں، طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے۔ ان دونوں رکعتوں میں قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ اور قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھنا مستحب ہے۔

ملتزم پر حاضری

مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ کر اور اللہ کا شکر ادا کر کے کہ اس نے اپنے مبارک گھر کی زیارت کرائی ملتزم پر حاضری دیں اور ملتزم سے لپٹ لپٹ کر دونوں بازو پھیلا پھیلا کر ہتھیلیاں دیوار کعبہ پر رکھیں اس سے کبھی دایاں رخسار رگڑیں کبھی بایاں رخسار رگڑیں۔

یہ رب کی چوکھٹ ہے اس پر روئیں، توبہ واستغفار کریں، پچھلے گناہ معاف کرائیں آیندہ کے لیے عہد و پیمان کریں، استقامت کی دعائیں مانگیں، صحت وتوانائی کی دعائیں مانگیں، رزق کی کشادگی اور عافیت کی دعائیں مانگیں۔ اپنے ماں باپ اور اساتذہ کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں، زندہ ہوں تو اس چوکھٹ پر حاضری کی توفیق کی دعائیں مانگیں۔ رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کے لیے دعائیں مانگیں اور یہ دُعا مانگیں کہ پروردگار آیندہ زندگی میں گناہوں سے بچنے اور سچائی پر قائم رہنے کی قوت عطا فرما۔

غرض اپنے رب کی اس چوکھٹ سے اسی وقت ہٹیں جب دین ودنیا کی ساری مرادیں مانگ لیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملتزم سے اس طرح لپٹ جاتے تھے جس طرح بچہ اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے، ملتزم پر دعا مانگنا مسنون ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جو کوئی بھی مصیبت کا مارا اور آفت رسیدہ شخص یہاں پر دعا مانگے گا وہ ضرور عافیت پائے گا۔''

(ابوداؤد باب الملتزم)

زمزم کا پانی

ملتزم پر اپنی مرادوں سے جھولی بھر کر اور بامراد ہو کر زمزم پر آئیں۔ اور بیت اللہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر اور بسم اللہ پڑھ کر تین سانسوں میں اطمینان کے ساتھ زمزم پئیں، اتنا پئیں کہ پسلیاں تن جائیں اور خوب ہی سیراب ہو جائیں، پھر دعا مانگیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ زمزم پینے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَ رِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَآءٍ (مستدرک حاکم)

اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم کا سوالی ہوں، مقبول عمل کا سوالی ہوں، کشادہ روزی کا طالب ہوں اور ہر مرض سے شفا کا خواستگار ہوں۔

زمزم کو پینے کے ساتھ ساتھ منہ پر اور جسم پر بھی ملے، اور اگر جسم میں کوئی بیماری ہو تو دعا کرتے ہوئے ملے۔

سعی

زمزم کے پانی سے خوب سیراب ہونے کے بعد سعی کرنے کے لیے پہلے حجر اسود کے پاس آئیں حجر اسود کا استلام کریں، موقع ہو تو بوسہ دینے کی سعادت ضرور حاصل کریں ورنہ ہاتھوں کے اشاروں سے استلام کریں اور حرم کے باب الصّفا سے نکل کر صفا پہاڑی پر پہنچیں اور وہ کلمات کہیں جو اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہے تھے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ أَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللهُ بِهٖ (مسلم)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں،..... میں اسی سے آغاز کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ نے پہلے فرمایا ہے۔

پھر صفا کی پہاڑی پر اتنی اونچائی تک چڑھ جائیں کہ اللہ کا گھر پوری طرح نگاہوں کے سامنے ہو اور پھر دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں تک اٹھا کر تین بار اللہ اکبر کہیں اور پھر یہ دعا پڑھیں، یہاں دعا مانگنا مسنون ہے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (مسلم)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کا حق ہے، حمد اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا اور اس نے اپنے بندے کی مدد فرمائی، اس نے تنہا تمام کافر لشکروں کو شکست دی۔

پھر درود شریف پڑھ کر جو دعائیں مانگنی ہوں مانگیں، یہ قبولیتِ دعا کی جگہ ہے اور یہاں دعا مانگنا مسنون ہے، پھر یہ دعا بھی پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ لَّا تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ حَتّٰى تَوَفَّانِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ (مسلم)

اے اللہ! تیرا ارشاد ہے کہ مجھ سے مانگو، میں قبول کروں گا اور تو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، میرا تجھ سے یہ سوال ہے کہ جس طرح تو نے مجھے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی ہے تو اس سعادت کو مجھ سے کبھی دور نہ کر یہاں تک کہ تو مجھے موت نصیب فرمائے، تو میرا خاتمہ اسلام پر ہو۔

پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف چلے اور زبان پر یہ کلمات جاری ہوں:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ (ابن ابی شیبہ)

میرے رب! میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم کر، بے شک تو انتہائی غالب اور انتہائی بزرگ ہے۔

صفا اور مروہ کے درمیان کا میدان اب ایک طویل اور عظیم الشان دالان کی شکل میں ہے، صفا اور مروہ کے درمیان دو سبز رنگ کے ستون ملتے ہیں جن کو میلین اخضرین کہتے ہیں ان کے درمیان کس قدر دوڑ کر چلیں ان کے درمیان دوڑنا مسنون ہے۔[1] ان سے گزرنے کے بعد پھر معمولی رفتار سے سعی کریں۔

مروہ پر پہنچ کر ذرا بلندی پر چڑھیں اور کعبہ کی طرف رخ کر کے وہی تکبیر اور کلماتِ حمد وثنا کہیں جو صفا پر کہے تھے اور دیر تک ذکر و تسبیح اور دعا میں مصروف رہیں اس لیے کہ یہ قبولیت دعا کا مقام ہے، یہ ایک شوط پورا ہوا، پھر مروہ سے صفا کی طرف جاتے ہوئے بھی وہی دعائیں مانگتے رہیں جو آتے وقت مانگی تھیں اور درود شریف کا ورد بھی رکھیں اور میلین اخضرین کے درمیان دوڑتے ہوئے گزریں، اسی طرح سات شوط پورے کرنے ہیں، صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان کا یہی میدان تو ہے جہاں اللہ کے رسول اور ان کے فدا کار صحابیوں کے قدم پڑے تھے، ان نشاناتِ قدم پر چلنے کا موقع اور توفیق کتنی بڑی سعادت اور خدا کی کتنی بڑی نوازش ہے۔

مطاف میں دوگانۂ شکر

سعی سے فارغ ہو کر پھر مطاف میں آئیں اور دو رکعت نماز شکر ادا کریں کہ رب العزت نے اپنے گھر کا طواف کرنے اور صفا مروہ کے درمیان سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق دوڑنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ نماز مسنون ہے۔

حلق یا قصر

دو رکعت نمازِ شکر ادا کرنے کے بعد عمرے کا آخری عمل، حلق یا قصر ہے۔ بال

---

[1] مگر دوڑنا صرف مردوں کے لیے مسنون ہے خواتین میلین اخضرین کے درمیان بھی معمول کی رفتار سے ہی چلیں..... دوڑیں نہیں اس لیے کہ دوڑنا پردہ پوشی میں خلل ڈالے گا۔

منڈوالیں یا صرف تھوڑے سے کتروالیں، خواتین سر کے کسی حصے سے بھی بقدر ایک انگل بال خود کتر لیں۔ خوش نصیب زائرین حرم کا احرام ختم ہو گیا۔ وہ حلال ہو گئے، احرام کی ساری پابندیاں بھی ختم ہو گئیں، عمرے کے صرف چار عمل ہیں، احرام اور طواف یہ دونوں فرض ہیں اور سعی و حلق یا قصر یہ دونوں واجب ہیں۔

عمرے کے بعد

عمرہ ادا کرنے کے بعد مکۂ مکرمہ میں بھی قیام کر سکتے ہیں، اور مکہ کے باہر بھی مدینہ منورہ یا کسی اور مقام پر ایام حج کے انتظار میں قیام کر سکتے ہیں، البتہ اپنے وطن میں پڑاؤ نہ کریں، عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے وطن میں اُتر پڑنے کو الممام کہتے ہیں اور حج تمتع کرنے والوں کے لیے الممام جائز نہیں ہے۔

مکہ مکرمہ میں قیام

عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اگر مکہ مکرمہ میں ہی قیام ہے تو زائرین حرم اپنی خوش قسمتی پر ناز کریں، ان دنوں کے ایک ایک لمحے کو زندگی کا حاصل سمجھیں خدا کے گھر کی زیارت سے آنکھیں روشن کریں، مسجد حرام میں جماعت سے نمازوں کا پورا پورا اہتمام کریں، تہجد کی اذان سنتے ہی مسجد حرام کی طرف دوڑیں اور کوشش کریں کہ تہجد کی نماز میں بھی پابندی کریں، بیت اللہ کے سایے میں بیٹھ کر تلاوت کریں ذکر و تسبیح اور تکبیر و تہلیل کریں، کثرت سے طواف کریں اور اپنے شب و روز کی کوئی گھڑی غفلت میں نہ گزرنے دیں۔ زندگی کے یہ لمحات زریں لمحات ہیں پتہ نہیں پھر یہ لمحات نصیب ہو سکیں یا نہ ہو سکیں۔

۷ رذوالحجہ یوم الزینہ

اور زائرین حرم نے مکہ کے علاوہ کہیں اور قیام کیا ہے مثلاً مدینہ منورہ یا جدہ وغیرہ تو ان کو چاہیے کہ وہ ۷ رذوالحجہ تک مکہ مکرمہ واپس آ جائیں۔ حج تو ۸ رذوالحجہ سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن ۷ رذوالحجہ کو مکہ مکرمہ میں حاضر رہنے کی مصلحت یہ ہے کہ یہ یوم الزینۃ ہے، اس

دن بال اور خط وغیرہ بنوائیں، نہانے دھونے کا اہتمام کریں اور کل کے لیے آج ہی ہر طرح تیار ہو کر ظہر کی نماز مسجد حرام میں پڑھیں۔ ۷ رذوالحجہ کو مسجد حرام میں بعد نماز ظہر خطبہ ہوتا ہے، خطبے میں امام صاحب حج کے مسائل واحکام بیان کرتے ہیں یہ خطبہ غور سے سنیں، یہ خطبہ مسنون ہے، اور اس کا سننا مستحب ہے، زائر حرم خدا کی رضا کے لیے گھر سے نکلا ہے تو کوئی مستحب عمل بھی کیوں چھوڑے۔

حج کے پانچ دن

(۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ رذوالحجہ)

۸ رذوالحجہ منیٰ کو روانگی

وہ مبارک گھڑی بھی آ گئی، جس کے لیے زائرین حرم بے چینی سے گھڑیاں گن رہے تھے، مسجد حرام میں فجر کی نماز جماعت سے ادا کر کے، احرام باندھنے کی تیاری شروع کر دیں، غسل کر لیں، موقع نہ ہو تو صرف وضو پر اکتفا کریں اور احرام باندھ کر مسجد حرام میں پہنچیں احرام کی دو رکعت نماز پڑھیں، نماز پڑھتے ہی سر کھول لیں اور حج کی نیت کریں:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُرِيْدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِيْ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ

میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حج کی نیت کر رہا ہوں، اسے میرے لیے آسان فرما دے اور میرے اس حج کو قبول فرما لے۔

پھر بلند آواز سے تین بار تلبیہ پڑھیں۔ تلبیہ کے بعد اپنے رب سے گڑگڑا کر دارین کی بھلائیوں اور سعادت کی دعائیں کریں[1] اور اس قدر آنسو بہائیں کہ دل کی سیاہی بالکل دھل جائے اور دل صاف شفاف ہو جائے۔

سعی، منیٰ جانے سے پہلے

حج کے اعمال میں ایک بار سعی کرنا واجب ہے یہ سعی منیٰ کو روانگی سے پہلے ۸ رذوالحجہ کو

---

[1] تلبیہ کے بعد کی دعا دیکھیں ص: ۲۰۳۔

بھی کی جاسکتی ہے اور ۱۰ر ذوالحجہ کوطواف زیارت کے بعد بھی۔ بعض علماء کے نزدیک طواف زیارت کے بعد ہی کرنا بہتر ہے، لیکن ۸ر ذوالحجہ کوسعی کر لینے میں قطعاً کوئی حرج نہیں ہے بہت سے لوگ ۸ر ذوالحجہ ہی کواس لیے سعی کر لیتے ہیں کہ ۱۰ر ذوالحجہ کو خاصی تکان ہوتی ہے اور ۸ر ذوالحجہ کوآدمی تازہ دم ہوتا ہے۔ اگر ۸ر ذوالحجہ ہی کوسعی کریں، تو پہلے طواف کریں اس لیے کہ سعی طواف کے بغیر نہیں ہوتی، اورطواف میں رمل بھی کریں یعنی پہلے تین چکروں میں ذرا تیز دوڑیں اوراضطباع بھی کریں یعنی دائیں بازو کے نیچے سے احرام کی چادر نکال کر دایاں بازو کھول دیں۔ جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے، اس میں رمل کرنا ضروری ہے۔ حج کی واجب سعی ۸ر ذوالحجہ کو کر لینے کے بعد اب ۱۰ر ذوالحجہ کوطواف زیارت کے بعد سعی کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سعی سے فارغ ہوکر قیام گاہ پر پہنچیں اور منیٰ کو چلنے کی تیاری کریں، منیٰ مکہ سے تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اب پانچ دن چونکہ قیام گاہ سے الگ خیموں یا میدان میں رہنا ہوگا۔ اس لیے ضرورت کا ہلکا پھلکا سامان اور کھانے پینے کی کچھ خشک چیزیں ساتھ لے لیں۔ مزدلفہ میں تو کھلے میدان میں شب گزارنی ہوگی اس لیے چادروغیرہ بھی لے لیں۔

منیٰ جاتے ہوئے

منیٰ جاتے ہوئے برابر بلند آواز میں تلبیہ پڑھتے رہیں، ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر نشیب وفراز میں اترتے چڑھتے وقت لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کی صدائیں والہانہ انداز میں برابر بلند کرتے رہیں، اور کسی لمحے بھی ذکروفکر اور تسبیح وتہلیل سے غافل نہ ہوں، یہ پانچ دن ایک فداکار سپاہی ایک حاضر باش خادم اور ایک سچے عاشق کی طرح والہانہ انداز میں گزاریں۔

منیٰ میں

منیٰ پہنچنے کے بعد مسجد خیف میں نماز ظہر باجماعت ادا کریں۔ یہاں ۸ر ذوالحجہ کی ظہر سے ۹ر ذوالحجہ کی فجر تک پانچ نمازیں ادا کرنا ہوتی ہیں، تقریباً ایک شب وروز کے اس قیام میں، جماعت سے نماز پڑھنے کا پورا اہتمام کریں، تلاوت قرآن، ذکروتسبیح اوردعاؤں میں

یہ پوراوقت گزاریں۔

۹ رذوالحجہ۔عرفات کوروانگی

عرفات کا میدان منیٰ سے، نو دس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ منیٰ میں فجر کی نماز اول وقت اندھیرے میں ادا کی جاتی ہے اور پھر جب ذرا سورج طلوع ہو جاتا ہے تو توحید پرستوں کے سرمست قافلے میدان عرفات کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور زوال سے پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں، زوال سے پہلے اگر موقع ہو تو تھوڑی دیر آرام کر لینا چاہیے اور غسل کرنے کو طبیعت چاہے تو غسل بھی کر لیا جائے مگر میل اتارنے کی کوشش ہرگز نہ کی جائے۔ میدان عرفات میں دور دور تک خیمے ہی خیمے ہیں، اور سب ہی تقریباً یکساں ہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ حاجی اپنے خیموں سے دور نہ جائیں، مگر مسجد نمرہ میں نماز کے لیے اور جبل رحمت کے دامن میں دعاؤں کے لیے تو جانا ہی ہے اس لیے بہتر ہے کہ اپنے خیمے پر کوئی نمایاں علامت اور نشانی لگائی جائے، تاکہ ساتھی گم نہ ہو جائے۔

وقوف عرفات

عرفات میں وقوف کا وقت نماز ظہر و عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے، عرفات کا وقوف ہی حج کا رکن اعظم اور حج کا حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: الحج عرفۃ.....حج عرفہ کے وقوف ہی کا نام ہے۔ عرفات میں وقوف کی اہمیت یہ ہے کہ دوسرے ارکان اگر رہ جائیں تو ان کی تلافی ممکن ہے، لیکن وقوف عرفات اگر رہ جائے تو اس کی تلافی ممکن نہیں ہے، وقوف رہ جائے تو حج ہی نہیں ہوتا وقوف عرفات کی اس اہمیت کو ذہن میں رکھ کر زائرین حرم اپنی سی کوشش کریں کہ وقوف عرفات کا حق ادا ہو جائے۔

عرفات کا میدان دراصل حشر کا نمونہ ہے۔ کل آنکھ بند ہونے کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے عرفات کے میدان میں آج کھلی آنکھوں سے آدمی دیکھ لیتا ہے۔ ایک ہی لباس ہیں لاکھوں بندے، فقر و بیچارگی کا پیکر بنے کھڑے ہیں، طویل و عریض میدان میں جب

لاکھوں انسان ایک ہی انداز کا لباس پہنے عجز واحتیاج کی تصویر بنے ہر ایک سے بے نیاز صرف اپنے اللہ کی طرف متوجہ کھڑے ہوئے ہیں تو اتنی دیر کے لیے آدمی اس دنیا سے اٹھ کر گویا میدان حشر میں پہنچ جاتا ہے۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوا یہ منظر اگر ذہن میں نقش ہو جائے تو یہ عبرت خیز منظر زندگی میں وہ خوش گوار انقلاب لاتا ہے جو اللہ کو مطلوب ہے۔ چند لمحے عرفات میں ٹھہرنے سے حج کا رکن تو ادا ہو جاتا ہے لیکن یہ وقوف جس قدر طویل ہو اچھا ہے۔

جمع بین الصلاتین۔ ظہر وعصر

زوال ہوتے ہی مسجد نمرہ میں پہنچنے کی کوشش کریں امام کے ساتھ نمازِ ظہر وعصر ایک ساتھ ادا کریں، پہلے امام صاحب خطبہ دیتے ہیں، جس میں حج کے احکام ومسائل بیان کرتے ہیں پھر ظہر کی دو رکعت پڑھاتے ہیں پھر فوراً ہی عصر کی دو رکعت ظہر کے وقت ہی میں پڑھا دیتے ہیں۔ یہ جمع بین الصلاتین سنت ہے، اللہ کے رسول نے اس مقام پر اسی طرح ظہر کے وقت میں ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ پڑھی ہے۔ ان فرضوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی جاتی۔

نماز ظہر وعصر کے بعد

نماز کے بعد سارا وقت وقوف عرفات کا ہے سورج ڈھلنے تک دعا واستغفار میں لگے رہیں، تلاوت قرآن کریں، تسبیح وتہلیل کریں، ذکر وفکر میں مشغول رہیں، لبیک لبیک کی صدائیں بلند کریں، درود شریف کثرت سے پڑھیں، اپنے محسن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کر کے روئیں آپؐ کی سچی اتباع کی توفیق کی دعا مانگیں۔ اپنے لیے اپنے ماں باپ کے لیے، عزیزوں رشتہ داروں کے لیے خوب خوب دعائیں مانگیں، اس لیے کہ میدان عرفات کے حاضر باش کی دعائیں سب کے حق میں مقبول ہیں۔ حدیث میں ہے:

يَغْفِرُ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ يَّسْتَغْفِرُ لَهُ الْحَاجُّ (مستدرک، حاکم)

حاجی بخشا جاتا ہے اور جس کے لیے حاجی دعا مانگتا ہے وہ بھی بخشا جاتا ہے۔

آج مانگنے کا دن ہے، رو رو کر مانگیں نہایت عجز اور احتیاج کے ساتھ مانگیں، ایک

بھکاری کی طرح ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگیں.....آج کا دن حج کا نچوڑ ہے، اور یہی مبارک دن زندگی کا حاصل بھی ہے۔ اس کا کوئی لمحہ ہرگز ضائع نہ ہونے دیں.....جبل رحمت کے دامن میں پہنچ کر ایک مسکین بندے کی طرح رب سے الحاح وزاری کریں، یہی وہ مبارک پہاڑی ہے جس پر حجۃ الوداع میں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری خطبہ دیا تھا۔ اس مبارک پہاڑی کے دامن میں کھڑے ہو کر دل کی گہرائی سے ایسی سچی توبہ کریں کہ رب کی رحمت کو جوش ہی آجائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ (ترمذی، مسند احمد)

سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے۔

آج کے دن کے لیے حدیث کی کتابوں میں جو مسنون دعائیں ملتی ہیں ان کا اہتمام کیجیے۔ الحزب المقبول میں ایک نہایت ہی جامع دعا منقول ہے اس کا اہتمام کیجیے۔[1]

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَئَلَكَ بِهٖ نَبِيُّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَبِهٖ نَبِيُّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ، رَبِّ جْعَلْنِیْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ، رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابَ ○ رَبِّ الرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِیْ صَغِيْرًا، رَبَّنَا اغْفِرْلِنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ، رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

اے اللہ! میں تجھ سے اس بھلائی کا طالب ہوں جو تجھ سے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگی ہے اور ان ساری چیزوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جن کے شر سے تیرے نبیؐ نے تیری پناہ چاہی ہے، پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر بڑا ہی ظلم کیا ہے اور اگر تو ہماری مغفرت نہ فرمائے اور ہم پر رحم نہ کھائے تو ہم ان میں سے ہیں جو سراسر گھاٹے میں ہیں۔

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا، اور میری اولاد کو بھی اس کی توفیق دے، پروردگار!

---

[1] میدان عرفات کی مسنون دعاؤں کے لیے مزید دیکھیے ص ۲۰۶۔

ہماری دعا قبول فرما، پروردگار میری مغفرت فرمادے۔ میرے والدین کی مغفرت فرمادے اور اس روز سارے ہی مسلمانوں کو بخش دے جس روز حساب کتاب ہوگا۔

اے میرے رب! میری ماں اور میرے باپ دونوں پر رحم فرما، جس طرح دونوں نے بچپن میں رحم وشفقت کے ساتھ میری پرورش کی ہے۔ پروردگار ہماری مغفرت فرما، اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ان کے خلاف کوئی کینہ کپٹ نہ ہونے دے۔ جو ایمان والے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار! تو بہت ہی مہربان اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔ پروردگار! بے شک تو سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، تو ہماری توبہ قبول فرما بے شک تو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور بہت زیادہ رحم کھانے والا ہے، معصیت سے بچنے کی کوئی طاقت اور فرماں برداری کی استطاعت کہیں سے حاصل نہیں ہوسکتی سوائے اللہ کے جو بہت ہی بلند اور بڑی ہی عظمت والا ہے۔"

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میدان عرفات میں قرآن کی یہ دعا کثرت سے پڑھی جائے:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ البقرہ 2:201

اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا کر، اور آخرت میں بھلائی عطا کر، اور ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔

دن ڈھلنے تک برابر ذکر و تسبیح، دعا و استغفار اور گریہ وزاری میں مشغول رہیں۔

مزدلفہ کی طرف کوچ

جب دن ڈھل جائے اور آفتاب غروب ہوجائے تو مغرب کی نماز پڑھنے کے بجائے مزدلفہ کی طرف کوچ کریں، مزدلفہ میدان عرفات سے ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ مزدلفہ میں وادیٔ محسر کے علاوہ ہر جگہ ٹھہر سکتے ہیں، یہ وہ جگہ ہے جہاں اصحاب فیل کو ابابیل کے ذریعے تہس نہس کیا گیا تھا، بہتر یہی ہے کہ اپنی سواری کے قریب ہی پڑاؤ ڈال لیں اور اِدھر اُدھر کہیں دور نہ جائیں، خدانخواستہ بھٹک نہ جائیں۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر وضو کرکے

نمازعشاء کاوقت شروع ہونے کاانتظار کریں، آج کی رات، مزدلفہ میں ہی قیام کرنا ہے۔

جمع بین الصلاتین۔ مغرب وعشاء

مزدلفہ میں آج پھر دونمازیں ملا کر پڑھنی ہیں، مغرب کومؤخر کر کے عشاء کی نماز کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے ایک اذان اور ایک تکبیر سے پہلے مغرب کی دو رکعت پڑھی جائیں گی اور پھر فوراً ہی عشا کی دو رکعت۔ یہ جمع بین الصلاتین واجب ہے۔ مغرب اور عشاء کی سنتیں وغیرہ، مغرب اور عشاء کی فرض نمازوں کے بعد پڑھی جائیں گی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر ذکر و تسبیح اور دُعا و استغفار میں لگ جائیں اور جس قدر ہمت ہو شب بیداری کریں۔ تہجد کے لیے تو اُٹھ ہی جائیں، اور خدا کے حضور رو رو کر اپنی عاقبت سنوارنے کی درخواست کرتے رہیں، اس میدان میں ایک مسجد ہے۔ اسی کا نام مشعر الحرام ہے۔ اس کے قریب اور اس کے اندر جا کر بھی اگر ہو سکے تو ذکر و تسبیح، تلاوت قرآن اور توبہ و استغفار کریں۔

مزدلفہ کی رات

مزدلفے کی رات ذکر الٰہی اور عبادت کی رات ہے۔ یہ رات حاجیوں کے لیے شب قدر سے بھی افضل بتائی گئی ہے، لاکھوں بندگانِ خدا کے ساتھ ذکر و تسبیح اور نماز و عبادت میں مشغول ہونا کس قدر عظیم سعادت ہے۔ ان لاکھوں بندگانِ خدا میں کیا معلوم کس کس مرتبے کے لوگ ہیں اور کن کن مقبول بندوں کی معیت میں خدا کی عبادت و ذکر کی توفیق حاصل ہو رہی ہے۔ کیا معلوم ایسی روشن رات پھر زندگی میں کبھی نصیب ہوتی ہے یا نہیں اس شب میں کچھ لمحے آرام تو ضرور کر لیں، لیکن کوئی گھڑی غفلت میں نہ گزاریں۔

اللہ کا ارشاد ہے:

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ البقرہ 198:2

پھر جب تم عرفات سے واپس لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کی یاد میں لگ جاؤ۔

مزدلفہ میں صبح صادق

اول وقت میں فجر کی نماز ادا کریں، پھر ۱۰ ذوالحجہ روشنی پھیلنے تک ذکر و فکر تسبیح و تہلیل

میں مشغول رہیں۔ سوزِ دروں کے ساتھ آہ وزاری اور توبہ واستغفار کرتے رہیں، اور برابر اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں کہ اس نے لاکھوں نیک بندوں کے ساتھ مشعر الحرام کے سایے میں شب گزارنے کی سعادت بخشی۔

عجیب منظر

مزدلفہ میں لوگ ہر طرف چھوٹی چھوٹی کنکریاں چنتے ہوئے نظر آئیں گے۔ یہاں سے رمی کے لیے کنکریاں لینا مسنون ہے آج جمرۂ عقبہ کی رمی ہے، یہ کنکریاں اسی رمی کے لیے چنی جاتی ہیں۔

۱۰ ذوالحجہ مزدلفہ سے منیٰ کی طرف

مزدلفہ میں صبح سورج نکلتے ہی منیٰ کی طرف روانہ ہوجائیں۔ طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی یہاں سے نکل جانا مسنون ہے، تلبیہ بلند آواز سے برابر پڑھتے رہیں، تسبیح وتہلیل بھی کرتے رہیں، درود وسلام بھی برابر جاری رکھیں اور منیٰ پہنچ کر اپنے خیمے میں پڑاؤ کریں۔ منیٰ یہاں سے صرف ۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہاں بھی دور دور تک خیموں کی بستی ہے اور کھلے میدان میں سارے خیمے ایک سے نظر آرہے ہیں، اپنے خیمے پر کوئی نمایاں علامت اور نشانی لگا لیجیے، یہاں زائرین حرم کو تین دن قیام کرنا ہوتا ہے اور بعض لوگ ۱۳ ذوالحجہ بھی یہاں گزارتے ہیں۔

۱۰ ذوالحجہ زائرین حرم کا مشغول ترین دن

۱۰ ذوالحجہ کے دن زائرین حرم کی مشغولیت بہت زیادہ ہوتی ہے آج کے دن انھیں چار کام کرنے ہوتے ہیں، جمرۂ عقبہ کی رمی، پھر قربانی، قربانی کے بعد حلق یا قصر اور پھر ہمت ہو تو طوافِ زیارت۔

رمی:

سب سے پہلا کام رمی ہے، آج صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے۔ یہ مکہ کی طرف

آخری جمرہ ہے۔ ۸، ۹ فٹ کے فاصلے پر اس طرح کھڑے ہوں کہ جمرہ دائیں جانب ہو اور بیت اللہ بائیں جانب، پھر سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور کلمۂ شہادت کی انگلی میں کنکری پکڑ کر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہتے ہوئے ستون کے نیچے حصے میں تاک کر کنکری ماریں، سات کنکریاں اسی طرح ماریں اور اپنے رب سے خیر کی دعا مانگیں۔ افضل تو یہی ہے کہ ۱۰ ذوالحجہ کو زوال سے پہلے پہلے ہی رمی کر لی جائے، لیکن خواتین اور کمزور اور ضعیفوں کے لیے مباح وقت غروبِ آفتاب تک ہے خواتین کو ذرا تاخیر سے اپنے حلقے میں لے کر رمی کرا دینی چاہیے۔ جو بہت زیادہ معذور ہوں وہ اپنی طرف سے کسی نمایندے کے ذریعے بھی رمی کرا سکتے ہیں۔ رمی کرنا واجب ہے اور رمی عقبہ کرنے کے بعد تلبیہ ختم ہو جاتا ہے۔

قربانی:

۱۰ ذوالحجہ کا دوسرا عمل قربانی ہے، حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے، رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ پہنچیں، قربانی کی جگہ ایک کھلا ہوا میدان ہے، یہاں اپنے ہاتھ سے ہی اپنے جانور کے گلے پر چھری پھیریں، پھر ضرورت بھر کا گوشت کٹوا کر باقی وہیں چھوڑ آئیں۔

حلق یا قصر:

قربانی سے فارغ ہو کر سر منڈوائیں، یا پھر تھوڑے بال کتروالیں، عورتیں سر کے کسی حصے کے تھوڑے سے بال خود قینچی سے کاٹ لیں، یہ حلق یا قصر واجب ہے، حلق یا قصر کے بعد احرام ختم ہو گیا اور احرام کی ساری پابندیاں بھی ختم ہو گئیں۔ زائرین حرم آزاد ہو گئے۔ اطمینان سے نہائیں، دھوئیں، خوشبو لگائیں، سلے ہوئے اپنی پسند کے کپڑے پہنیں، مگر ایک پابندی ابھی باقی ہے بیوی سے مخصوص تعلق کی ابھی اجازت نہیں ہے۔

طوافِ زیارت:

۱۰ ذوالحجہ ہی کو طوافِ زیارت بھی کر لیں، یوں تو طوافِ زیارت منیٰ سے فارغ ہو کر

۱۲ر ذوالحجہ کے دن تک غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ ۱۰ر ذوالحجہ کو ہی طوافِ زیارت بھی کرلیا جائے۔ طوافِ زیارت حج کا تیسرا اہم رکن ہے، طوافِ زیارت کو طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں۔

۸ تاریخ کو منیٰ روانہ ہونے سے پہلے جو حاجی سعی کر چکے ہیں، اب انھیں سعی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور چونکہ سعی نہیں کرنی ہے اس لیے طواف میں انھیں رمل اور اضطباغ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، ہاں اگر ۸ ذوالحجہ کو سعی نہیں کی ہے، تو اب حج کی سعی بھی کرنی ہوگی اور طواف میں رمل اور اضطباغ بھی کرنا ہوگا۔ طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد احرام کی وہ پابندی بھی ختم ہوجاتی ہے جو حلق کرانے کے بعد بھی باقی تھی یعنی بیوی سے مخصوص تعلق۔

طوافِ زیارت سے فارغ ہوکر اسی دن شام تک منیٰ واپس ہوجائیں، منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے۔ طواف کا طریقہ وہی ہے جس طرح عمرے کا طواف کیا تھا۔

۱۱، ۱۲ر ذوالحجہ رمی جمرات کے دو دن

طوافِ زیارت سے فارغ ہوکر منیٰ میں واپس آکر نمازِ ظہر پڑھنا بھی درست ہے اور وہاں مسجد حرام میں ظہر سے فارغ ہوکر منیٰ واپس آنا بھی درست ہے۔ پھر ۱۱ر ذوالحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے، رمی کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔ کمزور لوگ اور خواتین آخر وقت میں ہی جب بھیڑ کم ہوجائے رمی کریں۔ کمزوروں کے لیے اسی میں سہولت ہے۔ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ پر رمی کرنے کے بعد دیر تک دعائیں مانگتے رہیں، لیکن جمرۂ اخریٰ پر رمی کرنے کے بعد دعا نہیں ہوتی۔

۱۲ر ذوالحجہ کو بھی اسی طرح تینوں جمرات کی رمی کرنا ہے، رمی جمار سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَّبْرُوْرًا وَّذَنْبًا مَّغْفُوْرًا

اے اللہ ہمارے حج کو حج مقبول بنادے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔

زوال کے بعد رمی کر کے ۱۲ ر ذوالحجہ کو بھی مکہ معظّمہ آسکتے ہیں اور ۱۲ ر کو منٰی میں رُک کر ۱۳ ر ذوالحجہ کو آنا چاہیں تو یہ بھی درست ہے۔

حج کے بعد مکہ مکرمہ کا قیام:

حج کے بعد مکہ مکرمہ میں جتنے دن قیام کی سعادت نصیب ہو کثرت سے بیت اللہ کا طواف کرتے رہیں۔ حرم شریف میں جماعت سے نمازوں کا اہتمام کریں۔ کعبہ کے سایے میں بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کریں اور قیام کے ایک ایک لمحے کو گراں بہا سمجھ کر اس طرح گزاریں کہ شاید پھر کبھی یہ زریں ایام نصیب نہ ہوں اور موقع ہو تو یہاں کے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کر کے ایمان کو تازہ کریں۔ غارِ حراء کی زیارت کریں، غارِ ثور کی زیارت کریں، دارِ ارقم دیکھیں، مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے آنکھیں روشن کریں، ام المؤمنین حضرت خدیجہ کا مکان دیکھیں۔ یہاں کے چپے چپے سے اسلامی تحریک کی تاریخ وابستہ ہے۔ ہر چیز کے دیدار میں ایمان کی حرارت کے اسباب ہیں یہاں کے قیام کو اپنی زبردست خوش نصیبی اور خدا کا بے پناہ کرم تصور کریں اور برابر یہ دعا کرتے رہیں کہ پروردگار! ان کا یہ حج واقعی حج مبرور ہو اور ان کی بقیہ زندگی ایک سچے مؤمن اور ایک مخلص متقی کی زندگی ہو، حج واقعی کایا کلپ کرنے والی عبادت ہے، اصلاحِ حال کی آخری تدبیر ہے۔ اگر کسی شخص کا تزکیہ اور اصلاح حج سے بھی نہ ہو سکا تو نہ صرف یہ کہ پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہے بلکہ اس کا اندر کا مکروہ انسان اور شرارتِ نفس پوری طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اس کا اندروں جیسا کچھ ہے وہ مکمل طور پر سماج میں نمایاں ہو جاتا ہے۔ برابر رب رحیم سے دعا کرتے رہیں کہ پروردگار! ہمیں اس رسوائی سے محفوظ رکھ اور ہمارا حج واقعی [ایسا] حج ہو جو ہمیں اسلام کا مطلوب انسان بنادے۔

طوافِ وداع:

طوافِ وداع یا طوافِ صدر ان لوگوں پر واجب ہے جو حدودِ میقات سے باہر رہتے ہیں اور جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں۔ اس طواف کا بھی وہی طریقہ ہے جو اور طوافوں

کا ہے، البتہ اس میں رمل اور اضطباغ نہ کرے۔ یہ طواف بیت اللہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اور آنسو بہاتے ہوئے کرنا چاہیے کہ یہ بیت اللہ سے جدائی کا طواف ہے اور ملتزم پر واقعی یہ منظر ہو کہ آپ کسی ایسے عزیز سے رخصتی معانقہ کر رہے ہیں جو آپ کو دل و جان سے زیادہ عزیز ہے۔ پھر بیت اللہ پر آخری بار حسرت بھری نظر ڈالتے ہوئے نکل آیئے۔ اللہ زائرین حرم کو حج مبارک کرے۔

حج کے پانچ دن۔ایک نظر میں

پہلا دن۔۸ ذوالحجہ

۱۔ غسل کر کے احرام باندھیں، دو رکعت نمازِ احرام پڑھیں۔

۲۔ تین بار بلند آواز سے تلبیہ کہیں۔

۳۔ طواف قدوم کریں، یا حج کی سعی کے لیے پہلے طواف کریں پھر سعی کریں۔

۴۔ زوال سے پہلے پہلے منیٰ پہنچیں اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچ نمازیں ادا کریں۔

دوسرا دن۔۹ ذوالحجہ

۱۔ سورج نکلنے کے بعد میدانِ عرفات کی طرف روانہ ہو جائیں۔

۲۔ مسجد نمرہ میں ظہر کے وقت، نمازِ ظہر اور عصر ملا کر ایک اذان اور دو تکبیروں سے امام کے پیچھے ادا کریں۔

۳۔ نمازِ ظہر و عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک عرفات میں وقوف کریں۔ جبل رحمت کے دامن میں پہنچ کر بھی دعا مانگیں۔

۴۔ غروب ہوتے ہی نمازِ مغرب پڑھنے کے بجائے مزدلفہ روانہ ہو جائیں اور عشاء کے وقت ہی ایک اذان اور ایک تکبیر کے ساتھ نمازِ مغرب و عشاء ادا کریں۔

۵۔ رمی جمرات کے لیے ۴۹ کنکریاں مزدلفہ میں چن لیں۔

تیسرا دن۔۱۰ر ذوالحجہ

۱۔ نمازِ فجر کے بعد مزدلفہ سے منٰی روانہ ہو جائیں۔آج صرف جمرۂ عقبہ کی رمی کریں اور اس کے بعد تلبیہ بند کر دیں۔

۲۔ جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد قربانی کریں۔

۳۔ قربانی کے بعد حلق یا قصر کرائیں۔

۴۔ مکہ مکرمہ جا کر طوافِ زیارت کریں۔طواف کے بعد سعی بھی کرنی ہو تو رمل اور اضطباغ بھی کریں۔

۵۔ اگر ۸ ذوالحجہ کی سعی نہ کی تو سعی بھی کریں اور اگر سعی کر لی ہو تو اب نہ سعی کی ضرورت ہے اور نہ طواف میں رمل اور اضطباغ کی۔

۶۔ مغرب سے پہلے پہلے منٰی واپس ہو جائیں اور شب منٰی میں گزاریں۔

چوتھا دن۔۱۱ر ذوالحجہ

۱۔ زوال کے بعد جمرۂ اولیٰ کی رمی کر کے دعا مانگیں۔

۲۔ پھر جمرۂ وسطیٰ کی رمی کر کے دعا مانگیں۔

۳۔ اور پھر جمرۂ عقبہ کی رمی کریں اور دعا نہ مانگیں۔

پانچواں دن۔ ۱۲ر ذوالحجہ

گیارہ تاریخ کی طرح ۱۲ر ذوالحجہ کو بھی تینوں جمرات کی رمی کریں اور مکہ مکرمہ کو واپس ہو جائیں اور اگر ۱۳ر ذوالحجہ تک رکنا چاہیں تو ۱۳ر کو بعد زوال حسب ہدایت تینوں جمرات کی رمی کریں اور پھر مکہ مکرمہ واپس ہو جائیں۔

خواتین کا حج

حج کا طریقہ بتاتے ہوئے ضمناً جگہ جگہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ خواتین حج میں کون سا عمل کریں اور کون سا عمل نہ کریں اور کونسا عمل کس طرح کریں، مگر یہاں ان تمام باتوں کا یکجا ذکر کیا جارہا ہے تا کہ بیک نظر خواتین حج کا طریقہ جان سکیں اور یہ عظیم عبادت مسنون طریقے سے ادا کر سکیں۔

خواتین حرم میں سلے ہوئے کپڑے بدستور پہنی رہیں، خواہ وہ کسی رنگ کے ہوں، ان کا احرام یہ ہے کہ وہ چہرہ کھلا رکھیں، اور ہاتھوں میں دستانے نہ پہنیں، البتہ غیر محرم مرد ہوں تو چہرے پر کسی چیز سے اوٹ بھی کر سکتی ہیں اور کسی کپڑے سے ہاتھوں کو بھی چھپا سکتی ہیں۔

اگر حیض ونفاس کی حالت میں ہوں تو بھی غسل کر کے سب کے ساتھ احرام کی نیت کر لیں۔

تلبیہ پڑھیں مگر اونچی آواز سے نہ پڑھیں۔

حیض ونفاس کی حالت میں ہوں تو بھی سب کے ساتھ حج کے تمام اعمال انجام دیں۔

صرف طواف بیت اللہ اور سعی صفا و مروہ نہ کریں۔ طواف اس لیے نہ کریں کہ طواف کے لیے پاکی شرط ہے اور سعی اس لیے نہ کریں کہ سعی طواف کے بغیر نہیں ہوتی۔ طواف میں رمل نہ کریں اور اضطباغ کا بھی کوئی سوال نہیں ہے۔

سعی میں میلین اخضرین کے درمیان معمول کی رفتار سے سعی کریں، دوڑیں نہیں۔

بھیڑ ہو تو حجر اسود کا استلام نہ کریں دور سے اشارہ کریں۔

رمی کے وقت بھیڑ زیادہ ہو تو کچھ تاخیر سے رمی کریں تا کہ بھیڑ کم ہو جائے۔

رمی کے بعد صرف قصر کریں حلق جائز نہیں۔

کوئی خاتون محرم کے بغیر حج کا سفر نہ کرے۔ خواتین پر حج واجب ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ سفر کے لیے محرم ساتھ ہو۔

عدت کے دوران خواتین حج کے لیے نہ جائیں۔

عدت کی حالت میں عورت پر حج واجب نہیں ہوتا، چاہے عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔

نفلی حج ہوتو شوہر کی اجازت کے بغیر نہ کریں، البتہ فرض حج میں شوہر کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

بچوں کا حج

حج بالغ ہونے کے بعد ہی فرض ہوتا ہے، لیکن جس طرح بچے کا روزہ اور نماز صحیح ہے اسی طرح بچے کا حج بھی صحیح ہے چاہے وہ بچہ بالکل ہی چھوٹا ہو اور عقل وتمیز نہ رکھتا ہو یا اتنا بڑا ہو کہ عقل وتمیز والا ہو۔

عَنِ ابْنِ عَبّاسٍ اَنَّ امْرَأَةً رَفَعَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَبِیًّا فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلِھٰذَا حَجٌّ؟ قَالَ نَعَمْ وَلَکِ اَجْرٌ (مسلم)

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنے بچے کو لے کر آئی اور پوچھا یارسول اللہ! اس کا بھی حج ہے؟ ارشاد فرمایا، جی ہاں، اور تمھیں اجر ملے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بچے کا حج صحیح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بچے کے حج کا اجر وثواب ماں باپ اور ولی کو ملتا ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدٍ قَالَ حَجَّ اَبِیْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِیْنَ (بخاری)

حضرت سائب ابن یزیدؓ کا بیان ہے کہ میری عمر سات سال کی تھی، جب میرے باپ نے مجھے ساتھ لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حج ادا کیا۔

بچے پر چونکہ حج فرض نہیں ہے اس لیے اس کا حج، نفلی حج ہوگا اور بالغ ہونے کے بعد اگر اس پر حج فرض ہوا تو اسے فرض کی نیت سے دوبارہ حج ادا کرنا ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا صَبِیٍّ حَجَّ ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ فَعَلَیْہِ اَنْ یَّحُجَّ حَجَّةً اُخْرٰی۔ (ابن ابی شیبہ والبیہقی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس بچے نے بھی حج کیا پھر وہ بلوغ کو پہنچ گیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ دوبارہ حج کرے۔

حج کرنے والا بچہ یا بچی اگر بہت چھوٹی عمر کے ہیں اور عقل وتمیز نہیں رکھتے تو ان کے

ماں باپ یا ولی ان کی طرف سے احرام کی نیت کریں مگر یہ احرام واجب نہیں ہے، احرام کی نیت نہ کریں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر ان کی طرف سے ولی ہی حج کے سارے اعمال ادا کریں، اور اس بچے اور بچی کو ان تمام باتوں سے بچائیں جن سے ایک محرم مرد اور محرم خاتون بچی رہتی ہے اور طواف میں ان کا جسم اور کپڑے پاک رکھنے کا بھی اہتمام کریں۔

اور اگر بچہ ہوشیار ہو، عقل و تمیز رکھتا ہو تو پھر خود ماں باپ یا ولی کی اجازت سے احرام باندھے، وضو طہارت اور ناپاکی کا خیال رکھے اور ان تمام باتوں کا اہتمام کرے جن کا اہتمام ایک محرم مرد یا محرم عورت کرتی ہے اور جو اعمال بچہ خود ادا نہ کر سکتا ہو جیسے رمی وغیرہ تو وہ ولی اس کی طرف سے ادا کرے البتہ وقوفِ عرفہ، منٰی اور مزدلفہ میں شب گزاری، طواف اور سعی وغیرہ خود کرے اور نہ کر سکتا ہو تو پھر ماں باپ گود میں لے کر یا کندھے پر بٹھا کر طواف اور سعی کرائیں، اب رہا یہ سوال کہ یہی ایک طواف دونوں کے لیے ہو جائے گا یا طواف کرانے والے کو اپنا طواف الگ کرنا ہو گا۔ تو بہتر یہی ہے کہ طواف کرنے والا اپنا طواف اور سعی الگ کرے تا کہ کوئی شبہ ہی نہ رہے، ویسے اگر اپنا طواف الگ نہ کرے تو بھی صحیح ہے، مقام روحا میں ایک خاتون جو اپنے بچے کو لے کر آئی تھی اور بچے کے حج کے بارے میں سوال کر رہی تھی، اگر بچے کی طرف سے الگ سے حج کے اعمال واجب ہوتے تو آپ ضرور وضاحت فرما دیتے۔

قربانی کا بیان

قربانی کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی پرانی خود مذہب یا انسان کی تاریخ ہے، انسان نے مختلف ادوار میں، عقیدت وفدائیت، سپردگی وجان نثاری، عشق ومحبت، عجز ونیاز، ایثار و قربانی اور پرستش وعبدیت کے جو طریقے اختیار کیے خدا کی شریعت نے انسانی نفسیات اور جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے وہ تمام ہی طریقے اپنی مخصوص اخلاقی اصلاحات کے ساتھ خدا کے لیے خاص کر دیے۔ انسانوں نے اپنے معبودوں کے حضور جان کی قربانیاں بھی پیش کیں اور یہی قربانی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے، خدا نے اس کو بھی اپنے لیے خاص کر لیا اور اپنے سوا ہر ایک کے لیے اس کو قطعاً حرام قرار دے دیا۔

انسانی تاریخ کی سب سے پہلی قربانی

انسانی تاریخ میں سب سے پہلی قربانی آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی ہے، قرآنِ پاک میں بھی اس قربانی کا ذکر ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ المائدہ 27:5

اور ان کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک ٹھیک سنا دیجیے۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ایک کی قربانی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی۔

دراصل ایک نے جس کا نام ہابیل تھا، دل کی آمادگی سے رضائے الٰہی کی خاطر بہترین دینے کی قربانی پیش کی اور دوسرے نے جس کا نام قابیل تھا، بے دلی سے ناکارہ غلے کا ایک ڈھیر پیش کر دیا۔ ہابیل کی قربانی کو آسمانی آگ نے جلا ڈالا اور یہ مقبولیت کی علامت تھی، لیکن دوسری کو آگ نے نہیں جلایا اور یہ مقبولیت نہ ہونے کی علامت تھی۔ دراصل مقبولیت کی بنیاد اللہ کا تقویٰ ہے اور تقویٰ کے جوہر سے قابیل کا سینہ خالی تھی۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ المائدہ 5:27

اس نے کہا خدا تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول کرتا ہے۔

قربانی تمام الٰہی شریعتوں میں

قربانی کا حکم تمام شریعتوں میں موجود رہا ہے اور ہر امت کے نظامِ عبادت میں اسے ایک لازمی جز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ ؕ الحج 34:22

اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں۔

یعنی قربانی ہر شریعت کے نظامِ عبادت میں موجود رہی ہے، البتہ مختلف زمانوں، مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے نبیوں کی شریعتوں میں ان کے حالات کے پیش نظر قربانی کے قاعدے اور تفصیلات جدا جدا رہی ہیں، لیکن بنیادی طور پر یہ بات تمام آسمانی شریعتوں میں مشترک رہی ہے کہ جانور کی قربانی صرف اللہ کے لیے کی جائے اور اسی کا نام لے کر کی جائے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا الحج 36:22

پس ان جانوروں پر صرف اللہ کا نام لو۔

جانوروں پر اللہ ہی کا نام لینا بڑا بلیغ اندازِ بیان ہے یعنی ان کو ذبح کرو تو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرو اور اسی کے نام پر اسی کی رضا کے لیے ذبح کرو۔ وہی ہے جس نے تمھارے لیے یہ جانور مہیا کیے ہیں، وہی ہے جس نے ان کو تمھارے لیے مسخر کیا ہے اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے ان میں گوناگوں فائدے رکھے ہیں۔

قربانی ایک عظیم یادگار

اس وقت دنیا کے ہر ہر خطے میں مسلمان جو قربانی کرتے ہیں اور ذبح عظیم کا جو منظر پیش ہوتا ہے وہ درحقیقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، قرآن میں اس عظیم واقعے کو پیش کر کے اس کو اسلام، ایمان اور احسان قرار دیا ہے۔

قربانی دراصل اس عزم و یقین اور سپردگی و فدائیت کا عملی اظہار ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا ہی کا ہے اور اسی کی راہ میں یہ سب قربان ہونا چاہیے۔ یہ دراصل اس حقیقت کی علامت اور پیش کش ہے کہ اس کا اشارہ ہوگا تو ہم اپنا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کریں گے، اسی عہد و پیمان اور سپردگی و فدائیت کا نام، ایمان، اسلام و احسان ہے۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ الصّٰفّٰت 37:102-111

پس جب وہ (اسماعیل) ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچے تو (ایک دن) ابراہیم (u) نے ان سے کہا، پیارے بیٹے! میں نے خواب دیکھا کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، غور کرو اب کیا کرنا چاہیے، بیٹے نے (بلا تامل) کہا ابا جان! آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اسے کر ڈالیے، ان شاء اللہ آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے، آخر کو جب باپ بیٹے دونوں نے خدا کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور ابراہیم (u) نے بیٹے کو منہ کے بل گرا دیا تو ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم! تم نے خواب سچا کر دکھایا، ہم احسان کی روش پر چلنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، دراصل یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے ایک عظیم قربانی فدیے میں دے کر ان کو (یعنی اسماعیل کو) چھڑا لیا اور ہم نے پیچھے آنے والی امت میں ابراہیم (u) کی یہ سنت (یادگار) چھوڑ دی۔ سلام ہے ابراہیم پر ہم اپنے فدا کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے

مؤمن بندوں میں سے تھے۔

ہم نے عظیم قربانی فدیے میں دے کر اسماعیل کو چھڑا لیا، اس کا مقصود یہ ہے کہ رہتی زندگی تک امت مسلمہ میں قربانی کی یہ عظیم الشان یادگار دراصل حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ ہے، خدا نے اس فدیے کے عوض اسماعیل علیہ السلام کی جان چھڑائی کہ اب قیامت تک آنے والے فدا کار ٹھیک اسی تاریخ کو دنیا بھر میں جانور قربان کریں اور وفاداری اور جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعے کی یاد تازہ کرتے رہیں۔ قربانی کی یہ بے بدل سنت جاری کرنے والے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام تھے اور اس کو تا قیامت قائم رکھنے والے حضرت محمد ﷺ کی امت کے فدا کار ہیں۔

نبی ﷺ سے خطاب

رسول اللہ ﷺ کو قربانی اور فدا کاری کی روح پوری زندگی میں جاری وساری رکھنے کی تعلیم دیتے ہوئے یہ ہدایت کی گئی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ الانعام 6:162-163

کہہ دیجیے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

خدا پر پختہ ایمان اور اس کی توحید پر یقین کامل کے معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی کی ساری تگ ودَو اسی کی رضا کے لیے مخصوص ہو اور وہ سب کچھ اس کی راہ میں قربان کر کے اپنے ایمان واسلام اور وفاداری وجاں نثاری کا ثبوت دے۔

قربانی کی اصل جگہ تو وہی ہے جہاں ہر سال لاکھوں حاجی اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دراصل یہ حج کے اعمال میں سے ایک اہم عمل ہے، لیکن رحیم وکریم خدا نے اس عظیم شرف سے ان لوگوں کو بھی محروم نہیں رکھا ہے جو مکہ سے دور ہیں اور حج میں شریک نہیں ہیں۔ قربانی کا حکم صرف ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بیت اللہ کا حج کر رہے ہوں بلکہ یہ عام حکم ہے اور سارے ہی ذی حیثیت مسلمانوں کے لیے ہے، اور حقیقت احادیث

رسول سے ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی شہادت ہے کہ نبیؐ دس سال تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور برابر ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی، مشکوٰۃ باب الاضحیہ)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو شخص وسعت رکھنے کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

(جمع الفوائد بحوالہ القزوینی کتاب الاضاحی)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا:

جس نے عید کی نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا اس کو دوبارہ اپنی قربانی کرنی چاہیے اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس کی قربانی ہو گئی اور اس نے ٹھیک مسلمانوں کے طریقے کو پالیا۔

ظاہر ہے عید الاضحیٰ کے دن مکہ میں کوئی ایسی نماز نہیں ہوتی جس سے پہلے قربانی کرنا سنت مسلمین کے خلاف ہو لامحالہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور اسی کی شہادت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بھی پیش فرماتے تھے۔

نیز ابن عمرؓ ہی کا بیان ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدگاہ میں قربانی کیا کرتے تھے۔

قربانی کے روحانی مقاصد

قرآنِ پاک نے قربانی کے تین اہم مقاصد کی طرف اشارے کیے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ قربانی دراصل وہی ہے جو ان مقاصد کا شعور رکھتے ہوئے کی جائے۔

۱) قربانی کے جانور خدا پرستی کی نشانی ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ الحج 36:22

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمھارے لیے 'شعائر اللہ' قرار دیا ہے۔

''شعائر'' شعیرہ کی جمع ہے۔ شعیرہ اس محسوس علامت کو کہتے ہیں جو کسی روحانی اور معنوی حقیقت کی طرف متوجہ کرے اور اس کی یاد کا سبب اور علامت بنے۔ قربانی کے یہ

جانور اس روحانی حقیقت کی محسوس علامتیں ہیں کہ قربانی کرنے والا دراصل ان جذبات کا اظہار کر رہا ہے کہ ان جانوروں کا خون درحقیقت میرے خون کا قائم مقام ہے، میری جان بھی خدا کی راہ میں اسی طرح قربان ہے، جس طرح میں اس جانور کو قربان کر رہا ہوں۔

۲) قربانی اللہ کی نعمت کا عملی شکر ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ الحج 36:22

اسی طرح ان جانوروں کو ہم نے تمھارے لیے مسخر کر دیا کہ تم شکر کرو۔

خدا نے جانوروں کو انسان کے لیے مسخر فرما کر اس پر عظیم احسان کیا ہے، انسان ان جانوروں سے گونا گوں فائدے اٹھاتا ہے، ان کا دودھ پیتا ہے، ان کے گوشت کو غذا بناتا ہے ان کی ہڈی کھال اور اون سے ضروریات کی نوع بنوع چیزیں تیار کرتا ہے، ان سے کھیتی باڑی میں مدد لیتا ہے، ان پر بوجھ ڈھوتا ہے، ان پر سواری کرتا ہے اور ان کے ذریعے اپنی شان وشوکت کا اظہار کرتا ہے، قرآن ان فوائد کی طرف اشارہ کر کے اور ان کی تسخیر کا ذکر فرما کر خدا پرستی اور احسان مندی کے جذبات کو ابھارنا چاہتا ہے اور یہ طرزِ فکر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جس خدائے بزرگ و برتر نے یہ عظیم الشان نعمت عطا کی ہے اسی کے نام پر ان کی قربانی ہونی چاہیے۔ قربانی خدا کی عظیم نعمت کا عملی شکر ہے۔

۳) قربانی خدا کی عظمت اور کبریائی کا اظہار ہے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ الحج 37:22

خدا نے اس طرح چوپایوں کو تمھارے لیے مسخر کر دیا ہے تا کہ تم اس کی بخشی ہوئی ہدایات کے مطابق اس کی بڑائی اور کبریائی کا اظہار کرو۔

یعنی ان جانوروں کا خدا کے نام پر ذبح کرنا دراصل اس حقیقت کا اعلان واظہار ہے کہ جس خدا نے یہ نعمت عطا کی ہے اور جس نے ان کو ہمارے لیے مسخر کر رکھا ہے، وہی ان کا حقیقی مالک ہے۔ قربانی اس حقیقی مالک کا شکر ہے اور اس بات کا عملی اظہار بھی کہ مومن دل سے خدا کی بڑائی، عظمت اور کبریائی پر یقین رکھتا ہے۔

جانور کے گلے پر چھری رکھ کر وہ اس حقیقت کا عملی اظہار واعلان بھی کرتا ہے اور زبان

سے بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر اس حقیقت کا اعتراف بھی کرتا ہے۔

قربانی کی روح

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کر کے اس کا گوشت بیت اللہ کے سامنے لا کر رکھتے اور اس کا خون بیت اللہ کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ خدا کو تمھارے اس گوشت اور خون کی ضرورت نہیں اس کے یہاں تو قربانی کے وہ جذبات پہنچتے ہیں جو ذبح کرتے وقت تمھارے دلوں میں موجزن ہوتے ہیں یا ہونے چاہییں، قربانی، گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کا نام ہے کہ ہمارا سب کچھ خدا کے لیے ہے اور اسی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے ہے۔

قربانی کرنے والا صرف جانور کے گلے پر ہی چھری نہیں پھیرتا بلکہ وہ ساری ناپسندیدہ خواہشات کے گلے پر بھی چھری پھیر کر ان کو ذبح کر ڈالتا ہے اس شعور کے بغیر جو قربانی کی جاتی ہے، وہ ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی سنت نہیں بلکہ ایک قومی رسم ہے، جس میں گوشت اور پوست کی فراوانی تو ہوتی ہے، لیکن وہ تقویٰ ناپید ہوتا ہے جو قربانی کی روح ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط الحج 37:22

اللہ تعالیٰ کو ان جانوروں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا بلکہ اس کو تمھاری جانب سے تمھارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

خدا کی نظر میں اس قربانی کی کوئی قیمت نہیں جس کے پیچھے تقویٰ کے جذبات نہ ہوں، خدا کے دربار میں وہی عمل قبول ہے جس کا محرک خدا کا تقویٰ ہو۔ ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○ المائدہ 27:4

اللہ صرف متقیوں کا عمل ہی قبول کرتا ہے۔

اونٹ کی قربانی کا روحانی منظر

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط الحج 36:22

اور (قربانی) کے اونٹوں کو ہم نے تمھارے لیے خدا پرستی کی نشانی بنا دیا ہے، اس میں تمھارے لیے خیر ہی خیر ہے، پس ان کو قطار دَر قطار کھڑا کر کے اس پر اللہ کا نام لو اور جب (گر کر) ان کے پہلو زمین پر ٹک جائیں تو خود کھاؤ اور ان کو بھی کھلاؤ جو مانگنے سے بچتے ہیں اور ان کو بھی جو مانگتے ہیں۔

اونٹوں کی قربانی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو ایک قطار میں کھڑا کر کے زور سے ان کے حلقوم میں نیزہ مارا جاتا ہے، جس سے خون کا ایک فوارا چھوٹتا ہے اور جب خون نکل چکتا ہے تو وہ زمین پر گر پڑتے ہیں، قربانی کے اس منظر کو ذرا تصور میں جمایئے اور پھر غور کیجیے جانوروں کی یہ قربانی کیا ہے؟ یہی تو کہ اسی طرح ہماری جانیں بھی خدا کی جناب میں قربان ہونے کے لیے حاضر ہیں، دراصل یہ قربانی اپنی جان کی قربانی کے قائم مقام ہے اس معنویت کے ساتھ اونٹوں کی قربانی پر غور کیجیے ان کے زخمی ہونے، خون بہنے، گرنے اور راہِ خدا میں جان دینے کے منظر پر غور کیجیے، ایسا محسوس ہوگا کہ گویا میدانِ جہاد میں خدا پرستوں کی صفیں بندھی ہوئی ہیں، ان کے حلقوم اور سینوں میں تیر پیوست ہو رہے ہیں، خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں، لالہ زار زمین ان کی جان نثاری کا ثبوت دے رہی ہے اور وہ ایک ایک کر کے خدا کے حضور میں گر گر کر اپنی جانیں پیش کر رہے ہیں۔

قربانی کا طریقہ اور دعا

جانور ذبح کرنے کے لیے اس طرح لٹایا جائے کہ اُس کا رُخ قبلے کی جانب رہے، اور چھری خوب تیز کر لی جائے جہاں تک ہو اپنی قربانی کا جانور خود اپنے ہاتھ سے ہی ذبح کیا جائے اور کسی وجہ سے ذبح نہ کر سکے تو کم از کم اس کے پاس ہی کھڑا رہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے فاطمہ! اپنی قربانی کے جانور کے پاس آ کر کھڑی ہو اس کا جو قطرہ زمین پر گرے اس کے بدلے اللہ تمھارے پچھلے گناہ معاف فرمائے گا۔'' حضرت فاطمہ نے پوچھا: ''یہ ثواب صرف اہم اہل بیت کے لیے ہے یا ساری امت کے لیے۔'' ارشاد فرمایا: ''سارے مسلمانوں کے لیے۔'' (ابن حبان)

ذبح کرتے وقت پہلے یہ دعا پڑھے:

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّۃِ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ اَنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰالِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ وَمِنْکَ۔ (مشکوٰۃ باب الاضحیہ)

میں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رُخ ابراہیمؑ کے طریقے پر ٹھیک اُس خدا کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے قطعاً نہیں ہوں، بلاشبہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ تیرے ہی حضور پیش ہے اور تیرا ہی دیا ہوا ہے۔

پھر بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ کہہ کر ذبح کرے، ذبح کرنے کے بعد یہ کہے:

اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ[1] کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ۔

اے اللہ! تُو اس قربانی کو میری جانب سے قبول فرما جس طرح تُو نے اپنے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کی قربانی قبول فرمائی۔ دونوں پر درود و سلام ہو۔

قربانی کی فضیلت و تاکید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کی فضیلت اور بے بہا اجر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ خدا کے نزدیک نحر کے دن (یعنی دسویں ذوالحجہ کو) قربانی کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ کوئی عمل نہیں ہے، قیامت کے روز قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت حاضر ہوگا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ خدا کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قربانی دل کی خوشی اور پوری آمادگی سے کیا کرو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

۲۔ صحابہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہؐ! یہ قربانی کیا چیز ہے؟ ارشاد

---

[1] اگر کسی اور کی جانب سے ذبح کر رہا ہو تو مِنِّیْ کہنے کے بجائے مِنْ کے بعد اس کا نام لے۔ اگر ایک شخص ہو تو ایک کا نام لے اور چند ہوں تو چند کا نام لے۔

فرمایا: یہ تمھارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے، صحابہؓ نے کہا، یارسول اللہ اس میں ہمارے لیے کیا اجر وثواب ہے؟ ارشاد فرمایا: ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔ صحابہؓ نے کہا اور اون کے بدلے یارسول اللہ! فرمایا: ہاں! اون کے ہر ہر رویں کے بدلے میں بھی ایک نیکی ملے گی۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

۳۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا، فاطمہ! اٹھو اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو، اس لیے کہ اس کا جو قطرہ بھی زمین پر گرے گا، اس کے بدلے میں خدا تمھارے پچھلے گناہ بخش دے گا۔ حضرت فاطمہؓ نے پوچھا: یہ خوش خبری ہم اہل بیت کے لیے ہی مخصوص ہے یا ساری امت کے لیے، ارشاد فرمایا: ہمارے اہل بیت کے لیے بھی ہے اور ساری امت کے لیے بھی۔ (جمع الفوائد بحوالہ البزار)

۴۔ حضرت ابن بریدہؓ اپنے والد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدالفطر کے دن بغیر کچھ تناول فرمائے نماز کو نہیں جاتے تھے، اور عیدالاضحیٰ کے دن نمازِ عیدالاضحیٰ پڑھنے سے پہلے کچھ نہیں کھاتے تھے اور جب واپس تشریف لاتے تو قربانی کے جانور کی کلیجی تناول فرماتے تھے۔ (ترمذی، احمد)

قربانی کے احکام ومسائل

قربانی کرنے والے کے لیے مسنون عمل

جوشخص بھی قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ جسم کے کسی حصے کے بال کاٹے اور نہ مونڈے اور نہ ناخن کتروائے، پھر جب قربانی کا جانور ذبح کر لے تو بال اور ناخن کتروائے، یہ عمل مسنون ہے واجب نہیں ہے اور جوشخص قربانی کی وسعت نہ رکھتا ہو اس کے لیے بھی بہتر یہ ہے کہ وہ قربانی کے دن اپنے بال بنوائے، ناخن کٹوائے، خط بنوائے اور زیر ناف کے بال صاف کرے، خدا کے نزدیک اس کا یہی عمل قربانی کا قائم مقام بن جائے گا۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کو قربانی کرنا ہو وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ اپنے بال بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے یہاں تک کہ وہ قربانی کرلے۔'' (مسلم، جمع الفوائد جلد اول صفحہ ۵۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اضحیٰ کے دن (یعنی ۱۰ ذوالحجہ کو) عید مناؤں، اللہ نے اس دن کو اس امت کے لیے عید کا دن قرار دیا ہے، ایک شخص نے پوچھا: یا رسول اللہؐ! یہ بتایئے کہ اگر میرے پاس ایک ہی بکری ہو جو کسی نے دودھ کے لیے مجھے دے رکھی ہو تو کیا میں اس کی قربانی کروں؟ ارشاد فرمایا: نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو۔ بلکہ (قربانی کے دن) اپنے بال بنوا لینا، اپنے ناخن کٹوالینا، اپنی موچھیں کتروا کر درست کرالینا، اور زیر ناف کے بال صاف کر لینا، بس خدا کے نزدیک یہی تمھاری پوری قربانی ہو جائے گی۔'' (جمع الفوائد، ابوداؤد، نسائی)

قربانی کے جانور اور ان کے احکام

قربانی کے جانور یہ ہیں:

۱۔ اونٹ، اونٹنی، دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، ان جانوروں کے

علاوہ اور کسی کی قربانی جائز نہیں۔

۲۔ دنبہ، بکرا، بکری، بھیڑ کی قربانی صرف ایک آدمی کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ ایک سے زائد کئی آدمی اس میں حصے دار نہیں ہو سکتے۔

۳۔ گائے، بھینس اور اونٹ میں سات حصے ہو سکتے ہیں۔ سات سے زائد نہیں۔ مگر اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

x پہلی شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کی نیت قربانی یا عقیقے کی ہو، محض گوشت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔

x دوسری شرط یہ ہے کہ ہر حصے دار کا حصہ ٹھیک ۱/۷ ہو، اس سے کم کا حصے دار نہ ہو۔

ان دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی شرط پوری نہ ہوئی تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ گائے، بھینس، اونٹ میں سات افراد سے کم بھی شریک ہو سکتے ہیں، مثلاً کوئی دو، چار، یا کم و بیش حصے لے مگر اس میں بھی یہ شرط ضروری ہے کہ کوئی حصے دار ساتویں حصے سے کم کا شریک نہ ہو ورنہ کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

۵۔ ایک شخص نے گائے خریدی اور ارادہ ہے کہ دوسروں کو شریک کر کے قربانی کر لیں گے تو یہ درست ہے اور اگر خریدتے وقت پوری گائے اپنے ہی لیے خریدی پھر بعد میں دوسروں کو شریک کرنے کا ارادہ کر لیا تو یہ بھی جائز ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ ایسی صورت میں اپنے پہلے ارادے کے مطابق پورا جانور اپنی ہی طرف سے کرے، لیکن دوسروں کو شریک کرنا ہی چاہے تو خوش حال آدمی شریک کرے جس پر قربانی واجب ہو، اگر ایسے شخص کو شریک کر لیا جس پر قربانی واجب نہیں ہے تو درست نہیں۔

۶۔ گائے، بھینس کی قربانی میں ایک یا ایک سے زائد افراد کے حصے از خود ہی تجویز کر کے قربانی کر لی اور ان افراد کی مرضی اور اجازت نہیں لی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہے۔ جن لوگوں کے بھی حصے رکھے جائیں ان کے کہنے سے رکھے جائیں، یہ نہیں کہ

قربانی کے حصے دار تجویز کر کے قربانی تو پہلے کر لی جائے اور حصے داروں کی مرضی اور اجازت بعد میں حاصل کی جائے۔

۷۔ بکرا، بکری اور دنبہ، بھیڑ جب پورے سال بھر کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے۔ سال بھر سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں اور گائے بھینس پورے دو سال کے ہو جائیں تو ان کی قربانی درست ہے، دو سال سے کم کے ہوں تو قربانی درست نہیں، اور اونٹ پورے پانچ سال کا ہو تب قربانی درست ہے پانچ سال سے کم کا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

۸۔ جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نکلے ہی نہ ہوں۔ یا نکلے ہوں مگر کچھ حصہ ٹوٹ گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ البتہ جس جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ہی ٹوٹ گئے ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں۔

۹۔ اندھے، کانے جانور کی قربانی بھی درست نہیں اور اس لنگڑے جانور کی قربانی بھی درست نہیں جو صرف تین پیروں سے چلتا ہو، چوتھا پیر زمین پر رکھا ہی نہ جاتا ہو یا رکھتا ہو، لیکن اس پر زور دے کر نہ چلتا ہو صرف تین پیروں کے سہارے چلتا ہو، ہاں اگر چوتھا پیر بھی کام کر رہا ہو اور چلنے میں صرف لنگ ہو تو پھر قربانی درست ہے۔

۱۰۔ جس جانور کا کان ایک تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دم ایک تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

۱۱۔ دبلے پتلے جانور کی قربانی جائز تو ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ موٹا، تازہ صحیح سالم اور خوب صورت جانور خدا کی راہ میں قربان کیا جائے اور اگر جانور ایسا مریل اور دبلا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہ رہ گیا ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سینگوں والے موٹے تازے دنبے کی قربانی کر رہے تھے جس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، جس کا منہ بھی سیاہ رنگ کا تھا اور جس کی ٹانگیں بھی سیاہ تھیں۔ (ابوداؤد باب ما یستحب من الضحایا)

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ ''قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو دنبے سینگوں والے چت لیے [چتکبرے] اور خصی ذبح کیے۔''

۱۲۔ جس جانور کے پیدائشی طور پر کان نہیں ہیں یا ہیں تو بہت ہی چھوٹے چھوٹے ہیں اس کی قربانی درست ہے۔

۱۳۔ جس جانور کے دانت بالکل ہی نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر چند دانت گر گئے ہوں باقی زیادہ دانت موجود ہوں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۱۴۔ خصی بکرے اور مینڈھے کی قربانی درست ہے، خصی ہونا عیب نہیں ہے بلکہ جانور کو فربہ کرنے کا ایک سبب ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصی دنبے کی قربانی کی ہے۔

۱۵۔ ایک خوش حال آدمی نے جس پر قربانی واجب تھی ایک جانور قربانی کے لیے خریدا، خرید لینے کے بعد اس میں کوئی عیب ایسا پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کی قربانی درست نہ رہی، تو ضروری ہے کہ وہ شخص دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں! اگر کسی ایسے نادار شخص کے ساتھ ایسا واقعہ ہوا جس پر قربانی واجب نہ تھی تو اس کے لیے اسی عیب دار جانور کی قربانی کر لینا جائز ہے۔

۱۶۔ گائے اور بکری اگر حاملہ ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے، اگر بچہ زندہ برآمد ہو تو اس کو بھی ذبح کر لینا چاہیے۔

قربانی کا حکم

۱۔ قربانی کرنا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، جس کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں:

جو شخص وسعت رکھتے ہوئے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔

(جمع الفوائد بحوالہ القزوینی)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا: کیا قربانی واجب ہے؟ آپ نے جواب دیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے، اس نے پھر وہی سوال دہرایا (کیا

قربانی واجب ہے) ارشاد فرمایا تم سمجھتے ہو! نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔

۲۔ قربانی قارن پر بھی واجب ہے اور متمتع پر بھی البتہ مفرد پر واجب نہیں اگر وہ اپنے طور پر کرلے تو اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

۳۔ زائرین حرم کے علاوہ عام مسلمانوں پر قربانی واجب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ خوشحال ہو، خوش حال سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال واسباب ہو جو اس کی بنیادی ضرورتوں سے زائد ہو اور اگر ان کا حساب لگایا جائے تو یہ بقدر نصاب ہو جائے یعنی جس شخص پر صدقۂ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مقیم ہو مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

۴۔ قربانی صرف اپنی ہی جانب سے واجب ہے نہ بیوی کی طرف سے واجب ہے نہ اولاد کی طرف سے۔

۵۔ کسی شخص پر قربانی شرعاً واجب نہیں تھی، لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔

۶۔ ایک شخص پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کرسکا، اگر اس نے بکری وغیرہ خرید لی تھی تب تو اس بکری کو زندہ خیرات کر دے اور نہ خریدی ہو تو ایک بکری کی قیمت بھر رقم خیرات کردے۔

۷۔ کسی نے منت اور نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو قربانی کروں گا پھر خدا کے فضل وکرم سے وہ کام ہوگیا تو چاہے یہ شخص خوش حال ہو یا نادار بہر حال اس پر قربانی واجب ہوگئی اور نذر کی قربانی کا حکم یہ ہے کہ اس کا سارا گوشت، غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کردیا جائے، قربانی کرنے والا خود بھی نہ کھائے اور نہ خوشحال لوگوں کو کھلائے۔

قربانی کے ایام اور وقت

۱۔ عیدالاضحیٰ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ سے لے کر ذوالحجہ کی بارھویں تاریخ تک غروبِ آفتاب سے پہلے تک قربانی کے ایام ہیں، ان تین ایام میں جب اور جس دن

سہولت ہو قربانی کرنا جائز ہے، لیکن قربانی کا سب سے افضل عید الاضحیٰ کا دن ہے پھر گیارھویں تاریخ اور پھر بارھویں۔

۲۔ شہر اور قصبات کے باشندوں کے لیے نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں۔ جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تب قربانی کر لیں۔ البتہ دیہات کے باشندے نمازِ فجر کے بعد بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

۳۔ شہر اور قصبات کے باشندے اگر اپنی قربانی کسی دیہات میں کرار ہے ہوں تو ان کے جانوروں کی قربانی دیہات میں فجر کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اگر وہاں نمازِ عید سے پہلے ہی گوشت آ جائے، تب بھی یہ قربانی درست ہے۔

۴۔ ایامِ قربانی یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ سے بارھویں تاریخ غروبِ آفتاب تک جس وقت چاہیں قربانی کر سکتے ہیں۔ دن میں بھی اور رات میں بھی، لیکن افضل یہی ہے کہ شب میں قربانی نہ کی جائے، ہو سکتا ہے کہ کوئی رگ سلیقے سے نہ کٹے یا رہ جائے اور قربانی درست نہ ہو۔

۵۔ قربانی واجب ہونے کی دو شرطیں ہیں، مقیم ہونا اور خوش حال ہونا، اگر کوئی شخص سفر میں ہے اور وہ بارھویں ذوالحجہ کو غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور خوش حال ہے تو اس پر قربانی واجب ہو گئی اور اگر وہ مقیم ہے اور نادار ہے، لیکن بارھویں ذوالحجہ کو غروب سے پہلے خدا نے اسے مال و دولت سے نواز دیا تو اس پر بھی قربانی واجب ہو گئی۔

قربانی کے متفرق مسائل

۱۔ قربانی کرتے وقت نیت کا زبان سے اظہار کرنا اور دعا پڑھنا ضروری نہیں، صرف دل کی نیت اور ارادہ قربانی صحیح ہونے کے لیے کافی ہے البتہ زبان سے دعا پڑھنا بہتر ہے۔

۲۔ اپنی قربانی کا اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی وجہ سے خود ذبح نہ کر

سکے تو کم از کم ذبح ہوتے وقت موجود رہیں اور خواتین بھی ذبح ہوتے وقت جانور کے پاس موجود رہیں تو بہتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے وقت حضرت فاطمہؓ سے فرمایا:

فاطمہؓ! اٹھو اپنی قربانی کے جانور کے پاس کھڑی ہو اس لیے کہ اس کا ہر قطرہ خون کے بدلے تمھارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ فاطمہؓ! نے کہا: یا رسول اللہؐ! یہ ہم اہل بیت کے لیے ہی خصوصی کرم ہے یا ہمارے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے بھی؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارے لیے بھی ہے اور سارے مسلمانوں کے لیے بھی۔ (جمع الفوائد بحوالہ البزار)

۳۔ گائے، بھینس وغیرہ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہوں تو گوشت کی تقسیم اندازے سے نہ کریں بلکہ سری، پائے اور گردہ کلیجی وغیرہ سب کو شامل کر کے سات حصے بنائیں اور پھر جس کے جتنے حصے ہوں اس کو دے دیں۔

۴۔ قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب میں بھی تقسیم کر سکتے ہیں بہتر یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی تو غرباء اور مساکین میں تقسیم کریں اور باقی اپنے اور اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے لیے رکھ لیں، لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ایک تہائی خیرات کیا جائے، ایک تہائی سے کم بھی فقیروں اور غریبوں میں بانٹ دیا جائے تو کوئی گناہ نہیں۔

۵۔ گائے، بھینس اور اونٹ کی قربانی میں کئی افراد شریک ہیں اور وہ آپس میں گوشت تقسیم کرنے کے بجائے سب ایک ساتھ ہی فقراء اور مساکین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں یا پکا کر کھلانا چاہتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے۔

۶۔ قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینا بھی جائز ہے، البتہ اجرت میں دینا صحیح نہیں ہے۔

۷۔ قربانی کی کھال بھی کسی حاجت مند کو خیرات میں دی جا سکتی ہے اور اس کو فروخت کر کے رقم بھی خیرات کی جا سکتی ہے، یہ رقم ان لوگوں کو دینا چاہیے جن کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔

۸۔ قربانی کی کھال کو اپنے کام میں لانا بھی جائز ہے مثلاً نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز بنوالی جائے یا ڈول وغیرہ بنوالیا جائے۔

۹۔ قصاب کو گوشت بنانے کی مزدوری میں گوشت، کھال یا رسّی وغیرہ نہ دی جائے بلکہ مزدوری الگ سے دی جائے اور جانور کی رسّی کھال وغیرہ سب خیرات کر دینی چاہیے۔

۱۰۔ جس پر قربانی واجب ہے اس کو تو کرنا ہی ہے جن پر واجب نہیں ہے، ان کو بھی اگر غیر معمولی زحمت نہ ہو تو ضرور قربانی کرنی چاہیے البتہ دوسروں سے قرض لے کر قربانی کرنا مناسب نہیں۔

مُردوں کی طرف سے قربانی

خدا نے جس شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے، وہ صرف واجب قربانی پر ہی کیوں اکتفا کرے، بلکہ قربانی کا بے وحد وحساب اجر وانعام پانے کے لیے اپنے بزرگوں یعنی مردہ ماں باپ، دادا، دادی اور دوسرے رشتہ داروں کی طرف سے بھی قربانی کرے تو بہتر ہے اور اپنے محسن اعظمؐ (جن کی بدولت ہدایت و ایمان کی دولت نصیب ہوئی ہے) کی طرف سے قربانی تو مومن کی بہت بڑی سعادت ہے۔ اسی طرح ازواجِ مطہرات یعنی اپنی روحانی ماؤں کی طرف سے قربانی کرنا بھی انتہائی خوش نصیبی ہے۔ مگر یہ سب اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ نمود و نمائش سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں اور دونوں جہان کا خسارہ ہی انسان کے حصے میں آتا ہے۔

ہدی کا بیان

ہدی کے لغوی معنی ہیں، تحفہ اور نذرانہ اور شریعت کی اصطلاح میں ہدی سے مراد وہ جانور ہے جو زائرِ حرم قربانی کے لیے اپنے ہمراہ لے جاتا ہے یا کسی ذریعے سے وہاں بھیج دیتا ہے۔

۱۔ ہدی کی تین قسمیں ہیں، اونٹ، گائے اور بکری

اونٹ ہدی کی اعلیٰ قسم ہے اور بکری ہدی کی ادنیٰ قسم ہے۔

بھیڑ، دنبہ وغیرہ بکری کے حکم میں ہیں اور بھینس، بیل وغیرہ گائے کے حکم میں ہیں۔

۲۔ ہدی کے جانوروں کی صحت اور عمر وغیرہ کے متعلق حکام وشرائط وہی ہیں جو قربانی کے جانوروں سے متعلق ہیں۔[1]

۳۔ ہدی اگر تطوع کی ہو، جیسے حج افراد کرنے والا اپنی خوشی سے نفلی قربانی پیش کرے، تو اس قربانی کا گوشت ہدی دینے والا خود بھی کھا سکتا ہے۔ اسی طرح حج قران اور حج تمتع کرنے والا بھی اپنی قربانی کا گوشت کھا سکتا ہے، جس طرح عام قربانی کا گوشت جائز ہے، کیونکہ قران اور تمتع کی ہدی کسی جرم یا کوتاہی کا کفارہ نہیں ہے بلکہ بطور تشکر اللہ تعالیٰ نے قارن اور متمتع پر واجب کیا ہے اس لیے قربانی کے گوشت کی طرح اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ہدی کے ہر ایک جانور میں سے ایک ٹکڑا پکوایا اور کھایا اور اس کا شوربا بھی پیا، جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت صحیح مسلم میں منقول ہے اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حج میں کئی قربانیاں کیں تھیں ظاہر ہے قران یا تمتع کی تو ایک ہی قربانی ہوگی باقی قربانیاں نفلی ہی ہوں گی اور آپ نے جب ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا پکوایا تو معلوم ہوا کہ تمتع، قران اور نفلی ہدایا تینوں ہی کا گوشت قربانی کرنے والا خود بھی کھا سکتا ہے۔

۴۔ تمتع، قران اور تطوع کے علاوہ کسی ہدی کا گوشت خود کھانا جائز نہیں۔ چاہے وہ کسی جرم کے کفارے کی ہدی ہو، چاہے نذر و منت کی اور چاہے وہ دمِ احصار ہو۔

---

[1] قربانی کے جانوروں سے متعلق احکام وشرائط صفحہ ۲۷۴ پر ملاحظہ فرمائیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حج سے روک دیے گئے تو آپؐ نے ناجیہ اسلمی کے ہاتھ احصار کی ہدی روانہ کی اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اس میں سے تم بھی نہ کھانا اور تمھارے ساتھی بھی نہ کھائیں۔

۵۔ جس ہدی کا خود کھانا جائز نہیں ہے اس کا سارا گوشت فقراء اور مساکین میں صدقہ کر دینا واجب ہے، حرم کے فقراء کو دیا جائے یا حرم کے باہر کے فقراء کو دونوں کو دینا صحیح ہے۔ فقراء حرم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ (عین الہدایہ)

۶۔ جس ہدی کا خود کھانا جائز ہے اس ہدی کا سارا گوشت مساکین میں صدقہ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب یہ ہے کہ قربانی کی طرح اس کے تین حصے کر لیے جائیں، ایک حصہ اپنے کھانے کے لیے ایک حصہ فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے، لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں اگر کوئی شخص سارے کا سارا گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دے تب بھی جائز ہے۔

آبِ زَم زَم اور اس کے آداب و دعا

بیت اللہ سے مشرق کی جانب ایک تاریخی کنواں ہے، جس کو زَم زَم کہتے ہیں حدیث میں اس کنوئیں کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے اور اس کے پانی کی بھی بڑی برکت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے جب حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو مکہ کے بے آب و گیاہ ریگستان میں لاکر بسایا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھا کر اس چٹیل میدان میں ان کے لیے زَم زَم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔ حدیث میں ہے:

هِيَ هَزْمَةُ جِبْرِيْلَ وَسُقْيَا إِسْمٰعِيْلَ (دار قطنی)

یہ جبریل کا کھودا ہوا کنواں ہے اور اسماعیل کا سقاوہ ہے۔

سعی اور حلق و تقصیر وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد زَم زَم کا پانی خوب ہی شکم سیر ہو کر پینا چاہیے۔ زَم زَم کا پانی اس افراط کے ساتھ پینا کہ پسلیاں تن جائیں ایمان کی علامت ہے، ایمان سے محروم منافق اتنا نہیں پی سکتا کہ اس کی پسلیاں تن سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''ہمارے اور منافقین کے درمیان ایک امتیازی علامت یہ ہے کہ منافقین زَم زَم کا پانی اتنا شکم سیر ہو کر نہیں پیتے کہ ان کی پسلیاں تن جائیں۔'' (ابن ماجہ)

آبِ زمزم کی برکت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

''آبِ زَم زَم جس مقصد سے پیا جائے، وہ اسی مقصد کے لیے مفید ہو جاتا ہے شفا کے لیے پیو تو خدا شفا بخشے گا۔ پیٹ بھرنے اور آسودہ ہونے کے لیے پیو تو خدا تمھیں آسودہ کر دے گا۔ پیاس بجھانے کے لیے پیو تو اللہ تعالیٰ تمھاری پیاس بجھا دے گا یہ وہ کنواں ہے جس کو جبریلؑ نے اپنی ٹھوکر کی قوت سے کھودا تھا اور یہ اسماعیل کی سبیل ہے۔'' (دار قطنی)

یعنی خدا کے حکم سے حضرت جبریلؑ نے مخصوص طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے لیے اس وادیِ غیر ذی زرع میں کھودا تھا تاکہ وہ اس سے

بھوک پیاس بجھا سکیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''روئے زمین کے ہر پانی سے زیادہ افضل زَم زَم کا پانی ہے، یہ بھوکے کے لیے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفاء ہے۔'' (ابن حبان)

نیز انہی کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص زَم زَم کا پانی اس غرض سے پیے گا کہ دشمن سے پناہ لے تو اُسے پناہ حاصل ہوگی۔'' (حاکم)

زَم زَم کا پانی کھڑے ہو کر اور بسم اللہ پڑھ کر پینا چاہیے اور خوب ہی جی بھر کر پینا چاہیے۔ پیتے وقت یہ دعا پڑھی جائے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ۔ (نیل الاوطار)

اے اللہ! میں تجھ سے علم نافع کا سائل ہوں، کشادہ روزی چاہتا ہوں اور ہر مرض سے شفا کا طالب ہوں۔

ملتزم اور اس کی دعا

ملتزم بیت اللہ کی دیوار کے اس حصے کو کہتے ہیں جو بابِ کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے۔ یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور یہ قبولیت دعا کے اہم مقامات میں سے ایک ہے، اس سے چمٹ کر گڑگڑانا، سینے اور رخسار لگا کر انتہائی لجاجت اور عاجزی سے دعائیں مانگنا حج کا ایک مسنون عمل ہے طواف سے فارغ ہونے کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دعا کرنا، خاص طور پر اس لیے بھی ایک کیفیت پیدا کرتا ہے کہ یہ بیت اللہ سے رخصت کا وقت ہوتا ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کہتے ہیں ''میرے والد شعیب کا بیان ہے ''میں اپنے والد عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے ہمراہ طواف کر رہا تھا کہ میں نے کچھ لوگوں کو بیت اللہ سے چمٹتے ہوئے دیکھا۔ میں نے عبداللہ ابن عمرو ؓ سے کہا ہمیں بھی اس جگہ لے چلیے ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ اسی طرح بیت اللہ سے چمٹیں گے تو انھوں نے کہا ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم '' پھر جب وہ طواف کر کے فارغ ہوئے تو وہ بیت اللہ کے اس خاص حصے کو چمٹ گئے جو بابِ کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے اور کہا ''خدا کی قسم یہی وہ جگہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے چمٹتے ہوئے دیکھا ہے۔'' (بیہقی)

اور ابوداؤد کی روایت میں حضرت شعیب کا بیان یوں ہے کہ:

''عبداللہ ابن عمرو ؓ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے اور اپنا سینہ، چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں اس طرح خوب پھیلا کر (دیوارِ کعبہ پر) رکھیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔'' (ابوداؤد باب الملتزم)

ملتزم کی دعا کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

''جو کوئی بھی مصیبت کا مارا اور آفت رسیدہ شخص یہاں پر دعا مانگے گا وہ ضرور عافیت پائے گا۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ملتزم سے چمٹ کر پہلے یہ دعا پڑھی جائے تو بہتر ہے پھر دین و دنیا کی جو جائز مرادیں چاہے مانگے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا یُّوَافِیْ نِعَمَکَ وَ یُکَافِیْ مَزِیْدَکَ اَحْمَدُکَ بِجَمِیْعِ مَحَامِدِکَ مَا عَلِمْتُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَ عَلٰی جَمِیْعِ نِعَمِکَ مَا عَلِمْتُ نِعَمِکَ مِنْھَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اَللّٰھُمَّ صِلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم وَاَعِذْنِیْ مِنْ کُلِّ سُوْءٍ وَقَنِعْنِیْ لِمَا رَزَقْتَنِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اَکْرَمِ وَفْدِکَ عَلَیْکَ وَالْزَمْنِیْ سَبِیْلَ الْاِسْتِقَامَۃِ حَتّٰی اَلْقَاکَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ (اذکارنووی)

اے اللہ! حمد وشکر کا تو ہی مستحق ہے اس حمد وشکر کا جس سے تیری نعمتوں کا کچھ حق ادا ہو سکے اور ان نعمتوں پر مزید احسان وانعام کا کچھ بدل بن سکے، میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں تیری ان تمام خوبیوں کے ساتھ جن کا مجھے علم ہے اور ان خوبیوں کے ساتھ جن کا مجھے علم بھی نہیں ہے تیری ان تمام عطا کردہ نعمتوں پر جن میں سے کچھ کا مجھے علم ہے اور کچھ میرے دائرۂ علم سے باہر ہیں اور ہر حال میں تیرا شکر گزار اور تیرا ثنا خواں ہوں، درود وسلام ہو محمدؐ کی آل پر۔ اے اللہ! شیطانِ مردود سے اپنی پناہ میں رکھ اور مجھے اپنی پناہ دے ہر برائی سے اور تو نے مجھے جو کچھ عنایت فرمایا ہے، اس پر مجھے قانع بنا دے اور میرے لیے اس میں برکت پیدا فرما دے۔ اے اللہ! تُو مجھے اپنے عزت واکرام والے مہمانوں میں سے بنا دے اور سیدھے راستے پر اس وقت تک جمے رہنے کی توفیق عطا فرما، اے رب العالمین جب کہ میں تجھ سے آ کر ملوں۔

قبولیت دعا کے مقامات

حج کے دوران ہر ہر عمل کرتے ہوئے ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا اور ہر ہر مقام پر کثرت سے دعائیں کرنا مومن کی شان ہے بالخصوص بعض متعین مقامات پر تو دعاؤں کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ حضرت حسن بصریؒ جب مکہ سے بصرہ واپس جانے لگے تو آپ نے مکہ والوں کے نام ایک خط لکھا جس میں مکہ کے قیام کی اہمیت اور فضائل کا ذکر کیا اور خاص طور پر یہ واضح فرمایا کہ ان پندرہ مقامات پر خصوصیت کے ساتھ بندۂ مومن کی دعا قبول ہوتی ہے۔

۱۔ ملتزم سے چمٹ کر (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، ملتزم ایک ایسا مقام ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے، اس مقام پر بندہ جو دعا بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور قبول فرماتا ہے)۔

(الحصن والحصین)

۲۔ میزاب کے نیچے

۳۔ کعبہ مقدسہ کے اندر

۴۔ آبِ زَم زَم کے پاس

۵۔ صفا اور مروہ پر

۶۔ صفا اور مروہ کے درمیان جہاں سعی کی جاتی ہے۔

۷۔ مقامِ ابراہیم کے پاس

۸۔ عرفات کے میدان کے پاس

۹۔ مزدلفہ میں (یعنی مشعر الحرام کے پاس)

۱۰۔ جمرات کے پاس

عمرہ

عمرہ کے معنی ہیں آباد مکان کا ارادہ کرنا، زیارت کرنا اور اصطلاحِ شرع میں عمرے سے مراد وہ چھوٹا حج ہے، جو ہر زمانے میں ہوسکتا ہے، اس کے لیے کوئی مہینہ اور دن مقرر نہیں۔ جب اور جس وقت جی چاہے احرام باندھ کر بیت اللہ کا طواف کریں، سعی کریں اور حلق یا تقصیر کر کے احرام کھول دیں۔ عمرہ حج کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے اور حج سے علیحدہ بھی، عمرہ کرنے والے کو معتمر کہتے ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط البقرہ196:2

اور اللہ کی رضا کے لیے حج اور عمرہ پورا کرو۔

حدیث میں عمرے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''سب سے بہتر عمل ایمان کی شہادت ہے، اس کے بعد ہجرت اور جہاد کا مرتبہ ہے، پھر دو عمل ہیں جن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہیں ایک حج مبرور اور دوسرا عمرۂ مبرورہ۔'' (مسند احمد)

عمرۂ مبرورہ کے معنی ہیں وہ عمرہ جو محض خدا کی رضا کے لیے اس کے تمام آداب و شرائط کے ساتھ کیا گیا ہو۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرے کی نیت سے روانہ ہوا اور راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا تو وہ شخص بغیر حساب جنت میں داخل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بیت اللہ کا طواف کرنے والوں پر فخر کرتا ہے۔'' (البیہقی، دار قطنی)

اور آپ کا ارشاد ہے:

''حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ یہ اللہ کی دعوت پر آئے ہیں جو کچھ خدا سے مانگتے ہیں خدا وہ ان کو عطا فرماتا ہے۔'' (البزار)

نیز فرمایا:

''ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

عمرہ کے مسائل

(۱) عمرہ زندگی بھر میں صرف ایک بار سنت مؤکدہ ہے، اس کے علاوہ جب بھی کیا جائے باعث اجر وثواب ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا، ''کیا عمرہ واجب ہے؟'' آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''نہیں، البتہ عمرہ کیا کرو اس کی بڑی فضیلت ہے۔'' (جمع الفوائد بحوالہ ترمذی)

(۲) عمرے کے لیے کوئی مہینہ، دن اور وقت مقرر نہیں ہے، جس طرح حج کے ایام اور اس کے مناسک کے لیے اوقات مقرر ہیں جب اور جس وقت موقع ہو عمرہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) رمضانُ المبارک میں عمرہ کرنا مستحب ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''رمضان میں عمرہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری معیت میں حج کرنا۔''[1]

(۴) عمرے کے لیے میقات حِل ہے، اور سب ہی لوگوں کے لیے چاہے وہ آفاقی ہوں یا میقات کے اندر حِل اور مکہ کے رہنے والے۔[2]

(۵) عمرے کے اعمال صرف یہ ہیں، احرام باندھنا، بیت اللہ کا طواف کرنا، صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا اور حلق یا تقصیر کرنا۔

۱؎ ابوداؤد، ترغیب اور بخاری کی روایت میں ہے ''رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے۔''

۲؎ حج کی میقات مکہ والوں کے لیے حرم ہے۔

حج کی قسمیں

حج کی تین قسمیں ہیں اور تینوں کے کچھ الگ الگ مسائل ہیں:

(۱) حج اِفراد (۲) حج قران (۳) حج تمتع

حج اِفراد:

افراد کے لغوی معنی ہیں، اکیلا کرنا، تنہا کام کرنا وغیرہ اور اصطلاحِ شرع میں افراد سے مراد وہ حج ہے جس کے ساتھ عمرہ نہ کیا جائے، صرف حج کا احرام باندھا جائے اور صرف حج کے مراسم ادا کیے جائیں، حج افراد کرنے والے کو مفرد کہتے ہیں، مفرد احرام باندھتے وقت صرف حج کی نیت کرے اور سارے ارکانِ حج جو اس سے پہلے بیان ہو چکے ہیں ادا کرے، مفرد پر قربانی واجب نہیں ہے۔

حج قران:

قران کے لغوی معنی ہیں دو چیزوں کو باہم ملانا اور اصطلاحِ شرع میں قران حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھ کر دونوں کے ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں، حج قران کرنے والے کو قارن کہتے ہیں۔

حج قران، افراد اور تمتع دونوں سے افضل[1] ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حج اور عمرے کو ملا کر ادا کرو۔ اس لیے کہ یہ دونوں، ناداری اور گناہوں کو (آدمی سے اس طرح) نیست و نابود کر دیتے ہیں کہ بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کے میل کچیل کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔'' (ترمذی)

---

[1] امام شافعیؒ کے نزدیک افراد افضل ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک تمتع افضل ہے اس لیے کہ حج تمتع کا ذکر قرآن میں فرمایا گیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ''اگر قربانی کے جانور ساتھ ہوں تو قران افضل ہے اور جب قربانی کے جانور ساتھ نہ ہوں تو تمتع افضل ہے۔

قران کے مسائل:

۱۔ قارن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرہ حج کے مہینوں میں کرے۔

۲۔ حج قران میں عمرے کا طواف حج کے طواف سے پہلے کرنا واجب ہے اور عمرے کے لیے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لیے الگ۔[1]

۳۔ قران میں عمرے کے تمام افعال سے فراغت کے بعد حج کے افعال ومناسک شروع کرنا مسنون ہے۔

۴۔ قارن کے لیے یہ ممنوع ہے کہ وہ عمرہ کر کے حلق یا تقصیر کرالے۔

۵۔ قارن کے لیے یہ جائز تو ہے کہ وہ عمرے کا طواف اور حج کا طوافِ قدوم ایک ساتھ کرے اور اسی طرح دونوں کی سعی بھی ایک ساتھ کر لے، لیکن ایسا کرنا سنت کے خلاف ہے۔

۶۔ حج قران کرنے والے پر قربانی واجب ہے اور یہ قربانی دراصل اس بات کا شکریہ ہے کہ خدا نے حج اور عمرہ دونوں کا موقع عنایت فرمایا اور اگر قربانی کی وسعت نہ ہو تو پھر دس روزے رکھنا واجب ہیں۔ تین روزے تو یومِ نحر سے پہلے اور سات روزے ایامِ تشریق کے بعد رکھے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ البقرہ196:2

پھر جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے دورانِ حج میں اور سات روزے جب تم حج سے فارغ ہو کر لوٹو تب رکھو۔ یہ سب پورے دس ہوئے۔

۱۔ حج قران یا تمتع صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میقات سے باہر کے رہنے والے ہیں جن کو اصطلاح میں آفاقی کہتے ہیں، قرآنِ پاک میں ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ البقرہ196:2

یہ (تمتع یا قران) ان کے لیے ہے جن کے اہل خانہ مسجد حرام میں نہ رہتے ہوں۔

---

[1] علمائے اہل حدیث کے نزدیک حج قران میں عمرے اور حج کے لیے ایک طواف اور سعی کافی ہے۔

جولوگ میقات کے اندر کے باشندے ہیں ان کے لیے صرف حج افراد ہی ہے۔

حج تمتع:

تمتع کے لغوی معنی ہیں کچھ وقت تک فائدہ اٹھانا اور اصطلاحِ شرع میں تمتع کے معنی میں حج تمتع کرنا، حج تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ اور حج ساتھ ساتھ کرے، لیکن اس طرح کہ دونوں کے احرام الگ الگ باندھے اور عمرہ کر لینے کے بعد احرام کھول کر ان ساری چیزوں سے فائدہ اٹھائے جو احرام کی حالت میں ممنوع ہوگئی تھیں اور پھر حج کا احرام باندھ کر حج ادا کرے، اس طرح کے حج میں چونکہ عمرے اور حج کی درمیانی مدت میں احرام کھول کر حلال چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا کچھ وقت مل جاتا ہے، اسی لیے اس کو حج تمتع کہتے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ البقرہ196:2

پس جو شخص حج کے ایام تک اپنے عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس پر اس کی وسعت کے مطابق قربانی ہے۔

حج تمتع، افراد سے افضل ہے، اس لیے کہ اس میں دو عبادتیں ایک ساتھ جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور کچھ زیادہ مناسک ادا کرنے کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

حج تمتع کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ لائے اور دوسری یہ کہ ہدی کا جانور اپنے ہمراہ نہ لائے، پہلی صورت دوسری صورت سے افضل ہے۔

تمتع کے مسائل:

۱۔ متمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرے کا طواف زمانۂ حج[1] میں کرے یا کم از کم طوافِ عمرہ کے اکثر شوط زمانۂ حج میں ادا کرے۔

۲۔ حج تمتع کے لیے ضروری ہے کہ عمرے اور حج کا طواف ایک ہی سال میں کرے، اگر کسی نے ایک سال عمرے کا طواف کیا اور دوسرے سال حج کا طواف کیا تو اس کو

---

[1] حج کے مہینے یہ ہیں، شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ کا پہلا عشرہ۔

متمتع نہیں کہیں گے۔

۳۔ تمتع میں ضروری ہے کہ پہلے عمرے کا احرام باندھا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ حج کا احرام باندھنے سے پہلے عمرے کا طواف کرلیا جائے۔

۴۔ متمتع کے لیے ضروری ہے کہ وہ عمرے اور حج کے احرام کے درمیان الممام نہ کرے، الممام کے معنی ہیں اتر پڑنا اور اصطلاح میں الممام سے مراد یہ ہے کہ آدمی عمرے کا احرام کھولنے کے بعد اپنے گھر والوں میں جا کر اتر پڑے، ہاں اگر وہ قربانی کا جانور ہمراہ لایا ہے تو اتر پڑنے پر بھی حج تمتع صحیح ہوگا۔

۵۔ حج تمتع صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میقات سے باہر کے علاقوں کے باشندے ہیں۔ جو لوگ مکہ میں یا میقات کے داخلی علاقوں میں رہتے بستے ہیں ان کے لیے تمتع اور قران مکروہ تحریمی ہے۔ (علم الفقہ جلد پنجم)

۶۔ حج تمتع کرنے والے کے لیے طواف قدوم کرنا مسنون نہیں ہے اور اس کو چاہیے کہ طوافِ زیارت میں رمل کرے۔

۷۔ متمتع پر بھی قارن کی طرح قربانی واجب ہے اور مقدور نہ ہو تو پھر دس روزے رکھے، تین حج کے دوران یوم النحر سے پہلے رکھ لے اور سات اس وقت رکھے جب حج سے فارغ ہو کر لوٹے یعنی ایامِ تشریق کے بعد۔

۸۔ حج تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ہمراہ نہ لایا ہو تو عمرے کی سعی کے بعد حلق یا تقصیر کر کے احرام کھول دے اور پھر حج کے لیے جدید احرام باندھے، البتہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہو تو پھر عمرے کی سعی کے بعد حلق وغیرہ نہ کرائے اور احرام باندھے رہے، دسویں ذوالحجہ کو ہدی کی قربانی کر لینے کے بعد احرام سے باہر ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی کا رخصتی حج

صحابیٔ رسول حضرت جابرؓ کی زبان سے

مدینہ منورہ میں حضرت جابرؓ آخری صحابی تھے، آپ کی وفات کے بعد مدینہ میں پھر کوئی صحابی نہ رہا تھا، جب آپ کافی بوڑھے ہو گئے اور نوے سال سے بھی زیادہ آپ کی عمر ہو گئی تھی، آنکھیں جاتی رہی تھیں، اس وقت کا واقعہ ہے کہ حضرت حسینؓ کے پوتے محمد بن علیؒ یعنی امام باقرؒ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے امام باقر کہتے ہیں واقعہ یوں تھا کہ ہم چند ساتھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ہم میں سے ایک ایک سے اس کا نام اور حال معلوم کیا جب میری باری آئی اور میں نے بتایا کہ میں حضرت حسینؓ کا پوتا ہوں تو نہایت ہی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا پھر میرے کُرتے کا اوپر والا بٹن کھول کر اپنا دست مبارک میرے گریبان میں ڈالا اور ٹھیک میرے سینے کے بیچ میں رکھا۔ ان دنوں میرا عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا، آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا خوش آمدید میرے بھتیجے میرے حسینؓ کی یادگار! کہو کیا پوچھنے آئے ہو بے تکلف پوچھو، میں نے پوچھنا شروع کیا، حضرت آنکھوں سے معذور تھے۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ حضرت جابرؓ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے، اسی کو لپیٹ کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب وہ اس کو اپنے کندھوں پر ڈالتے تو اس کے کنارے سرک کر پھر ان کی طرف آ جاتے، یہ اسی کو اوڑھے رہے حالانکہ ان کی بڑی چادر قریب ہی لکڑی کے سٹینڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ جب آپ ہمیں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے بڑھ کر عرض کیا: حضرت! ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج وِداع (یعنی رخصتی حج) کا مفصل حال سنایئے!

حضرت جابرؓ نے ہاتھ کے اشارے سے نو تک گنتی کر کے فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے آ کر رہے تو نو سال تک آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ہجرت کے دسویں سال آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ حج کے لیے تشریف لے جائیں گے، یہ اطلاع

پاتے ہی بہت بڑی تعداد میں لوگ مدینے آ کر جمع ہونے لگے، ہر ایک کی آرزو تھی کہ وہ اس مبارک سفر میں آپ کے ہمراہ جائے اور آپ کی پیروی کرے اور وہی کچھ کرے جو آپ کو کرتے دیکھے۔

آخر کار مدینے سے روانہ ہونے کا وقت آیا اور یہ پورا قافلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مدینے سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچا اور اس دن قافلے نے اسی مقام پر قیام کیا۔

یہاں ایک خاص واقعہ پیش آیا کہ قافلے کی ایک خاتون اسماء بنت عمیس یعنی ابوبکر صدیق کی زوجہ کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی (جس کا نام محمد رکھا گیا) اسماء بنت عمیس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معلوم کرایا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا اسی حالت میں احرام کے لیے غسل کر لو، اور اس حالت میں جس طرح خواتین لنگوٹ باندھتی ہیں تم بھی لنگوٹ باندھے رہو اور احرام باندھ لو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں نماز پڑھی، پھر آپ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی آپ کو لے کر قریب کے بلند میدان بیداء پر پہنچی، بیداء کی بلندی سے جب میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو مجھے آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک آدمی ہی آدمی نظر آئے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل، خدا کے رسولؐ ہمارے درمیان میں تھے اور آپ پر قرآن نازل ہوتا تھا، اور آپ قرآن کے مفہوم اور مطلب کو خوب سمجھتے تھے، لہٰذا حکم خداوندی کے تحت آپ جو کچھ بھی کرتے تھے ہم لوگ بھی وہی کرتے یہاں پہنچ کر آپ نے بلند آواز سے توحید کا تلبیہ پڑھا۔

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

تیرے حضور حاضر ہوں اے اللہ! تیرے حضور حاضر ہوں، تیری پکار پر تیرے دَر پر حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، بے شک حمد و شکر کا مستحق تُو ہی ہے، احسان و انعام کرنا تیرا ہی حق ہے۔ اقتدار تیرا ہی ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔

آپ کے رفقائے سفر نے بھی بلند آواز سے اپنا تلبیہ پڑھا، (شاید اس میں کچھ کلمات کا اضافہ تھا) مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تردید نہیں فرمائی، البتہ آپ اپنا وہی تلبیہ برابر

پڑھتے رہے۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا: اس سفر میں ہماری نیت دراصل حج ادا کرنے کی تھی، عمرہ ہمارے پیش نظر نہ تھا، یہاں تک کہ جب ہم سب لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں بیت اللہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حجر اسود کا استلام کیا، پھر طواف شروع کیا اور پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل فرمایا پھر چار چکروں میں معمولی رفتار سے چلے پھر آپ مقامِ ابراہیم پر آئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔

اور مقامِ ابراہیم کو اپنے لیے عبادت گاہ قرار دے لو۔

پھر آپ اس طرح کھڑے ہوئے کہ مقامِ ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان میں تھا (یہاں آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی) ان دو رکعتوں میں آپ نے ''قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی قرأت فرمائی پھر حجر اسود کے پاس لوٹ کر آئے، حجر اسود کا استلام کیا، پھر ایک دروازے سے صفا کی طرف چلے، جب صفا کے قریب پہنچے تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ البقرہ 158:2

بلاشبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

اور فرمایا: اَبْدَأُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ بِهٖ۔

میں صفا سے اپنی سعی شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے اس آیت میں اس کے ذکر سے شروع کیا ہے۔

پس آپ پہلے صفا پر آئے اور صفا پر اتنے اونچے تک چڑھے کہ بیت اللہ آپ کو صاف نظر آنے لگا اور آپ قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ توحید اور تکبیر میں مصروف ہوئے اور آپ نے فرمایا:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اقتدار اسی کے لیے ہے، حمد و شکر کا مستحق وہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا (اور دین کو سارے عرب میں غالب فرما دیا) اپنے بندے کی اس نے پوری پوری مدد فرمائی اور کفر و شرک کی فوجوں کو اس نے تنہا شکست دی۔

تین بار آپ نے یہ کلمات دہرائے اور ان کے درمیان دعا مانگی پھر آپ صفا سے نیچے آئے اور مروہ کی طرف چلے اور مروہ پر بھی وہی کچھ کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ آپ آخری چکر پورا کر کے مروہ پہنچے تو آپ نے اپنے رفقائے سفر سے خطاب فرمایا۔ آپ اوپر مروہ پر تھے اور ساتھی نیچے نشیب میں تھے۔

اگر مجھے اس بات کا احساس پہلے ہو جاتا، جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں ہدی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور اس طواف و سعی کو عمرے کی سعی و طواف قرار دے کر اس کو عمرہ بنا لیتا اور احرام کھول دیتا۔ (البتہ تم میں سے جو لوگ ہدی کا جانور ساتھ نہ لائے ہوں وہ اس طواف اور سعی کو عمرے کا طواف قرار دے کر حلال ہو سکتے ہیں)

یہ سن کر سراقہ ابن مالک کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہؐ! یہ حکم اسی سال کے لیے ہے یا یہ اب ہمیشہ کے لیے ہے۔[1] نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں اچھی طرح ڈالیں اور فرمایا عمرہ حج میں اسی طرح داخل ہو گیا۔[2] صرف اسی سال کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے۔

اور (حضرت جابرؓ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا) علیؓ یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مزید قربانی کے جانور لے کر مکہ معظّمہ پہنچے، انھوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہراؓ کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو گئی ہیں، رنگین کپڑے بھی پہن رکھے ہیں اور سرمہ بھی لگا ہوا ہے، حضرت علیؓ کو یہ بات غیر مناسب معلوم ہوئی اور ناگواری کا اظہار کیا، تو

۱۔ اہل مکہ کے نزدیک حج کے مہینوں میں مستقل طور پر عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات تھی، اب جو سراقہ ابن مالک نے دیکھا کہ ایامِ حج میں اس طواف و سعی کو مستقل قرار دیا جا رہا ہے تو انھوں نے سوال کیا کہ کیا اب ایسا ہی حکم ہمیشہ کے لیے ہے یا یہ حکم خاص طور پر اسی سال کے لیے ہے۔

۲۔ یعنی ایامِ حج میں عمرہ کرنا اور حج کے ساتھ ایک ہی سفر میں عمرہ کرنا بالکل درست ہے۔ اس کو غلط سمجھنا اور گناہ قرار دینا سراسر غلط ہے اور یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: مجھے ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے احرام ختم کیا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا جب تم نے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا تو کیا نیت کی (یعنی صرف حج کی نیت کی تھی یا حج اور عمرے دونوں کی نیت کی تھی؟

علیؓ نے جواب میں کہا: میں نے کہا تھا، اے اللہ! میں بھی اسی چیز کا احرام باندھتا ہوں جس کا احرام تیرے رسولؐ نے باندھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: میں تو چونکہ اپنے ساتھ ہدی کا جانور لے کر آیا ہوں، اس لیے میرے لیے احرام کھولنے کی گنجائش نہیں ہے اور تم نے بھی وہی نیت کر لی ہے جو میری ہے لہٰذا تمھارے لیے بھی احرام کھول کر حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہدی کے اونٹ جو علیؓ یمن سے لے کر آئے تھے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اپنے ہمراہ لائے تھے، یہ سب سو (۱۰۰) تھے۔[1]

سارے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق احرام کھول دیے اور اپنے بال کٹوا کر حلال ہو گئے، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وہ صحابہ جو ہدی کا جانور ساتھ لائے تھے احرام باندھے رہے۔

پھر جب یوم الترویہ آیا، (یعنی ذوالحجہ کی ۸ تاریخ ہو گئی) تو سارے لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور ان لوگوں نے حج کا احرام باندھا، جو عمرہ کر کے احرام ختم کر چکے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قصوا پر سوار ہو کر منیٰ کو روانہ ہوئے، وہاں آپ نے ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی پانچوں نمازیں ادا فرمائیں۔ فجر کی نماز کے بعد آپ منیٰ میں کچھ دیر ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ عرفات کی طرف روانہ ہوئے اور آپ نے حکم دیا کہ ''نمرہ'' کے مقام پر آپ کے لیے صوف کا خیمہ نصب کیا جائے۔ قریش کو اس میں ذرا شک

---

[1] بعض روایات میں یہ صراحت ملتی ہے ۶۳ اونٹ تو رسول اللہؐ اپنے ہمراہ لائے تھے اور ۳۷ اونٹ حضرت علیؓ یمن سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔

نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف فرمائیں گے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمیشہ سے قریش کرتے رہے تھے، لیکن آپ مشعر الحرام کی حدود سے آگے نکل آئے اور میدانِ عرفات کی حدود میں آئے، آپ نے حکم دیا تھا کہ ''نمرہ''[1] کے مقام پر آپ کے لیے خیمہ نصب کیا جائے، چنانچہ خیمہ نصب کر دیا گیا تھا اور آپؐ نے اسی خیمے میں قیام فرمایا۔

پھر جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ نے حکم دیا کہ آپ کی اونٹنی ''قصوا'' پر کجاوا کس دیا جائے، چنانچہ اونٹنی پر کجاوا کس دیا گیا۔ آپ اونٹنی پر سوار ہوئے اور ''وادیِ عرنہ'' کے نشیب میں پہنچے۔ وہاں آپؐ نے اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطاب کیا:

''لوگو! ناحق کسی کا خون بہانا اور ناروا طریقے سے کسی کا مال لینا تمھارے لیے حرام ہے، بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اس مہینے اور اس شہر میں تمھارے لیے حرام ہے۔ (اور تم حرام سمجھتے ہو)

خوب سمجھ لو کہ دورِ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے دونوں قدموں کے نیچے روند دی گئی ہیں اور زمانہ جاہلیت کا خون معاف ہے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون یعنی ربیعہ بن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کا خون معاف کرنے کا اعلان کرتا ہوں جو بنی سعد کے قبیلے میں دودھ پینے کے لیے رہا کرتے تھے ان کو قبیلہ ہذیل کے لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا اور دور جاہلیت کے سارے سودی مطالبے اب سوخت ہو گئے اور اس سلسلے میں بھی سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں، آج ان کے سارے سودی مطالبات ختم ہیں۔

اے لوگو! خواتین کے حقوق کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو، تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر اپنے قید نکاح میں لیا ہے اور ان سے لذت اندوزی اللہ کے کلمہ اور

---

[1] نمرہ دراصل وہ سرحدی مقام ہے جہاں حرم کی حد ختم ہوتی ہے اور عرفات کی حد شروع ہوتی ہے، زمانہ جاہلیت میں قریش کے لوگ حرم کی حدود میں مشعر الحرام کے پاس ہی وقوف کرتے تھے اور عام لوگ میدانِ عرفات میں وقوف کرتے تھے، اس لیے قریش کا خیال تھا کہ رسول اللہ e بھی اسی جگہ وقوف فرمائیں گے، لیکن آپ نے وقوف کے اصل مقام پر ہی اپنا خیمہ نصب کرنے کا حکم پہلے ہی دے دیا تھا۔

قانون ہی کے ذریعے تمھارے لیے حلال ہوئی ہے، تمھارا اُن پر خاص حق یہی ہے کہ جس شخص کا تمھیں اپنے گھر میں آنا ناپسند ہو ان کو وہ تمھارے بستر پر بیٹھنے کا موقع نہ دیں اور اگر وہ یہ خطا کر بیٹھیں تو تنبیہ کے لیے تم ان کو معمولی سزا دے سکتے ہو اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ تم اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق کشادہ دلی سے ان کے لباس اور کھانے کا اہتمام کرو اور میں تمھارے درمیان وہ سرچشمہ ہدایت چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوط پکڑے رہے اور اس کی رہنمائی میں چلتے رہے تو کبھی تم راہِ حق سے نہ بھٹکو گے۔ یہ سرچشمہ ہدایت ہے ''اللہ کی کتاب'' اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تم سے میرے بارے میں دریافت فرمائے گا (کہ میں نے خدا کا پیغام تم لوگوں تک پہنچا دیا یا نہیں؟) بتاؤ تم وہاں میرے بارے میں خدا کو کیا جواب دو گے۔

حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کچھ پہنچا دیا اور آپؐ نے نصح و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ اس پر آپ نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی پھر لوگوں کی طرف اس سے اشارہ کرتے اور جھکاتے ہوئے تین بار کہا ''اے اللہ! تُو بھی گواہ رہ، اے اللہ تُو بھی گواہ رہ، اے اللہ! تُو بھی گواہ رہ، میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیے اور تیرے یہ بندے گواہ ہیں کہ میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔''

پھر حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی اور آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ نے دوبارہ اقامت کہی اور آپؐ نے عصر کی نماز پڑھائی، ظہر اور عصر کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنے کے بعد آپ ٹھیک اس مقام پر آئے جہاں وقوف کیا جاتا ہے، پھر آپؐ نے اپنی اونٹنی قصواء کا رخ ادھر موڑ دیا جدھر بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور سارا مجمع آپؐ کے سامنے ہو گیا جس کے سب ہی لوگ پیدل تھے، آپ قبلہ رو ہو گئے اور آپؐ نے وہیں وقوف فرمایا یہاں تک کہ آفتاب کے غروب کا وقت آ گیا اور شام کی زردی بھی ختم ہو گئی اور سورج بالکل غروب ہو گیا آپؐ (عرفات سے مزدلفہ کی طرف) روانہ ہوئے اور اسامہ

بن زید کو آپؐ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور آپؐ مزدلفہ آ پہنچے۔ یہاں پہنچ کر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک ساتھ پڑھی، اذان ایک ہوئی اور اقامت دونوں کے لیے الگ الگ اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی سنت یا نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد آپ آرام فرمانے کے لیے لیٹ گئے اور آرام فرماتے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اور فجر کا وقت ہوگیا۔ صبح صادق ہوتے ہی آپؐ نے اذان اور اقامت کہلوا کر فجر کی نماز اول وقت ادا فرمائی۔ نمازِ فجر سے فارغ ہو کر آپ مشعر الحرام کے پاس تشریف لائے یہاں آ کر آپؐ قبلے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے اور دعا، تکبیر تہلیل اور توحید و تسبیح میں مصروف ہو گئے اور دیر تک مصروف رہے، جب خوب اجالا ہو گیا تو طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپؐ وہاں سے منٰی کے لیے روانہ ہوئے۔ جب آپؐ وادیِ محسّر کے درمیان پہنچے تو آپ نے اپنی اونٹنی کو ذرا تیز کر دیا۔ پھر محسّر سے نکل کر آپؐ درمیانی راستے سے چلے جو بڑے جمرے کے پاس جا کر نکلتا ہے۔ پھر اس جمرے کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے، آپ نے رمی فرمائی، سات کنکریاں اس پر پھینک کر ماریں اور ہر کنکری پھینکتے ہوئے آپؐ اللہ اکبر کہتے جاتے۔ یہ کنکریاں چھوٹی چھوٹی ٹھیکریوں کی طرح تھیں۔ آپؐ نے نشیبی مقام سے جمرہ پر یہ رمی کی، جب آپؐ رَمی سے فارغ ہوئے تو قربان گاہ کی طرف روانہ ہوئے، وہاں آپؐ نے ۶۳ اونٹ اپنے دست مبارک سے قربان کیے اور باقی اونٹ حضرت علیؓ کے حوالے کیے۔ جن کی قربانی حضرت علیؓ نے کی اور آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے ہدایا کے اونٹوں میں شریک فرمایا پھر آپ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر ہر اونٹ میں سے ایک ٹکڑا لیا جائے چنانچہ ہر ایک میں سے ایک ایک ٹکڑا لے کر دیگچے میں ڈالا گیا اور پکایا گیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں نے اس گوشت میں سے تناول فرمایا اور اس کا شوربا بھی پیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور طوافِ زیارت کے لیے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے، ظہر کی نماز آپؐ نے مکہ میں پہنچ کر ادا فرمائی۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر آپؐ (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زَم زَم سے پانی کھینچ کھینچ کر

لوگوں کو پلا رہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا۔ ڈول نکال کر پلاؤ۔ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ (مجھے دیکھ کر) دوسرے لوگ تم سے زبردستی یہ خدمت چھین لیں گے تو میں خود اپنے ہاتھ سے تمھارے ساتھ زَم زَم سے ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو ڈول بھر کر دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔ (مسلم عن جعفر بن محمد عن ابیہ)

جنایت کا بیان

جنایت کے لغوی معنی ہیں، کوئی حرام کام کرنا، گناہ کرنا وغیرہ، لیکن حج کے باب میں جنایت سے مراد کوئی ایسا کام کرنا ہے جو حرم میں ہونے کی وجہ سے یا احرام باندھ لینے کی وجہ سے حرام ہو، اس طرح جنایت کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں:

۱۔ جنایت حرم

۲۔ جنایت اِحرام

آدمی سے کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حدودِ حرم میں حرام ہے یا کوئی ایسا کام سرزد ہو جائے جو حالت احرام میں حرام ہے دونوں کی تلافی کے لیے کفارے اور قربانی کے کچھ الگ الگ احکام ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

حرمِ مکہ اور اس کی عظمت

روئے زمین پر سب سے مقدس، سب سے زیادہ برکت اور سب سے زیادہ قابل احترام وہ عمارت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے ''اپنا گھر'' قرار دیا ہے جو توحید اور نماز کا مرکز ہے اور روئے زمین پر وہ سب سے پہلی عمارت ہے جس کو خدا کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے، جو ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے اور ساری انسانیت کا مرجع اور پناہ گاہ ہے۔

پھر یہ بیت اللہ جس مبارک مسجد کے درمیان میں واقع ہے اس کو مسجد حرام (یعنی قابل احترام مسجد) کہا گیا ہے، اور اس کو تمام دنیا کی مسجدوں سے افضل ہی نہیں بلکہ اصل مسجد قرار دیا گیا ہے، روئے زمین کی دوسری مسجدوں میں اسی لیے نماز صحیح ہے کہ وہ اس مسجد حرام کے

قائم مقام ہیں اور اسی کی طرف ان سب کا رُخ ہے، مسجد الحرام کی عظمت یہ ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنے والے کو ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ (ابن ماجہ)

خدا کا گھر اور مسجد الحرام، جس مبارک شہر میں واقع ہے اس کو ''بلد اللہ الحرام'' (اللہ کا حرمت والا شہر) کہا گیا ہے، اور خدا کے رسولؐ نے اس کو روئے زمین کے تمام شہروں سے بہتر اور اللہ کی نظر میں تمام بستیوں میں زیادہ محبوب بتایا ہے، نیز آپ نے اس کو نہایت پاکیزہ، دل پسند اور اپنا محبوب ترین شہر قرار دیا ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر میری قوم کے لوگ مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تجھے چھوڑ کر کہیں سکونت اختیار نہ کرتا۔

(جامع ترمذی)

پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس شہر مکہ ہی کو حرم قرار دیا ہے بلکہ اس کی ہر ہر سمت میں کئی کئی کلومیٹر کے علاقے کو حدودِ حرم میں داخل فرما کر ''حرم'' (یعنی واجب الاحترام علاقہ) قرار دیا ہے اور اس کی عظمت و احترام کے کچھ آداب و احکام مقرر فرما دیے ہیں، ان حدود میں بہت سے وہ کام اس علاقے کی حرمت کے تعلق سے حرام اور ناجائز ہیں جو باقی ساری دنیا میں جائز اور مباح ہیں۔

حرم کے یہ حدود پہلے حضرت ابراہیمؑ نے مقرر فرمائے تھے اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ یہ حدود معلوم اور معروف ہیں۔ مدینے کی جانب تقریباً ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی سمت میں تقریباً گیارہ کلومیٹر، طائف کی سمت میں بھی تقریباً گیارہ کلومیٹر اور تقریباً اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب بھی حرم کی حد ہے اور جدے کی طرف تقریباً سولہ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے اپنے دور میں اس حد بندی کی تجدید فرمائی اور اب یہ حدود معلوم و معروف ہیں، حدود حرم کی عظمت و عزت خدا اور اس کے دین سے تعلق اور وفاداری کی علامت ہے اور امت بحیثیت مجموعی جب تک اس عظمت و احترام کو باقی رکھے گی اس پر خدا کی حفاظت اور رحمت کا سایہ ہوگا اور وہ دنیا میں

رفعت اور سربلندی کی زندگی گزارے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میری یہ امت جب تک حرم مقدس کی عظمت واحترام کا حق ادا کرتی رہے گی بخیر رہے گی اور جب وہ اس کا احترام اور اس کا احساس ضائع کر دے گی تباہ و برباد ہو جائے گی۔'' (ابن ماجہ)

جنایاتِ حرم

۱۔ حرم کی خودرو گھاس، پیڑ، پودے اور ہرا بھرا سبزہ کاٹنا اُکھاڑنا جنایت ہے، اگر یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں تو اس کا کفارہ صرف یہ ہے کہ اس کی قیمت راہِ خدا میں خرچ کر دی جائے اور اگر یہ کسی کی ملکیت ہوں تو پھر دوگنی قیمت ادا کرنا واجب ہے، صدقہ بھی کرنا ہوگا اور مالک کو بھی قیمت دینا پڑے گی۔

۲۔ اذخر[1] کاٹنے یا اکھاڑنے کی اجازت ہے۔ حضرت عباسؓ کے مطالبے پر آپؐ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی تھی۔

۳۔ خودرو پودے چاہے وہ جھاڑ جھنکار ہی کیوں نہ ہوں، ان کا کاٹنا یا اکھاڑنا بھی جنایت ہے۔

۴۔ جو پیڑ پودے خودرو نہ ہوں بلکہ بوئے اور لگائے گئے ہوں، اُن کو توڑنا جنایت نہیں، اسی طرح کسی درخت کے چند پتے توڑنا بھی جنایت نہیں، بشرطیکہ یہ کسی کی ملکیت نہ ہوں، اگر کسی کی ملکیت کے ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر نہ توڑے جائیں ہاں مالک خود توڑے تو جنایت نہیں ہے۔

۵۔ حرم کے شکار کا قتل کرنا بھی جنایت ہے۔ قتل کرنے والے کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔

۶۔ حرم کے پرندے کے انڈے توڑنا یا بھون لینا بھی جنایت ہے، اسی طرح حرم کی ٹڈیاں مارنا بھی جنایت ہے۔

۷۔ اگر کسی کے پاس کوئی شکار ہو اور وہ شخص حرم میں داخل ہو رہا ہو تو اس پر واجب ہے

---

[1] ایک قسم کی خوشبودار گھاس ہے، جس کو لوہار لوگ بھی استعمال کرتے تھے اور چھتوں پر بھی ڈالی جاتی تھی۔

کہ وہ اس شکار کو چھوڑ دے، ہاں اگر شکار رسی میں بندھا ہو، اور رسی اس کے ہاتھ میں ہو یا شکار کسی پنجرے اور کٹہرے میں بند ہو تو اس کا چھوڑنا واجب نہیں۔

۸۔ میقات سے احرام باندھے بغیر حرم میں داخل ہونا بھی جنایت ہے اور ایسے شخص پر ایک قربانی واجب ہے۔

۹۔ حرم کے حدود میں ان موذی جانوروں کا مارنا جنایت نہیں۔ بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا یعنی بلوں میں رہنے والے یہ جانور، کچھوا، چھپکلی، مچھر، کھٹمل، پسو، مکھی، بھڑ، چیونٹی اور وہ جانور جو حملہ کریں اور ان کے حملے سے بچنے کے لیے ان کو مار ڈالنا ناگزیر ہو۔

۱۰۔ حرم سے باہر حلق یا تقصیر کرانا بھی جنایت ہے اور اس سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

جنایاتِ احرام

احرام کی جنایات تین قسم کی ہوسکتی ہیں۔

۱۔ جن میں دو قربانیاں واجب ہیں۔

۲۔ جن میں صرف ایک قربانی واجب ہے۔

۳۔ جن میں صرف صدقہ واجب ہے۔

وہ جنایات جن میں دو قربانیاں واجب ہیں

مرد اگر کوئی گاڑھی خوشبو یا گاڑھی مہندی سر میں لگا لے اور ایک شب و روز وہ لگی رہے، پورے سر میں لگائے یا چوتھائی سر میں اس پر دو قربانیاں واجب ہوں گی، البتہ کوئی خاتون ایسا کرے تو ایک ہی قربانی واجب ہوگی۔

وہ سارے جنایات جن سے حج افراد کرنے والے پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے اُن سے قارن پر دو قربانیاں واجب ہوتی ہیں۔

حج تمتع کرنے والا اگر ہدی کا جانور ساتھ لایا ہو تو اس پر ان ساری جنایات میں دو

قربانیاں واجب ہوں گی جن سے مفرد پر ایک قربانی واجب ہوتی ہے۔

وہ جنایات جن میں ایک قربانی واجب ہے

صرف دو صورتوں میں اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوتی ہے اس کے علاوہ جہاں جہاں قربانی کا ذکر آیا ہے اس سے مراد بکری یا بھیڑ کی قربانی ہے۔

۱۔ طوافِ زیارت اگر کوئی جنابت کی حالت میں کر لے تو ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

۲۔ وقوفِ عرفات کے بعد طواف زیارت اور حلق یا تقصیر سے پہلے اگر مباشرت کر لی تو اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔ ان دونوں صورتوں کے علاوہ باقی صورتوں میں بکری یا بھیڑ کی قربانی واجب ہوگی۔

۳۔ ''طواف کے واجبات'' میں سے کوئی بھی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

ممنوعاتِ احرام سے بچنا بھی طواف کے واجبات میں سے ہے، ان میں سے بعض ممنوعات میں وجوب قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں۔ ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۴۔ اگر زیادہ خوشبو کا استعمال کیا تو ایک قربانی واجب ہے اور اگر تھوڑی سی خوشبو استعمال کی لیکن جسم کے کسی بڑے عضو پر مثلاً سر، ہاتھ اور پیر وغیرہ پر ملی تب بھی ایک قربانی واجب ہے۔

۵۔ خوشبو لگانے کے بعد قربانی تو کر لی، لیکن خوشبو زائل نہیں کی تو پھر قربانی کرنا ہوگی۔

۶۔ اگر ایک ہی مجلس میں پورے بدن پر خوشبو لگائی تو ایک ہی قربانی واجب ہے اور اگر مختلف مجلسوں میں پورے بدن پر لگائی تو ہر مرتبہ کے عوض قربانی واجب ہوگی۔

۷۔ خوشبودار لباس پہنا اور دن بھر پہنے رہا تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

۸۔ رقیق مہندی سر، داڑھی یا ہاتھ پیر میں لگائی تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

۹۔ سلے ہوئے کپڑے پہننے میں قربانی واجب ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ایک دن یا ایک رات کپڑے پہنے رہے، اس سے کم وقت پہننے سے قربانی واجب نہ ہوگی بلکہ صرف صدقہ واجب ہوگا۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ سلے ہوئے کپڑے کو رواج کے مطابق پہنے اگر کوئی اپنا کرتہ یا شیروانی یونہی کندھے پر ڈال لے اور ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے تو کوئی جنایت نہیں ہے۔

نجاست حکمی سے پاکی حاصل کیے بغیر طواف کرنے میں بھی وجوبِ قربانی کے تعلق سے کچھ مسائل ہیں۔ ذیل میں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ طوافِ زیارت کے علاوہ کوئی بھی طواف حالت جنابت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

۱۱۔ طوافِ زیارت حدثِ اصغر کی حالت میں کیا جائے تو ایک قربانی واجب ہوگی اور عمرے کا طواف بھی حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک قربانی واجب ہوگی۔

۱۲۔ طوافِ زیارت کے زیادہ سے زیادہ تین شوط ترک کر دینے سے قربانی واجب ہے اور اگر تین شوط سے زیادہ ترک کر دیے تو پھر قربانی سے اس کی تلافی نہ ہوگی بلکہ دوبارہ طواف کرنا ہوگا۔

۱۳۔ واجباتِ حج میں سے کوئی واجب ترک کر دیا جائے تو ایک قربانی واجب ہے۔

۱۴۔ مفرد حلق یا تقصیر یا طوافِ زیارت دسویں ذی الحجہ کے بعد کرے تو قربانی واجب ہوگی۔

۱۵۔ قارن ذبح سے پہلے یا رَمی سے پہلے حلق کرالے تو ایک قربانی واجب ہوگی۔

وہ جنایات جن میں صرف صدقہ واجب ہے

۱۔ خوشبو کا استعمال اس مقدار میں کیا جائے جس سے قربانی واجب نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں صدقہ[1] واجب ہوگا، مثلاً ایک عضو سے کم میں خوشبو لگائی، یا لباس میں ایک

ا صدقے سے مراد ایک شخص کا صدقۂ فطر ہے جو اسّی روپے والے سیر کے حساب سے ایک کلو ایک سو دس گرام کے برابر ہے، علم الفقہ ج ۴ ص ۱۵) اور بہشتی زیور میں ایک شخص کا صدقہ فطر ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک بتایا گیا ہے۔

بالشت مربع سے کم جگہ میں لگائی یا زیادہ لگائی، لیکن لباس کو پورے ایک دن یا پوری ایک رات استعمال نہیں کیا۔

۲۔ سلا ہوا لباس ایک دن یا ایک رات سے کم پہنا یا اتنے ہی وقت کے لیے سر ڈھانک لیا تو ایک صدقہ واجب ہوگا اور اگر معمولی سے وقت کے لیے سر ڈھانکا یا سلا ہوا کپڑا پہنا مثلاً ایک گھنٹے سے بھی کم تو ایک مٹھی آٹا دینا کافی ہے۔

۳۔ طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا اور کوئی نفلی طواف حدثِ اصغر کی حالت میں کرنے سے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۴۔ طوافِ قدوم یا طوافِ وداع یا سعی کے تین یا تین سے کم شوط ترک کر دیے تو ہر شوط کے عوض میں ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۵۔ ایک دن میں جس قدر رمی واجب ہے ان میں سے آدھی سے کم ترک کر دے مثلاً ۱۰ ارذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ کی سات رمی واجب ہیں، ان میں سے کوئی شخص تین رمی ترک کر دے تو ہر کنکری کے بدلے ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۶۔ کسی دوسرے شخص کے سر یا گردن کے بال بنا دیے، چاہے یہ دوسرا شخص محرم ہو یا غیر محرم، ایک صدقہ واجب ہوگا۔

۷۔ پانچ ناخن کٹوائے یا پانچ سے زیادہ لیکن کسی ایک ہاتھ پیر کے نہیں بلکہ متفرق طور پر کٹوائے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہوگا۔

اصولی ہدایات

۱۔ اگر ایک ہی صدقے کی قیمت یا چند واجب صدقات کی قیمت ایک قربانی کے برابر ہو جائے، چاہے قربانی کے جانور ارزاں ہونے کی وجہ سے یا چند صدقات کی قیمت اتنی ہو جائے کہ قربانی کے برابر ہو جائے تو اس قیمت میں سے اتنی رقم کم کر لینا چاہیے کہ بقیہ رقم قربانی کی قیمت سے کم رہ جائے۔

۲۔ حج کے واجبات میں سے کوئی واجب اگر کسی عذر کے بغیر ترک کیا جائے تو قربانی

واجب ہے اور اگر عذر[1] کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے تو نہ قربانی واجب ہے اور نہ صدقہ۔

۳۔ احرام کی حالت میں جو کام ممنوع ہیں ان کو کر لینے سے بعض صورتوں میں قربانی واجب ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں صدقہ (جیسا کہ جنایات کی اقسام کے بیان سے واضح ہوا) قربانی واجب ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ قربانی کے بجائے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ[2] دے دیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ جب اور جہاں چاہے صرف تین روزے رکھ لے۔

صدقہ واجب ہونے کی صورت میں اختیار ہے کہ صدقے کے بجائے ایک روزہ رکھ لے۔

شکار کی جزا

ممنوعاتِ احرام میں وحشی جانور کا شکار بھی ہے۔ شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی اعانت کرنا بھی ممنوع ہے، وحشی کا شکار کرنے سے جزا لازم آتی ہے۔ جزا کے لغوی معنی بدلے کے ہیں اور شکار کے باب میں اس سے مراد شکار کی وہ قیمت ہے جو دو منصف مزاج صاحب نظر اور معاملہ فہم افراد تجویز کریں۔ قرآنِ پاک میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ المائدہ 59:5

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار مت مارو اور تم میں سے کوئی جان بوجھ کر اگر شکار مار لے تو جو جانور اُس نے مارا ہے اس کے ہم پلہ ایک جانور نذر دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل افراد کریں گے اور یہ ہدی کعبہ بھیجی جائے گی یا اس جنایت کے کفارے میں چند مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا یا اس کے بقدر روزے رکھنے ہوں گے تاکہ وہ اپنے کیے کا مزہ چکھ لے۔

اس آیت میں جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ خشکی کا شکار ہے، بحری شکار حالت احرام

---

[1] عذر کی مثالیں، بخار، سردی کی شدت، زخم، سر میں درد وغیرہ، پھر عذر میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت رہے، نہ یہ ضروری ہے کہ اس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔

[2] صدقے سے مراد ایک شخص کا صدقہ فطر ہے۔

میں جائز ہے چاہے اس کا کھانا جائز ہو یا نہ ہو۔ قرآن کی صراحت ہے:

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ المائدہ 56:5

تمھارے لیے سمندر کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے۔ تمھارے لیے قیام کی صورت میں بھی اور قافلے والوں کے لیے زادِ راہ کے طور پر بھی۔ البتہ خشکی کا شکار جب تک تم حالت احرام میں ہو تم پر حرام کیا گیا ہے۔

شکار اور جزا کے مسائل

۱۔ خود شکار کرنا بھی ممنوع ہے اور شکار کرنے والے کی مدد کرنا بھی ممنوع ہے، جس طرح شکار کرنے والے پر جزا ہے اسی طرح مدد کرنے والے پر بھی جزا ہے۔

۲۔ اگر کئی محرم مل کر ایک شکار ماریں یا ایک مارے اور چند مدد کریں تو سب پر الگ الگ جزا واجب ہوگی۔

۳۔ اگر ایک محرم کئی شکار مارے تو جتنے شکار مارے گا اتنی ہی جزائیں واجب ہوں گی۔

۴۔ صرف وحشی جانور کا شکار کرنے سے جزا واجب ہوتی ہے، پالتو جانوروں کے مارنے سے جزا واجب نہیں ہوتی مثلاً کوئی شخص بکری، گائے، اونٹ، مرغی وغیرہ کو مار دے تو اس سے جزا واجب نہیں ہوئی۔

۵۔ جن جانوروں کا گوشت حلال نہیں ہے وہ چاہے کتنے ہی بڑے ہوں ان کی جزاء بکری ہی ہوگی مثلاً کسی نے ہاتھی کو مارا تو اس کی جزا بکری ہی ہوگی۔

۶۔ جوئیں یا ٹڈی اگر تین سے زیادہ مارے یا کسی کو مارنے کا حکم دے تو ایک صدقۂ فطر واجب ہوگا اور تین یا تین سے کم مارے تو جو چاہے صدقہ دے۔

۷۔ شکار اگر کسی کی ملکیت ہو تو دوہری قیمت ادا کرنا ہوگی۔ راہِ خدا میں جزا تو دے گا ہی اس شخص کو بھی مجوزہ قیمت دینا ہوگی جس کا شکار مارا گیا۔

۸۔ شکار جہاں مارا گیا ہے اسی مقام اور اسی وقت کی قیمت واجب ہوگی۔ نہ کسی دوسرے مقام کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور نہ دوسرے وقت کی قیمت کا، اس لیے کہ قیمتیں وقت اور مقام

کے لحاظ سے کم وبیش ہوتی ہیں۔

۹۔ جزا دینے میں یہ بھی اختیار ہے کہ شکار کے ہم پلہ مجوزہ جانور خرید کر حرم بھیج دے جو وہاں ذبح کیا جائے اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کی قیمت سے غلہ وغیرہ خرید کر ہر مسکین کو ایک صدقۂ فطر کے بقدر دے دے اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہر مسکین کے صدقۂ فطر کے بدلے ایک روزہ رکھ لے اور اگر مجوزہ قیمت میں قربانی کا جانور نہ خریدا جا سکتا ہو تو پھر صرف دو ہی صورتیں ہیں ہر مسکین کو صدقۂ فطر کے بقدر دے یا ہر صدقے کے عوض میں روزہ رکھے۔

۱۰۔ اگر شکار کی مجوزہ قیمت اتنی بھی نہیں ہے کہ ایک صدقۂ فطر کے بقدر غلہ آ سکے تو پھر جتنا مل سکے وہ صدقہ کر دے یا ایک روزہ رکھ لے۔

۱۱۔ جزا کے عوض میں جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کا حکم اور مصارف وہی ہیں جو صدقۂ فطر کے ہیں۔

احصار کا بیان

احصار کے لغوی معنی ہیں روکنا، منع کرنا، باز رکھنا اور اصطلاحِ فقہ میں احصار یہ ہے کہ کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے اور پھر وہ حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا جائے، ایسے شخص کو اصطلاح میں محصر کہتے ہیں۔

احرام باندھنے کے بعد حج سے رک جانا اور حج یا عمرہ نہ کر سکنا بھی گونہ جنایت ہے، س لیے محصر پر واجب ہے کہ وہ اس احصار کے بدلے حسب مقدور قربانی دے، اس کو دمِ احصار کہتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ البقرہ 196:2

اللہ کی خوشنودی کے لیے حج اور عمرے کی نیت کرو، تو اسے پورا کرو اور اگر کہیں گھر جاؤ اور رک جانا پڑے تو جو قربانی میسر آئے اللہ کے حضور پیش کرو اور اپنے سروں کی تحلیق نہ کراؤ جب تک کہ ہدی کا جانور اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔

احصار کی چند صورتیں

احرام باندھنے کے بعد حج سے روکے جانے اور حج یا عمرہ نہ کر سکنے کی بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ راہ پرامن نہ ہو، دشمن کا خوف ہو، قتل و غارت کا خوف ہو، راہ میں کوئی درندہ ہو یا اور کسی طرح کا جان و مال کا واقعی خطرہ ہو۔

۲۔ مرض لاحق ہو جائے، یہ اندیشہ ہو کہ آگے بڑھنے میں مرض بڑھ جائے گا، یا ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی سکت ہی نہ ہو۔

۳۔ احرام باندھنے کے بعد عورت کے ہمراہ کوئی محرم نہ رہے، بیمار ہو جائے، وفات پا جائے، یا جھگڑا ہو جائے اور وہ ساتھ جانے سے انکار کر دے، یا اس کو کوئی جانے سے روک دے۔

۴۔ سفر خرچ نہ رہے، کم پڑ جائے یا چوری ہو جائے۔

۵۔ راستہ بھول جائے اور کوئی راستہ بتانے والا نہ مل سکے۔

۶۔ کسی خاتون کی عدت شروع ہو جائے، مثلاً شوہر طلاق دے دے یا احرام باندھنے کے بعد وفات پا جائے۔

۷۔ کسی خاتون نے شوہر کی اجازت کے بغیر احرام باندھا ہو اور احرام باندھ لینے کے بعد شوہر منع کر دے۔

ان تمام صورتوں میں احرام باندھنے والا محصر ہو جائے گا۔

احصار کے مسائل

۱۔ احصار کی صورت میں محصر حسب حیثیت اونٹ، گائے، بکری جو بھی میسر ہو خرید کر حرم بھیج دے کہ اس کی طرف سے وہاں قربانی کر دی جائے۔

۲۔ احصار کی قربانی واجب ہے اور جب تک محصر کی جانب سے حرم میں قربانی نہ ہو محصر

احرام ختم نہ کرے قربانی کا جانور یا رقم بھیجتے وقت ذبح کا دن مقرر کر دے تا کہ اس دن یہ اپنا احرام ختم کر دے۔

۳۔ عمرے یا حج افراد سے روکا گیا ہو تو ایک قربانی اور قران یا تمتع سے روکا گیا ہو تو دو قربانیاں بھیجے۔

۴۔ احصار کی قربانی کا گوشت محصر کے لیے کھانا جائز نہیں۔ اس لیے کہ یہ گونہ جنایت کی قربانی ہے۔

۵۔ قربانی کا جانور بھیج دینے کے بعد رکاوٹ ختم ہونے کی صورت میں اگر یہ ممکن ہو کہ محصر قربانی کا جانور ذبح ہونے سے پہلے ہی مکہ پہنچ جائے گا اور حج کی سعادت بھی حاصل کر سکے گا تو اس پر واجب ہے کہ فوراً حج کے لیے روانہ ہو جائے۔ ہاں اگر قربانی سے پہلے پہنچنے اور حج ادا کر سکنے کا امکان نہ ہو تو پھر روانہ ہونا واجب نہیں۔

حج بدل

حج بدل کا مطلب ہے اپنے بدلے اپنے مصارف پر دوسرے سے حج کرانا۔ ایک شخص پر حج تو فرض ہے لیکن وہ کسی بیماری، معذوری یا مجبوری کی وجہ سے خود نہیں کر سکتا تو اس کے لیے یہ گنجائش ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا قائم مقام بنا کر حج کے لیے بھیج دے اور وہ شخص اس کے بجائے حج کر لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابورزین نے کہا:

یا رسول اللہؐ! میرے والد بہت ہی بوڑھے ہو چکے ہیں، نہ وہ حج کر سکتے ہیں نہ عمرہ، اور نہ سواری پر بیٹھنے کی ان میں سکت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ ادا کر لو۔'' (ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بجائے بھی حج ادا کرنا صحیح ہے اور جو شخص خود اپنا فرض ادا نہ کر سکتا ہو وہ دوسرے کو بھیج کر اپنا فریضہ ادا کر سکتا ہے، بلکہ ایسی صورت میں اپنا فریضہ ادا کرانا ہی چاہیے۔ یہ خدا کا فرض ہے اور جو شخص کسی کو بھیجنے کا موقع نہ پا سکے تو وہ وصیت کر جائے کہ اس کے بعد اس کے مال میں سے حج بدل کرا دیا جائے۔

ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا:

''یا نبی اللہ! میرے والد کا انتقال ہو گیا اور وہ اپنی زندگی میں فریضۂ حج ادا نہ کر سکے تھے تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر لوں، آپؐ نے فرمایا اگر تمھارے والد پر کسی کا قرضہ ہوتا تو تم ادا کرتے؟ اس شخص نے کہا جی ہاں ضرور ادا کرتا، تو ارشاد فرمایا تو اللہ کا قرض ادا کرنا تو اور ضروری ہے۔'' (جمع الفوائد باب النیابۃ فی الحج)

حج بدل صحیح ہونے کی شرطیں

حج بدل صحیح ہونے کی سولہ شرطیں ہیں جن میں سے پانچ پہلی شرطوں کا تعلق تو حج بدل کرانے والے کی ذات سے ہے اور گیارہ کا تعلق حج بدل کرنے والے شخص سے ہے۔

۱۔ حج بدل کرانے والے پر شرعاً حج فرض ہو۔ اگر کوئی ایسا شخص حج بدل کرائے جس پر حج فرض نہ ہو (یعنی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو) تو اس حج بدل سے فرض ادا نہ ہوگا مثلاً اس حج بدل کے بعد وہ شخص صاحب استطاعت بن جائے اور اس پر حج فرض ہو جائے تو اس کے کرائے ہوئے حج بدل سے اس پر فرض ہونے والا حج ادا نہ ہوگا بلکہ اس کو حج بدل کرانا پڑے گا۔

۲۔ حج بدل کرانے والا خود حج کرنے سے معذور ہو۔ اگر معذوری عارضی ہے جس کے زائل ہونے کی امید ہے تو حج بدل کرانے کے بعد جب وہ معذوری جاتی رہے، اس کو پھر حج کرنا پڑے گا اور اگر معذوری مستقل ہے اور اس کے دور ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے مثلاً کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے نہایت کمزور ہے یا نابینا ہے تو اس معذوری کا آخر وقت تک رہنا شرط نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ معذوری حج بدل کرانے کے بعد دور فرما دی تو اب دوبارہ حج کرنا فرض نہیں ہے، فرض ادا ہو گیا۔

۳۔ معذوری حج بدل کرانے سے پہلے پائی جائے، اگر معذوری حج بدل کرانے کے بعد ہوئی ہے تو اب پہلے کرائے ہوئے حج بدل کا اعتبار نہ ہوگا اور معذوری کے بعد حج بدل کرانا ضروری ہوگا۔

۴۔ حج بدل کرانے والا خود کسی سے حج کے لیے کہے، اگر کوئی شخص از خود دوسرے کی طرف سے اس کے کہے بغیر حج کر لے تو فرض ساقط نہ ہوگا، مرتے وقت وصیت کرنا بھی کہنے کے حکم میں ہے۔ البتہ کسی کا وارث اگر اس کی وصیت کے بغیر بھی اس کی طرف سے حج بدل کر دے یا کسی اور سے کرا دے تو فرض ادا ہو جائے گا۔

۵۔ حج بدل کرانے والا خود ہی حج کے سارے مصارف برداشت کرے۔ کسی دوسرے کو اس میں شریک نہ بنائے۔

۶۔ حج بدل کرنے والا مسلمان ہو۔

۷۔ حج بدل کرنے والا صاحب ہوش وخرد ہو، دیوانہ اور مجنون نہ ہو

۸۔ حج بدل کرنے والا سمجھ دار ہو، چاہے نابالغ ہی ہو، اگر کسی ناسمجھ سے حج بدل کرایا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

۹۔ حج بدل کرنے والا احرام باندھتے وقت اس شخص کی طرف سے حج کی نیت کرے جو حج بدل کرا رہا ہے۔

۱۰۔ وہی شخص حج بدل کرے جس سے حج بدل کرانے والے نے کہا ہے۔ ہاں! اگر یہ اجازت دی ہو کہ وہ دوسرے سے بھی حج بدل کرا سکتا ہے تو پھر دوسرے کے ذریعے حج بدل کرانا بھی صحیح ہوگا۔

۱۱۔ حج بدل کرنے والا اس شخص کے منشا کے مطابق حج کرے جو حج بدل کرا رہا ہے مثلاً حج کرانے والے نے حج قران کو کہا ہے تو حج قران کرے تمتع کو کہا ہے تو حج تمتع ہی کرے افراد کو کہا ہے تو حج افراد ہی کرے۔

۱۲۔ حج بدل کرنے والا ایک ہی حج کا احرام باندھے اور ایک ہی شخص کی طرف سے باندھے۔ اگر اس نے حج بدل کرانے والے کی طرف سے احرام باندھ لیا اور ساتھ ہی اپنے حج کا بھی احرام باندھ لیا یا دو افراد کی طرف سے حج بدل کا احرام باندھ لیا تو فرض ادا نہ ہوگا۔

۱۳۔ حج بدل کرنے والا سواری سے حج کے لیے جائے پا پیادہ حج نہ کرے۔

۱۴۔ حج بدل کرنے والا اسی مقام سے حج کا سفر کرے جہاں حج بدل کرانے والا رہتا ہو۔ البتہ میت کے تہائی مال میں سے حج بدل کرایا جارہا ہوتو پھر اس رقم میں جہاں سے حج کیا جا سکتا ہو وہیں سے حج کے لیے سفر کیا جائے۔

۱۵۔ حج بدل کرنے والا حج کو فاسد نہ کرے۔ اگر فاسد کرنے کے بعد اس کی قضا کرے گا تو اس حج سے حج بدل کرانے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔

۱۶۔ حج بدل کرنے والے سے حج فوت نہ ہوجائے، اگر اس کا حج فوت ہوجائے اور پھر وہ اس حج کی قضا کرے تو اس قضا حج سے حج بدل کرانے والے کا فرض ادا نہ ہوگا۔ بعض کتابوں میں چند شرطیں اور بھی لکھی ہیں، لیکن وہ دراصل انہی شرائط میں سے کسی نہ کسی میں داخل ہیں۔ حنفیہ کے یہاں حج بدل کے لیے یہ بھی شرط نہیں ہے کہ جس سے حج کرایا جارہا ہے اس نے اپنا فریضہ حج ادا کرلیا ہو۔[1]

مدینہ منورہ کی حاضری

مدینہ طیبہ میں حاضری بلاشبہ حج کا کوئی رکن نہیں ہے، لیکن مدینہ کی غیر معمولی عظمت وفضیلت، مسجد نبوی میں نماز کا بے پایاں اجر وثواب اور دربارِ نبویؐ میں حاضری کا شوق، مومن کو کشاں کشاں مدینہ پہنچا دیتا ہے اور امت کا ہمیشہ سے یہی دستور بھی رہا ہے، آدمی دور دراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے اور دربار نبویؐ میں درود وسلام کا تحفہ پیش کیے بغیر واپس آئے یہ زبردست محرومی ہے۔ ایسی محرومی کہ اس کے تصور سے مومن کا دل دکھنے لگتا ہے۔

مدینہ طیّبہ کی عظمت وفضیلت

مدینہ طیّبہ کی عظمت وفضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہاں محسن انسانیت نے اپنی زندگی کے دس سال گزارے ہیں، یہاں آپ کی تعمیر کردہ مسجد ہے جس میں آپؐ نے

---

[1] البتہ علمائے اہل حدیث کے نزدیک یہ ضروری شرط ہے کہ حج بدل کرنے والا اپنا فریضہ حج ادا کر چکا ہو ورنہ حج بدل صحیح نہ ہوگا۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ یہیں پر وہ میدان ہے جہاں حق و باطل کی فیصلہ کن جنگ ہوئی اور اسی پاک زمین میں میدان بدر کے وہ شہداء آرام کر رہے ہیں، جن سے نسبت پر امت کو بجا طور پر فخر ہے، یہیں پر وہ سعید روحیں آرام کر رہی ہیں جن کو نبیٔ صادقؐ نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی اور اسی سرزمین پاک میں خود نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں۔

ہجرت سے پہلے اس شہر کا نام یثرب تھا، ہجرت کے بعد یہ مدینہ اور طیبہ کے نام سے مشہور ہوا اور خدا نے اس کا نام طابہ رکھا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے، کہ اللہ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (مسلم)

اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مدینہ کا نام طابہ رکھوں۔ (بخاری جلد اول)

طابہ، طیبہ اور طیّبہ کے معنی ہیں، پاکیزہ اور خوش گوار اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ طیّبہ کی پاک سرزمین واقعی پاکیزہ اور خوش گوار ہے۔

ہجرت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلالؓ مدینہ میں سخت بیمار ہو گئے اس لیے کہ یہاں کی آب و ہوا انتہائی خراب تھی اور اکثر وبائی بیماریوں کے حملے ہوتے رہتے تھے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی کہ ''پروردگار! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت پیدا فرما دے، جس طرح ہمارے دلوں میں مکہ کی محبت ہے، یہاں کے بخار کو جُحفہ[1] کی جانب نکال دے اور یہاں کی آب و ہوا کو خوشگوار بنا دے۔ (بخاری)

نبی ﷺ کو مدینہ طیبہ سے جو غیر معمولی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب کبھی آپ سفر سے واپس آتے تو دور سے جونہی مدینہ کی عمارتیں نظر آنے لگتیں، آپ فرطِ شوق میں اپنی سواری تیز کر دیتے اور فرماتے ''طابہ آ گیا۔'' (بخاری)

اور اپنی چادر شانہ اقدس سے نیچے گرا کر فرماتے یہ طیبہ کی ہوائیں ہیں۔ آپؐ کے

---

[1] ساحل سمندر پر رابغ کے قریب ایک بستی تھی، یہاں سے اس دور میں قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔

ساتھیوں میں سے جولوگ گردوغبار سے بچنے کے لیے اپنے منہ پر کچھ رکھتے اور بند کرتے تو آپؐ اس سے روکتے اور فرماتے ''مدینہ کی خاک میں شفا ہے۔'' (جذب القلوب)

مدینے کی فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ اس کو اللہ نے اپنی زمین کہا ہے۔

اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ○ العنکبوت 56:29

بلاشبہ میری زمین کشادہ ہے، پس میری ہی بندگی کرو۔

اور سورۂ زمر میں ہے:

وَاَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَةٌ ط الزمر 10:39

اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔

مدینہ کی پاکیزہ خاک کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے:

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، مدینہ کی خاک میں ہر مرض کے لیے شفا ہے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں میرا خیال ہے آپ نے فرمایا تھا، اور جذام اور برص کے لیے بھی اس میں شفا ہے۔ (الترغیب)

مدینہ کی عظمت اور احترام کی تاکید آپ نے ان الفاظ میں فرمائی:

ابراہیمؑ نے مکہ کو ''حرم'' قرار دینے کا اعلان فرمایا تھا اور میں مدینہ کے حرم ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔ مدینہ کے دونوں دروں کے درمیان پورا رقبہ ''حرم'' ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے، کسی پر ہتھیار نہ اٹھایا جائے اور درختوں کے پتے تک نہ جھاڑے جائیں، البتہ چارے کے لیے جھاڑ سکتے ہیں۔ (مسلم)

مدینہ میں سکونت اختیار کرنے اور وہاں کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کی فضیلت بتاتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا:

میری امت کا جو شخص بھی مدینہ کی شدت اور سختی کو برداشت کر کے وہاں سکونت پذیر رہے گا۔ قیامت کے روز میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (مسلم)

نیز فرمایا: اپنی امت کے لوگوں میں سب سے پہلے میں مدینہ والوں کی شفاعت کروں گا اور پھر اہل مکہ اور پھر طائف والوں کی۔ (طبرانی)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کی سرزمین میں اپنی ذریت کو بساتے ہوئے دعا فرمائی تھی:

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ○ ابراہیم 37:14

لہٰذا تُو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں کھانے کے لیے پھل عطا فرما تا کہ یہ تیرے شکر گزار بندے بن کر رہیں۔

نبیؐ نے اس دعا کا حوالہ دیتے ہوئے مدینہ کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرمائی تھی:

اے اللہ! ابراہیم، تیرے خاص بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انھوں نے مکہ کی خیر و برکت کے لیے تجھ سے دعا کی تھی اور میں مدینہ کی خیر و برکت کے لیے ویسی ہی دعا کرتا ہوں بلکہ اور زیادہ۔ (مسلم)

مدینے کی پاکی اور دینی اہمیت کو بتاتے ہوئے آپ نے فرمایا:

قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ اپنے اندر کے شر پسند عنصر کو اس طرح باہر نہ نکال پھینکے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم)

مدینہ میں وفات پانے کی آرزو اور کوشش کی فضیلت بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص مدینہ میں وفات پانے کی کوشش کر سکتا ہو اس کو ضرور کوشش کرنی چاہیے کہ مدینے ہی میں اس کو موت آئے، اس لیے کہ جو شخص مدینہ میں وفات پائے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔ (مسند احمد، ترمذی)

حضرت ابن سعدؓ کا بیان ہے کہ عوف بن مالک اشجعیؓ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمرؓ شہید کر دیے گئے اور انھوں نے حضرت عمرؓ سے اپنے اس خواب کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ نے بڑی حسرت سے کہا:

بھلا مجھے شہادت کیوں کر نصیب ہوگی! جب کہ میں جزیرۃ العرب میں رہ رہا ہوں،

میں خود جہاد میں شریک نہیں ہوتا اور لوگ ہر وقت مجھے گھیرے رہتے ہیں۔ ہاں! خدا کو منظور ہوگا تو انھی حالات میں وہ مجھے شہادت کی سعادت سے نوازے گا اور اس کے بعد آپ نے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب کر اور مجھے اپنے رسولؐ کے شہر میں موت دے۔

مسجد نبوی کی عظمت

مسجد نبوی کی عظمت اور فضیلت کے لیے یہی بات کیا کم ہے کہ اس کی تعمیر خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی اور برسوں اس میں نماز پڑھی اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور اس کو اپنی مسجد کہا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

''میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ہزار نمازیں پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے۔''

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز بھی فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور ہر عذاب سے برأت لکھ دی جائے گی اور اسی طرح نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔'' (مسند احمد، الترغیب)

نیز ارشاد فرمایا:

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوضِ کوثر پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

روضۂ اقدس کی زیارت

کتنے خوش نصیب تھے وہ مومنین جن کی آنکھیں دیدارِ رسول سے روشن ہوئیں، جو آپ کی صحبت میں رہے اور شب و روز آپ کے کلام سے مستفیض ہوئے۔ یہ سعادت تو صرف صحابہ کرامؓ کے لیے مخصوص تھی، لیکن یہ موقع قیامت تک باقی ہے کہ مشتاقانِ دید روضۂ اقدس

پر حاضری دیں اور آپ کی دہلیز پر کھڑے ہو کر درود و سلام کے تحفے پیش کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

❖ جس شخص نے حج کیا اور میری وفات کے بعد اس نے میرے روضے کی زیارت کی تو وہ زیارت پانے میں اسی شخص کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ (بیہقی)

❖ جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی اور میری امت کا جو شخص میری زیارت کرنے کی سعادت اور طاقت رکھنے کے باوجود میری زیارت نہ کرے تو اس کا کوئی عذر، عذر نہیں۔ (علم الفقہ)

اور فرمایا:

❖ جو شخص میری زیارت کے لیے آئے اور اس کے سوا اس کو کوئی دوسرا کام نہ ہو تو اس کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں اس کی شفاعت کروں۔ (علم الفقہ جلد پنجم)

روضۂ اقدس کی زیارت کا حکم

روضۂ اقدس کی زیارت واجب ہے۔ احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے، جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا، اس نے مجھ پر ظلم کیا، اور ایک حدیث میں ہے، جس نے استطاعت کے باوجود میری زیارت نہیں کی اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں۔ انھی احادیث کی روشنی میں علماء نے روضۂ اقدس کی زیارت کو واجب قرار دیا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور دوسرے اسلاف روضۂ اقدس کی زیارت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ کی عادت تھی کہ جب بھی کسی سفر سے آتے تو سب سے پہلے روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے اور نبی کی جناب میں درود و سلام پڑھتے۔

حضرت عمرؓ کعب احبار کو لے کر مدینہ آئے اور مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے روضۂ

اقدس پر حاضر ہوئے اور جناب رسالت میں درود وسلام پیش کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تو شام سے خاص اس مقصد کے لیے اپنے قاصد کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہ وہاں پہنچ کر دربارِ رسالت میں ان کا سلام پہنچادے۔

حج کی دعائیں۔ایک نظر میں

حج کے دوران مختلف مقامات پر ارکانِ حج ادا کرتے وقت جو مسنون دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ اپنے اپنے موقع پر اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ اور مطلب بھی دیا گیا ہے یہاں ان کی فہرست اور صفحات نقل کیے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت آسانی سے استفادہ کیا جاسکے۔

۱۔آبِ زَم زَم پیتے وقت کی دعا	۲۸۵
۲۔تلبیہ	۲۰۱
۳۔تلبیہ کے بعد کی دعا	۲۰۳
۴۔رکن یمانی کی دعا	۲۱۱
۵۔رمی کی دعائیں	۲۲۶
۶۔سعی کی دعائیں	۲۲۱
۷۔طواف کی دعا	۲۱۴
۸۔قبولیت دعا کے مقامات	۲۸۸
۹۔قربانی کی دعا	۲۷۱
۱۰۔ملتزم کی دعا	۲۸۶
۱۱۔میدانِ عرفات کی دعائیں	۲۰۶

مقاماتِ حج

حرمِ پاک اوراس کے قرب وجوار کے مقدس مقامات جہاں حج کے اعمال وارکان ادا کیے جاتے ہیں نہایت ہی قابل عظمت واحترام ہیں یہ دراصل شعائر اللہ ہیں، ان کا اسلامی تاریخ سے گہرا تعلق ہے ان سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، بالخصوص زائرین حرم کے لیے۔ تاکہ وہ حج سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں، اوران کے حج میں وہ روحانی کیفیت پیدا ہو سکے جو حج کی جان ہے، سہولت کے لیے ان مقامات کا تعارف حروفِ تہجی کی ترتیب کے مطابق پیش کیا جارہا ہے۔

ا۔ بیت اللہ

یہ ایک چوکور مقدس عمارت ہے، جو اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر فرمائی تھی اور ان جذبات اور تمناؤں کے ساتھ تعمیر فرمائی کہ یہ ساری انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک مرکز ہدایت بنے۔ یہیں سے وہ رسول اٹھیں جو سارے عالم کی رہنمائی اور ہدایت کا عظیم فریضہ انجام دیں، اور یہیں سے ان کی قیادت میں وہ امت اٹھے جو قیامت تک تبلیغ دین اور کارِ رسالت کا گراں ترین فریضہ انجام دیتی رہے، قرآن کی شہادت ہے کہ روئے زمین پر اولادِ آدم کے لیے خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر جو تعمیر ہوا وہ یہی ''بیت اللہ'' ہے، یہ سارے جہاں کے لیے خیر وبرکت کا سرچشمہ اور مرکز ہدایت ہے، حج میں زائرِ حرم اسی کے گرد والہانہ طواف کرتا ہے۔

۲۔ بطن عرنہ

میدانِ عرفات میں ایک خاص مقام ہے جو بطن عرنہ یا وادی عرنہ کے نام سے مشہور ہے حجۃ الوداع کے موقع پر اسی وادی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو خطاب فرمایا تھا۔

۳۔جبل رحمت

میدانِ عرفات کے درمیان ایک متبرک پہاڑ ہے۔

۴۔جبل قزح

مزدلفہ میں مشعرالحرام کے پاس ایک پہاڑ ہے۔

۵۔جبل عرفات

میدانِ عرفات کا ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ کی وجہ سے ہی اس وادی کو وادیِ عرفات یا میدانِ عرفات کہتے ہیں۔

۶۔جُحفہ

مکہ معظمہ سے مغرب کی جانب تقریباً ایک سو ستاسی کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ اہل شام و مصر کے لیے اور ان تمام لوگوں کے لیے میقات ہے جو شام و مغرب کے راستے سے حرم میں داخل ہوں۔

۷۔جمرات

منیٰ میں فاصلے فاصلے سے تین مقامات پر تین ستون بنے ہوئے ہیں، ان ستونوں کو جمرات کہتے ہیں۔ پہلا ستون جو مسجد خیف کی جانب بازار میں ہے اس کو جمرۂ اولیٰ کہتے ہیں۔ دوسرا ستون جو بیت اللہ کی جانب ہے اس کو جمرۂ عقبیٰ کہتے ہیں۔ تیسرا ستون جو ان دونوں کے درمیان میں ہے اس کو جمرۂ وسطیٰ کہتے ہیں۔

۸۔حرم

شہر مکہ جس میں بیت اللہ اور مسجد حرام واقع ہے یہ شہر اور اس کے آس پاس کے کچھ علاقے حرم کہلاتے ہیں۔ حرم کے یہ حدود معلوم اور متعین ہیں۔ پہلے یہ حدود حضرت ابراہیمؑ نے مقرر فرمائے تھے۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد رسالت میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ مدینے کی سمت میں تقریباً ۵ کلومیٹر تک حرم کی حد ہے، یمن کی جانب تقریباً گیارہ

کلومیٹر اور طائف کی جانب بھی تقریباً گیارہ اور قریب قریب اتنے ہی کلومیٹر تک عراق کی جانب حرم کی حد ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ غنی اور حضرت معاویہؓ نے اپنے اپنے دور میں ان حدود کی تجدید فرمائی۔ خدا کے دین سے شغف اور وفاداری کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان حدود کی عظمت واحترام اور حفاظت کا پورا پورا اہتمام کریں اور ان امور سے بچے رہیں جن کا کرنا ان حدود میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

۹۔ حطیم

بیت اللہ کے شمال مغرب کا وہ حصہ جو حضرت ابراہیمؑ کے دور میں کعبہ کی عمارت میں شامل تھا اور بعد کی تعمیر میں شامل نہ کیا جا سکا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلے آگ لگنے کی وجہ سے کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔ قریش نے جب اس کی دوبارہ تعمیر کی تو سرمایہ کم پڑ گیا اور کچھ دیوار چھوٹی کر کے کچھ حصے کو چھوڑ دیا گیا اسی چُھوٹے ہوئے حصے کو حطیم کہتے ہیں۔ حطیم چونکہ فی الواقع بیت اللہ ہی کا حصہ ہے اس لیے طواف کرنے والے حطیم کے باہر طواف کرتے ہیں تا کہ حطیم کا بھی طواف ہو جائے۔

۱۰۔ ذاتِ عرق

مکہ معظمہ سے شمال مشرق کی جانب مکہ سے تقریباً ۹۴ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے یہ اہل عراق کے لیے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے بھی جو عراق کی جانب سے حرم میں داخل ہوں۔

۱۱۔ ذوالحلیفہ

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ آتے ہوئے، مدینہ سے آٹھ نو کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے، یہ مقام مکہ معظمہ سے تقریباً چار سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ مدینہ سے آنے والے لوگوں کے لیے میقات ہے۔

۱۲۔رکن یمانی

بیت اللہ کا وہ گوشہ جو یمن کی جانب ہے اس کو رکن یمانی کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، آپ کا ارشاد ہے: ''رکن یمانی اور حجر اسود کو چُھونے سے خطائیں مٹ جاتی ہیں۔'' (الترغیب)

۱۳۔زَم زَم

زَم زَم ایک تاریخی کنواں ہے جو بیت اللہ سے مشرق کی جانب واقع ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اللہ کے حکم سے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو مکہ کے بے آب وگیاہ ریگستان میں لاکر بسایا تو اللہ نے ان پر رحم کھا کر خصوصی فضل فرمایا اور اس چٹیل میدان میں ان کی خاطر زَم زَم کا یہ چشمہ جاری فرمایا۔

حدیث میں اس چشمے کی اور اس کے پانی کی بڑی فضیلت آئی ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ آبِ زَم زَم کو خوب سیر ہوکر پینا چاہیے، یہ جس مقصد کے لیے پیا جائے، مفید ہے، یہ بھوکے کے لیے غذا ہے اور بیمار کے لیے شفا ہے۔

۱۴۔صفا

بیت اللہ سے جنوب کی جانب ایک پہاڑی کا نام ہے، اب تو اس پہاڑی کا بہت معمولی سا نشان باقی رہ گیا ہے، اس کے بالمقابل بیت اللہ کے شمال میں مروہ پہاڑی ہے اور ان دونوں کے درمیان زائرِ حرم کے لیے سعی کرنا واجب ہے، اس سعی کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے۔

۱۵۔عرفات

مکہ مکرمہ سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک نہایت ہی وسیع وعریض کشادہ میدان ہے، حرم کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے، میدان عرفات میں پہنچنا اور وقوف کرنا، حج کا اہم ترین رکن ہے، اور جس نے یہ رکن چھوڑ

دیا اس کا حج ہی نہیں ہوا۔ حدیث میں وقوفِ عرفات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

۱۶۔قرن المنازل

مکہ معظّمہ سے مشرق کی جانب جانے والی سڑک پر ایک پہاڑی مقام ہے، یہ مکہ معظّمہ سے تقریباً پچاس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، یہ نجد کے رہنے والوں کے لیے میقات ہے اور ان سارے لوگوں کے لیے جو نجد کے راستے حرم میں داخل ہوں۔

۱۷۔محصّب

مکہ معظّمہ اور منٰی کے درمیان ایک میدان تھا جو دو پہاڑیوں کے درمیان واقع تھا اس کو محصب کہتے تھے۔ آج کل یہ آباد ہو گیا ہے اور اب اس کو "معاہدہ" کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منٰی سے جاتے ہوئے یہاں کچھ دیر کے لیے ٹھہرے تھے، لیکن محصب میں ٹھہرنا مناسک حج میں سے نہیں۔

۱۸۔مزدلفہ

منٰی اور عرفات کے بالکل درمیان میں ایک مقام ہے اس کو جمع بھی کہتے ہیں اس لیے کہ ۱۰ ذوالحجہ کی شب میں حاجی لوگ یہاں جمع ہوتے ہیں، مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اور وقوف کا اصل وقت طلوعِ فجر سے طلوع آفتاب تک ہے۔

۱۹۔مسجد الحرام

مسجد الحرام دنیا کی تمام مسجدوں میں افضل مسجد ہے بلکہ نماز پڑھنے کی اصل جگہ یہی ہے اور دنیا کی ساری مسجدیں درحقیقت اسی کی قائم مقام ہیں۔ یہ وہ مبارک مسجد ہے جس کے درمیان میں اللہ کا وہ گھر واقع ہے جو دنیا میں خدا کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے اور جو ساری انسانیت کے لیے ہدایت و برکت کا سرچشمہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے اس مسجد میں ایک نماز پڑھنے کا اجر و ثواب دوسری جگہ کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

۲۰۔ مسجد نبویؐ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ آئے تو آپ نے یہاں ایک مسجد تعمیر فرمائی، تعمیر میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ خود بھی برابر کے شریک رہے اور اس کے بارے میں فرمایا: یہ میری مسجد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسوں اس مسجد میں نماز پڑھی اور صحابہ کرامؓ نے بھی برسوں پڑھی۔ اس مسجد کی فضیلت و عظمت کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

صرف تین مسجدوں کے لیے آدمی سفر کر سکتا ہے، مسجد حرام کے لیے، مسجد اقصیٰ کے لیے اور میری اس مسجد کے لیے۔ (بخاری و مسلم)

نیز ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل چالیس وقت کی نمازیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان میں کوئی نماز فوت نہیں ہوئی تو اس کے لیے جہنم کی آگ اور عذاب سے برأت اور نجات لکھ دی جائے گی اور اسی طرح نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔'' (الترغیب)

۲۱۔ مسجد خیف

منیٰ میں ایک مسجد ہے، منیٰ میں وقوف کے دوران حجاج اسی مسجد میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھتے ہیں۔

۲۲۔ مسجد نمرہ

حرم اور عرفات کی عین سرحد پر یہ مسجد واقع ہے۔ اس مسجد کی جو دیوار مکہ کی جانب ہے وہ حرم اور عرفات کے درمیان حد فاصل ہے۔ دورِ جاہلیت میں قریش کے لوگ عرفات جانے کے بجائے حرم کے حدود ہی میں یعنی مشعر الحرام کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا خصوصی امتیاز سمجھتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہ حکم دیا تھا کہ آپ کا خیمہ ''نمرہ'' میں نصب کیا جائے، چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق آپ کا خیمہ نمرہ ہی میں نصب کیا گیا۔ اسی مقام پر ''مسجد نمرہ'' ہے۔

۲۳۔مشعرالحرام

مزدلفہ کے میدان میں ایک اونچا سانشان ہے، اس کے کنارے کنارے احاطہ بنادیا گیاہے، اس کومشعرالحرام کہتے ہیں۔اس مقام پر کثرت سے ذکروتسبیح کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پہاڑی پر چڑھ کر ذکروتسبیح فرمائی اور دعا کی، یہ مقام بھی دعا کی قبولیت کے مقامات میں سے ہے۔قرآنِ پاک میں بھی ہدایت ہے کہ ''مشعرالحرام کے پاس کثرت سے ذکرالٰہی کرو۔''

رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ ۚ البقرہ،198:2

پس جب تم عرفات سے لوٹ کر آؤ تو مشعرالحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور جس طرح تمھیں ہدایت ہے اسی طرح یاد کرو۔

۲۴۔مطاف

بیت اللہ کے چاروں طرف کنارے کنارے بیضوی شکل کی جگہ بنی ہوئی ہے، جس میں حطیم بھی داخل ہے۔اس کومطاف کہتے ہیں، مطاف طواف کرنے کی جگہ کو کہتے ہیں، یہاں شب وروز بیت اللہ کے پروانے طواف کرتے نظر آتے ہیں اور جماعت کے وقت کے علاوہ دن ہو یا رات ہر وقت کچھ لوگ طواف میں مشغول ہوتے ہیں۔

۲۵۔مقامِ ابراہیم

بیت اللہ سے شمال مشرق کی جانب بابِ کعبہ سے کچھ فاصلے پر ایک قبہ بنا ہوا ہے اس کے اندر مبارک پتھر رکھا ہوا ہے جس پر حضرت ابراہیمؑ کے دونوں قدموں کے نشانات ہیں، اسی کومقامِ ابراہیم کہتے ہیں، یہ انتہائی متبرک مقام ہے، یہ خدا کی عظیم نشانیوں میں سے ایک ہے، خدا کی ہدایت ہے۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ البقرہ،125:2

اور مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کو مستقل عبادت گاہ قرار دے لو۔

طواف کے شوط پورے کرنے کے بعد طواف کرنے والے مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، نماز پڑھنے کی جگہ مقامِ ابراہیم اور بابِ کعبہ کے درمیان بنی ہوئی ہے، حضرت امام مالکؒ کا بیان ہے کہ مقامِ ابراہیم اس وقت اُسی جگہ رکھا ہوا ہے جہاں اس کو حضرت ابراہیم رکھ گئے تھے۔

۲۶۔ملتزم

بیت اللہ کی دیوار کے اس حصے کو کہتے ہیں جو بابِ کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے یہ تقریباً چھ فٹ کا حصہ ہے اور قبولیت دعا کے اہم مقامات میں سے ہے، ملتزم کے معنی ہیں چمٹنے کی جگہ۔ اس مقام سے چمٹ کر اور چہرہ لگا کر انتہائی عاجزی لجاجت اور انکساری کے ساتھ دعا مانگنا مسنون ہے۔

۲۷۔منیٰ

حدودِ حرم میں مکہ مکرمہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک مقام ہے ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کی درمیانی شب حجاج اسی مقام پر گزارتے ہیں اور ۹ ذوالحجہ کو اچھی طرح دن نکلنے کے بعد عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

۲۸۔میلین اخضرین

صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان مروہ کی طرف جاتے ہوئے بائیں جانب کو دو سبز نشان ہیں ان کو میلین اخضرین کہتے ہیں، ان دونوں کے درمیان دوڑنا مسنون ہے، مگر صرف مردوں کے لیے، خواتین نہ دوڑیں، بلکہ معمولی رفتار سے ہی سعی کریں۔

۲۹۔وادیِ محسّر

مزدلفہ اور منیٰ کے درمیانی راستے میں ایک مقام ہے اس کو محسر کہتے ہیں۔ ولادتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے چند ہی یوم پہلے حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے بیت اللہ کو ڈھانے کے ناپاک ارادے سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، جب وہ وادی محسّر میں پہنچا تو خدا نے

سمندر کی جانب سے ننھے ننھے پرندوں کی فوج بھیجی جن کے پنجوں اور چونچوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں اور انھوں نے ابرہہ کے ہاتھی سوار فوج پر کنکریوں کی ایسی ہلاکت خیز بارش کی کہ ساری فوج تہس نہس ہوگئی۔ زائرین حرم اس مقام سے کنکریاں اٹھا کر ساتھ لاتے ہیں اور اسی سے رمی کرتے ہیں جو اس عزم کا اظہار ہے کہ دین حق کی بنیادیں ڈھانے کے لیے کسی نے بھی آگے بڑھنے کا ناپاک ارادہ کیا تو ہم اسے اسی طرح تہس نہس کر دیں گے جس طرح ابابیل نے ابرہہ کی فوج کو تہس نہس کر دیا تھا۔ وادیِ محسّر کے میدان میں بھورے رنگ کی بجری ہے، حجاج کو چاہیے کہ یہاں سے چنے کے دانے کے برابر کنکریاں حسب ضرورت اٹھا کر جلد اس مقام سے گزر جائیں۔ یہ مقامِ عذاب ہے۔

۳۰۔ یلملم

مکہ کے جنوب مشرق کی سمت یمن سے آنے والے مقام پر ایک پہاڑی مقام ہے جو مکہ سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر کی دوری پر ہے، یہ یمن اور یمن کی سمت سے آنے والوں کی میقات ہے۔ اہل ہند اور اہل پاکستان کو بھی اسی مقام پر احرام باندھنا ہوتا ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مآخذ

احکام کی حکمت وفضیلت کے مباحث میں ان کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔ تفسیر النسفی۔

۲۔ تفسیر الخازن۔

۳۔ تفسیر البیضاوی۔

۴۔ ترجمانُ القرآن از مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم۔

۵۔ تفہیم القرآن از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ۔

۶۔ ترجمہ وتفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم۔

۷۔ صحاح ستّہ۔

۸۔ مؤطا امام مالکؒ۔

۹۔ ریاض الصّالحین۔

۱۰۔ الادبُ المفرد۔

۱۱۔ حصن حصین۔

۱۲۔ مشکوٰۃ۔

۱۳۔ احیائے علوم الدین۔

۱۴۔ کشفُ المحجوب وغیرہ۔

اور مسائل واحکام کسی اجتہادی کاوش اور محاکے کے بغیر سادہ انداز میں ذیل کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں اور صرف وہی متفق علیہ مسائل منتخب کیے گئے ہیں جن کی عام طور پر ضرورت پیش آتی ہے۔

۱۔ البدایہ۔

۲۔ عین الہدایہ شرح بدایہ۔

۳۔ فتح القدیر۔

۴۔ قدوری۔

۵۔ شرح وقایہ۔

۶۔ نورالایضاح۔

۷۔ فقہ السنّہ تالیف السید سابق۔

۸۔ علم الفقہ۔

۹۔ تعلیمُ الاسلام۔

۱۰۔ اسلامی تعلیم۔

۱۱۔ آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام از مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ۔

۱۲۔ رسائل ومسائل از مولانا مودودی، مدظلہٗ۔

۱۳۔ بہشتی زیور۔

۱۴۔ فتاویٰ دارُالعلوم دیوبند وغیرہ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

مولانا محمد یوسف اصلاحی

برصغیر ہندو پاک، عرب ممالک، امریکہ اور یورپ کے نہایت مقبول اور پسندیدہ مصنفین میں شمار ہوتے ہیں۔ آدابِ زندگی، آسان فقہ، حسن معاشرت ہر مکتبہ فکر میں نہایت مقبول مطبوعات ہیں۔

مولانا کا انداز تحریر نہایت سادہ دل نشین اور پُر اثر ہے۔ دقیق مسائل کو اس طرح بیان کرتے ہیں جسے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ ان کا طرز تحریر قلب و ذہن کی دنیا کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اور ایمان و یقین کی شمع دلوں میں روشن ہو جاتی ہے۔

مولانا محمد یوسف اصلاحی کی کتب قرآن و سنت کا پرتو ہیں اور انداز مکمل طور پر تحریکی اور دعوتی ہے۔ جو غیر محسوس انداز میں زندگی کا رخ تبدیل کر کے زندگی کو ایک خاص ڈھانچہ میں ڈھال دیتا ہے۔ مولانا محمد یوسف اصلاحی کی مطبوعات کو ہر مکتبہ فکر میں غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

آسان فقہ

آسان فقہ، مولانا یوسف اصلاحی کی مقبول ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ دقیق فقہی مسائل کو عام مسلمانوں کے لیے نہایت ہی آسان اور عام فہم انداز میں حل کیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں اردو دان طبقے کے لیے غیر مانوس فقہی اصطلاحات کا ترجمہ دے دیا گیا ہے۔ مسائل و احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ عبادات و اعمال کی فضیلت و اہمیت پر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔ تاکہ احکام معلوم ہونے سے پہلے احکام کی پیروی کے لیے ذہن و جذبات تیار ہو سکیں۔

U00029

اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ISBN: 978-969-423-010-8